کنز المدارس بورڈ کے نصاب میں شامل کتاب

علما و مبلغین کے لیے نیکی کی دعوت کے حوالے سے ایک اصولی کتاب

اُصُولُ الدَّعوۃِ وَالاِرشاد

نیکی کی دعوت کے اَہم اُصول

صفحات 241

پیشکش
المدینۃ العلمیۃ (دعوتِ اسلامی)
Islamic Research Center

کنز المدارس بورڈ کے نصاب میں شامل نیکی کی دعوت کے موضوع پر اَہم کتاب

اُصُولُ الدَّعوۃ وَ الْاِرْشَاد

نیکی کی دعوت کے اَہم اُصول

مصنف

مولانا عبد اللہ نعیم صدیقی عطاری مدنی

پیش کش:

المدینۃ العلمیۃ

Islamic Research Center

ناشر

مکتبۃ المدینہ کراچی

www.dawateislami.net

نام کتاب	اُصُولُ الدَّعْوَۃِ وَالْاِرْشَاد نیکی کی دعوت کے اہم اُصول
کل صفحات	241
پہلی بار	محرم الحرام ١٤٤٤ھ، اگست 2022ء
تعداد	3000 (تین ہزار)
پیش کش	المدینۃ العلمیۃ Islamic Research Center

جملہ حقوق بحق مکتبۃ المدینہ محفوظ ہیں

مکتبۃ المدینہ
MAKTABA TUL MADINAH

دینی کتابوں کی اشاعت کا بین الاقوامی ادارہ

فیضانِ مدینہ، محلہ سوداگران، پرانی سبزی منڈی، کراچی

Faizan-E-Madina,Mohalla Sodagaran,Old Sabzi Mandi,Karachi

UAN : +922111252692 , , :92-313-1139278

www.dawateislami.net www.maktabatulmadina.com

ilmia@dawateislami.net feedback@maktabatulmadina.com

پاکستان کے چند مکتبۃ المدینہ

اسلام آباد: شبیر شریف روڈ G-11 مرکز اسلام آباد	051-5553765	لاہور: داتا دربار مارکیٹ، گنج بخش روڈ	04237311679
ملتان: نزد پیپل والی مسجد، اندرون بوہڑ گیٹ	0614511192	فیصل آباد: امین پور بازار	0412632625
پشاور: مکتبۃ المدینہ پشاور ائیر پورٹ	0092 311 9677780	حیدر آباد: فیضانِ مدینہ، آفندی ٹاؤن	0222620122
سکھر: مکتبۃ المدینہ، فیضانِ مدینہ، بیراج روڈ سکھر	0092 312 2611826	میر پور آزاد کشمیر: چوک شہیداں	05827437212

دنیا بھر کے چند مکتبۃ المدینہ

سعودی عرب: 00971-52564l947	متحدہ عرب امارات: 00971-45146911	انگلینڈ: 0044 7872 119618	جرمنی: 0049 1521 6972748
ملائیشیا: 0060 16-934 1591	آسٹریلیا: 0061 430 539 226	اٹلی: 0039-3392358897	امریکہ: 001 (847) 800-3865
جاپان: 0081-8097526831	ترکی: 0090-5318980786	بھارت: 0091 93703 84948	ساؤتھ افریقہ: 0027 79 271 9161
ساؤتھ افریقہ: 0027 79 271 9161	بنگلہ دیش: 00880 1934-457874	کویت: 00965-99972721	ساؤتھ کوریا: 0082 105517-2612

www.dawateislami.net

یادداشت

(دَورانِ مُطالعہ ضَرور تاً انڈر لائن کیجیے، اِشارات لکھ کر صفحہ نمبر نوٹ فرما لیجیے، ان شاءاللہ علم میں ترقی ہو گی)

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ

یادداشت

(دَورانِ مُطالعہ ضَرور تاً انڈر لائن کیجیے، اِشارات لکھ کر صفحہ نمبر نوٹ فرمالیجیے، ان شاءاللہ عِلم میں ترقی ہو گی)

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ

فہرست

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
کتاب پڑھنے کی نیتیں	8	مشق و عملی سوالات	23
المدینۃ العلمیہ کا تعارف	9	دوسری فصل: داعی و مبلغ	24
ہدیۂ قارئین	10	داعی و مبلغ کی تعریف	24
کامیاب نیکی کی دعوت کا دارومدار	10	داعی و مبلغ کی اقسام	24
مقصدِ تصنیف	11	داعی و مبلغ کے اوصاف	24
مصنف کا انتخاب	12	مشق و عملی سوالات	26
آغاز سے اختتام تک	12	تیسری فصل: مدعو	27
پہلا حصہ: علم الدعوۃ کے ارکان کے بارے میں	14	مدعو کی تعریف	27
انسان کی عظمت	15	مدعو کی اقسام	27
ربِ رحمٰن کا عظیم احسان	16	﴿1﴾ موافقین	27
ختم نبوت کی ایک حکمت	17	(1) سابقین	27
وارثین انبیاء	17	سابقین کے اوصاف	28
علم الدعوۃ کی تعریف	18	سابقین کی تربیت	28
علم الدعوۃ کا موضوع	18	(2) متبعین	29
علم الدعوۃ کی غرض وغایت	18	متبعین کے اوصاف	29
علم الدعوۃ کے ارکان	18	متبعین کی تربیت	29
پہلا باب: علم دعوت کے ارکان	19	(3) ضعفا	30
پہلی فصل: دعوت دین / نیکی کی دعوت	20	ضعفا کے اوصاف و مزاج	30
دعوت کا اصطلاحی معنیٰ	21	ضعفا کی تربیت	31
نیکی کی دعوت کے اہداف	21	(4) منافقین	32
﴿1﴾ بیانِ حق اور بلاغِ مبین	21	منافقین کے اوصاف و مزاج	32
﴿2﴾ اللہ کے دین کا نفاذ	21	منافقین کی تربیت	32
﴿3﴾ دلوں کی اصلاح اور پاکیزگی	22	﴿2﴾ مخالفین	33
﴿4﴾ معرفتِ خداوندی واحکاماتِ الٰہیہ	22	(1) معاندین	33
﴿5﴾ امر بالمعروف ونہی عن المنکر	22	معاندین کے اوصاف و مزاج	33

(2) منتظرین	35
منتظرین کے اوصاف و مزاج	35
منتظرین کے لیے اتمام حجت	36
(3) غافلین	37
غافلین کے مزاج واوصاف	37
غافلین کے لیے اتمام حجت	38
مشقی و عملی سوالات	39
چوتھی فصل: مدعوالیہ / دین اسلام	40
عناصر مذہب	40
﴿1﴾ نظام عقائد	40
(1) عقیدۂ توحید	40
(الف) وجودِ صانع	41
وجودِ صانع کے دلائل	41
(ب) وحدانیت	43
وحدانیت کے دلائل	43
خلاصۂ کلام	45
(2) عقیدۂ رسالت و نبوت	45
(الف) حقیقت نبوت	45
(ب) ضرورت نبوت	47
(ج) انبیائے کِرام کی 46 خصوصیات	47
(3) عقیدۂ آخرت	49
عقیدۂ آخرت کی ضرورت	49
عقیدۂ آخرت کے دلائل	51
(ا) نقلی دلیل	51
(ب) عقلی دلیل	52
(ج) افکارِ عالم	53
﴿2﴾ نظام عبادات	54
اسلام کا تصور عبادات	55
(1) بلاواسطہ عبادات	55
عبادات اربعہ	55
(2) بالواسطہ عبادات	56
تصور عبدیت	56
﴿3﴾ نظام اخلاق	58
(1) جذبۂ محرکہ	58
احادیث مبارکہ	61
(2) شخصی اخلاقیات	61
(3) معاشرتی اخلاقیات	63
مشقی و عملی سوالات	65
دوسرا باب: انبیائے کِرام کا منہج دعوت	66
پہلی فصل: دعوت توحید	67
مبلغ کے لیے راہ نما اصول	67
مشقی و عملی سوالات	68
دوسری فصل: عقیدۂ آخرت کی دعوت	69
مبلغ کے لیے راہ نما اصول	70
مشقی و عملی سوالات	71
تیسری فصل: اصلاح اور تربیت	72
مبلغ کے لیے راہ نما اصول	72
مشقی و عملی سوالات	73
چوتھی فصل: برائی سے روکنا	74
مبلغ کے لیے راہ نما اصول	75
مشقی و عملی سوالات	76
پانچویں فصل: انبیائے کرام کی مشترکہ عبادات	77
خلاصۂ بحث	78
مبلغ کے لیے راہ نما اصول	79
مشقی و عملی سوالات	80
تیسرا باب: حضرت نوح کا منہج دعوت	81

حضرت نوح علیہ السّلام	82
پہلی فصل: دعوت نوح کی اساس	82
﴿1﴾ دعوت توحید	82
توحید کے ساتھ ساتھ تقویٰ کی دعوت	83
﴿2﴾ رِدِ شرک	83
﴿3﴾ اخوت و مساوات	84
مبلغ کے لیے راہ نما اصول	85
مشقی و عملی سوالات	86
دوسری فصل: دعوتِ نوح کا اسلوب	87
﴿1﴾ شفقت بھرا انداز	87
﴿2﴾ اندازِ دعوت میں وسعت	88
﴿3﴾ غور و فکر کی ترغیب	88
مبلغ کے لیے راہ نما اصول	89
مشقی و عملی سوالات	90
تیسری فصل: حضرت نوح کی ثابت قدمی	91
﴿1﴾ مسلسل کوشش	91
﴿2﴾ معاملہ اللہ کے حوالے کر دینا	91
﴿3﴾ اللہ پر توکل	92
مبلغ کے لیے راہ نما اصول	92
مشقی و عملی سوالات	93
چوتھا باب: آخری پیغمبر کی دعوتِ دین / نیکی کی دعوت	94
داعیِ اعظم کا منہج دعوت	95
پہلا مبحث: تدریج	95
پہلی فصل: دعوتِ دین میں تدریج	96
دعوتِ دین کا پہلا دور	96
دعوتِ دین کا دوسرا دور	97
دعوتِ دین کا تیسرا دور	97
دعوتِ دین کا چوتھا دور	98
دعوتِ دین کا پانچواں دور	100
دعوتِ دین کا چھٹا دور	100
مبلغ کے لیے راہ نمائی	101
مشقی و عملی سوالات	103
دوسری فصل: احکام شرع میں تدریج	104
نماز کے تدریجی احکام	104
روزہ کے تدریجی احکام	105
شراب کی تدریجی حرمت	107
مبلغ کے لیے راہ نما اصول	108
مشقی و عملی سوالات	110
دوسرا مبحث: تعلیم و تربیت	111
پہلی فصل: غیر مستقل تعلیم و تربیت	111
مشقی و عملی سوالات	113
دوسری فصل: مستقل تعلیم و تربیت	114
مَردوں کی تعلیم و تربیت کا نظام	114
خواتین کی تعلیم و تربیت کا نظام	115
مبلغ کے لیے راہ نما اصول	115
مشقی و عملی سوالات	116
پانچواں باب: صحابہ کِرام کا منہج دعوت	117
پہلا مبحث: اشاعت قرآن	119
پہلی فصل: جمع قرآن	119
دوسری فصل: تعلیم قرآن	120
معلمینِ قرآن کی تقرریاں	120
تنخواہوں کا تقرر	121
تعلیمِ قرآن کا التزام	121
مبلغ کے لیے راہ نما اصول	122
مشقی و عملی سوالات	123
دوسرا مبحث: تبلیغ دین	124

پہلی فصل: صحابۂ کِرام کا کردار	124
دوسری فصل: نفسیات کا لحاظ	125
دلیل اور شائستگی	125
مبلغ کے لیے راہ نما اصول	126
مشقی و عملی سوالات	127
چھٹا باب: مجددین کا منہج دعوت	128
پہلی فصل: عقائد و نظریات کی تجدید	129
(1) تحریر و تصنیف	129
(2) مناظرہ	130
(3) تقریر	131
دوسری فصل: احوالِ مسلمین کی تجدید	132
(1) تحریر و تصنیف	132
(2) وعظ و نصیحت	133
(3) درس و تدریس	133
مبلغ کے لیے راہ نما اصول	134
مشقی و عملی سوالات	135
دوسرا حصہ: نیکی کی دعوت کے طریقوں کے بارے میں	136
پہلا باب: تحریر کے بارے میں	136
پہلی فصل: قبل از تحریر	138
﴿1﴾ مقصد	138
﴿2﴾ انتخاب موضوع	138
موضوع کی تعریف	139
پہلی مثال	139
سورج سے متعلق موضوعات	140
دوسری مثال	140
معاصر عالم اسلام کے حالات	140
تیسری مثال	140
امام غزالی	141
چوتھی مثال	141
عورت اور پردہ	141
عورت بحیثیت بیوی	141
عورت بحیثیت ماں	142
عورت اور کام	142
موضوع منتخب کرنے کے خارجی ذرائع	142
موضوع منتخب کرنے کے راہ نما اصول	143
بزرگان دین کے تحریری مقاصد	145
تصنیف و تالیف میں فرق	147
تصنیف کی تعریف	147
تالیف کی تعریف	147
﴿3﴾ قارئین کا تعین	148
(1) اجتماعی قارئین	148
(2) انفرادی قارئین	148
﴿4﴾ اسلوب تحریر	149
(1) اسلوب تحریر کی تشکیل	150
(2) اسلوب تحریر کے بیانی عناصر	151
بہترین اسلوب اپنانے کے طریقے	152
مشقی و عملی سوالات	154
دوسری فصل: دوران تحریر	155
﴿1﴾ الفاظ، جملے اور پیراگراف	155
ذخیرۂ الفاظ جمع کرنے کے طریقے	155
الفاظ کا استعمال	156
اصطلاحی الفاظ	158
جملہ / کلام	158
جملوں کی طوالت و اختصار	158
پیراگراف	159
﴿2﴾ قارئین سے وابستگی	160

اختصار و جامعیت	160
ظرافت / خوش طبعی	160
منظر نگاری	161
منظر نگاری کے دو مؤثر طریقے	161
﴿3﴾ ابتدا و انتہا	164
﴿4﴾ عنوانات / سرخیاں	165
مشقی و عملی سوالات	166
تیسری فصل: تحریر کے بعد	167
پروف ریڈنگ	167
پروف ریڈنگ کے مقاصد	167
پروف ریڈنگ کے مراحل	167
پروف ریڈنگ پر دو اہم مشورے	168
انتہائی اہم گزارش	169
مشقی و عملی سوالات	170
دوسرا باب: بیان کے بارے میں	171
پہلی فصل: بیان کی اقسام	173
﴿1﴾ اصلاحی بیان	173
اصلاحی بیان کے مخاطب	173
مبلغ کا لب و لہجہ	173
﴿2﴾ علمی و تربیتی بیان	174
علمی و تربیتی بیان کے مخاطب	174
مبلغ کا لب و لہجہ	174
﴿3﴾ عام خطاب و بیان	174
عام خطاب و بیان کے مخاطب	174
خطیب و مبلغ کا لب و لہجہ	175
﴿4﴾ درسِ قرآن و حدیث	175
درسِ قرآن و حدیث کے مخاطب	175
مدرس کا لب و لہجہ	175

مشقی و عملی سوالات	176
دوسری فصل: بیان کے طریقے	177
﴿1﴾ مکتوبی بیان	177
بیان لکھنے کا طریقہ	177
مکتوبی بیان کرنے کا طریقہ	178
مکتوبی بیان کے فوائد	179
﴿2﴾ حفظی بیان	179
بیان یاد کرنے کے دو طریقے	179
حفظ شدہ بیان کرنے کا طریقہ	180
حفظ شدہ بیان کے بارے میں مختلف آراء	180
﴿3﴾ اِعدادی بیان	181
اعدادی بیان کی تیاری کا طریقہ	181
اعدادی بیان کرنے کا طریقہ	181
﴿4﴾ ارتجالی بیان	183
ارتجالی بیان سیکھنے کے مراحل	183
ارتجالی بیان کے حوالے سے ضروری ہدایات	184
مشقی و عملی سوالات	185
تیسری فصل: بیان کے متعلقات	186
﴿1﴾ بیان کے عناصر	186
﴿2﴾ بیان کے لوازم	187
زبان و بیان	187
الفاظ اور صحتِ تلفظ	187
آواز	188
لہجہ	189
سلاست	189
﴿3﴾ بیان کی خوبیاں	189
فصاحت و بلاغت	190
اسلوب بیان	191

اشعار	191	دورانِ بیان اشاروں کی مشق	212
نکتہ بینی	192	بذلہ سنجی / خوش طبعی کی مشق	212
بے تکلف انداز	192	مختلف الفاظ کے استعمال کی مشق	212
﴿4﴾ بیان کی خامیاں	192	مشقی و عملی سوالات	213
تذبذب / عدمِ اعتماد	193	**پانچویں فصل: درسِ قرآن**	214
بے جا انکساری	193	﴿1﴾ درسِ قرآن کے اصول وضوابط	214
نفسیات کی پرکھ نہ ہونا	194	(الف) مقصد کا تعین	214
بے جا تکرار / تکیہ کلام	194	(ب) علمی حیثیت کا تعین	215
مشکل پسندی	195	(ج) بھرپور تیاری	215
مشقی و عملی سوالات	196	(د) غیر ضروری مباحث سے اجتناب	216
چوتھی فصل: مبلغ کے اوصاف	197	(ہ) الفاظ کا چناؤ	216
﴿1﴾ مبلغ کو کامیاب بنانے والی چیزیں	197	(و) تکلف سے اجتناب	216
معلوماتِ دینیہ	198	(ز) اہم بات کو دہرانا	216
معلوماتِ عامہ	199	(ح) نیا موضوع	217
اچھے برے افعال کی پہچان	199	(ط) سورتوں کے مقاصد	217
متأثر کن امور کی معلومات	200	(ی) حالاتِ حاضرہ پر تبصرہ	218
فکر انگیز جملے	201	(یا) درسِ قرآن اور بیان کا فرق	218
حاضر جوابی	201	(یب) خلوصِ نیت	219
ظرافت / خوش طبعی	202	﴿2﴾ مدرسِ قرآن کے لیے ضروری ہدایات	220
﴿2﴾ مبلغ کے ظاہری وباطنی آداب	203	سورت کا مرکزی مضمون	220
باطنی آداب	203	نظمِ قرآن کا باہمی تعلق	220
ظاہری آداب	205	صفاتِ باری تعالیٰ	221
﴿3﴾ مبلغ کو ناکام کرنے والی چیزیں	207	انذار و تبشیر	221
فطری عیوب	207	دلائلِ قرآنیہ	221
اکتسابی عیوب	209	﴿3﴾ درسِ قرآن کا طریقہ	223
﴿4﴾ مبلغ کے لیے قابلِ مشق چیزیں	211	(1) مخصوص حصہ کا درس	223
چال ڈھال کی مشق	211	مخصوص حصہ کے درس کا طریقہ	223
بے خوفی اور خود اعتمادی کی مشق	211	1 - تلاوت:	223

2-ترجمہ	224	تیسرا حصہ: ترغیبات کے بارے میں	237
3-پسِ منظر و پیشِ منظر	224	(1)مقصد کی اہمیت	238
4-مرکزی مضمون	225	(2)مقصد کی اہمیت	239
5-تشریحِ کلمات	225	(3)مقصد کی اہمیت	239
6-آیات کی تفسیر	228	(4)روایت اور حقیقت	239
7-وقت	229	(5)عمل میں اخلاص	241
8-موضوع پر گرفت	230	(6)گفتگو میں اخلاص	241
9-خلاصۂ درس	230	(7)دل کی اصلاح	241
10-پیغام	230	(8)دلوں کی حیات	242
(2)موضوعاتی درسِ قرآن	230	(9)مشورہ کی اہمیت	242
موضوعاتی درس کا طریقہ	230	(10)اچھی بری صحبت کے اثرات!	243
1-موضوع کا انتخاب	230	(11)بدگمانی شرمندگی بن گئی!	243
2-آیات کی تلاش	231	(12)مفاد پرستی کی تباہی	244
3-عنوانات	232	(13)اسلام کے سفیر	245
4-جمعِ احادیث	232	(14)قوم کے راہ نما	245
5-سیرتِ اسلاف	233	(15)تقویٰ کیا ہے؟	246
6-متعلقہ معلومات	233	(16)اصلاحی سوچ	246
7-اضافہ	234	(17)زندگی کی فصل	247
8-ابتدائی خاکہ	234	(18)چھوٹی سی نیکی	248
9-اہلِ علم کی طرف رجوع	235	(19)انسان کا سب سے بڑا مسئلہ	248
10-حتمی ترتیب	235	(20)تالا کیسے کھلے گا؟	249
درسِ حدیث	235	فرہنگ	250
مشقی و عملی سوالات	236	ماخذ و مراجع	254

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ط بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

”نیکی کی دعوت اہم فریضہ ہے“
کے 20 حُرُوف کی نِسبت سے اِس کتاب کو پڑھنے کی 20 نیّتیں

فرمانِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم: ”نِیَّۃُ الْمُؤْمِن خَیْرٌ مِّنْ عَمَلِہٖ“ یعنی مسلمان کی نیّت اس کے عمل سے بہتر ہے۔

(معجم کبیر، 6/185، حدیث:5942)

مَدَنی پھول: ❖ جتنی اچّھی نیّتیں زیادہ، اُتنا ثواب بھی زیادہ۔

(1 تا 4) ہر بار حمد و صلوٰۃ اور تعوذ و تسمیہ سے آغاز کروں گا (اِسی صفحے کی ابتدا میں دی گئی دو عربی عبارات پڑھ لینے سے چاروں نیّتوں پر عمل ہو جائے گا) (5) رِضائے اِلٰہی کے لیے اوّل تا آخر اِس کتاب کا مُطالعہ کروں گا (6) حَتَّی الْوَسْع اس کا باوُضو اور (7) قبلہ رُو مُطالعہ کروں گا (8) قرآنی آیات اور (9) احادیث مبارکہ کی زیارت کروں گا (10) جہاں سرکار کا اِسمِ مُبارَک آئے گا وہاں ”صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم“ پڑھوں گا (11) جہاں کسی بزرگ کا نام آئے گا وہاں ”رضی اللہ عنہ“ یا ”رحمۃ اللہ علیہ“ پڑھوں گا (12) اِس روایت ”عِنْدَ ذِکْرِ الصَّالِحِیْنَ تَنْزِلُ الرَّحْمَۃ“ یعنی نیک لوگوں کے ذِکر کے وقت رَحمت نازِل ہوتی ہے۔ (حلیۃ الاولیاء، 7/335، رقم:10750) پر عمل کرتے ہوئے صالحین کے ذِکر کی بَرَکتیں لُوٹوں گا (13) اس کتاب میں موجود تربیت کے نکات پر عمل کروں گا اور دوسروں کو بھی بتاؤں گا (14) مسلمانوں کو یہ کتاب پڑھنے کی تَرغیب دِلاؤں گا (15) اِس حدیثِ پاک ”تَھَادَوْا تَحَابُّوْا“ یعنی ایک دوسرے کو تحفہ دو آپس میں محبت بڑھے گی۔ (مؤطا امام مالک، 2/407، حدیث:1731) پر عمل کی نیّت سے (ایک یا حَسبِ توفیق) یہ کتاب خرید کر دوسروں کو تحفہ دوں گا (16) اِس کتاب کے مُطالعے کا ثواب ساری اُمّت کو اِیصال کروں گا (17) کتاب میں بتائے گئے طریقوں کے مطابق نیکی کی دعوت عام کروں گا (18) نیکی کی دعوت عام کرنے کے لیے عاشقانِ رسول کی مدنی تحریک دعوتِ اسلامی کے مدنی قافلوں میں سفر کروں گا (19) ذاتی نسخے پر ”یادداشت“ والے صفحہ پر ضروری نِکات لکھوں گا (20) کتابت وغیرہ میں شَرعی غَلَطی ملی تو ناشرین کو تحریری طور پر مُطّلع کروں گا۔ (مصنّف یا ناشرین وغیرہ کو کتابوں کی اَغلاط صِرف زبانی بتانا خاص مفید نہیں ہوتا)

www.dawateislami.net

اَلْمَدِیْنَۃُ الْعِلْمِیَّۃ

(Islamic Research Centre)

عالمِ اسلام کی عظیم دینی تحریک دعوتِ اسلامی نے مسلمانوں کو درست اسلامی لٹریچر پہنچانے اور اس کے ذریعے اصلاحِ فرد و معاشرہ کے عظیم مقصد کے لئے 1421ھ مطابق 2001ء کو جامعۃ المدینہ گلستانِ جوہر کراچی میں المدینۃ العلمیۃ کے نام سے ایک تحقیقی ادارہ قائم کیا جس کا بنیادی مقصد اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان قادری رحمۃ اللہ علیہ کی کتب کو دورِ حاضر کے تقاضوں کے مطابق شائع کروانا تھا۔ جمادی الاولیٰ 1424ھ / جولائی 2003ء اسے عالمی مدنی مرکز فیضانِ مدینہ پرانی سبزی منڈی، یونیورسٹی روڈ کراچی میں منتقل کر دیا گیا۔ امیر اہلِ سنّت، بانیِ دعوتِ اسلامی علامہ محمد الیاس عطار قادری دامت بَرَکاتُہمُ العالیہ کے نیکی کی دعوت، اِحیائے سنّت اور اشاعتِ علمِ شریعت کا عزم پیشِ نظر رکھتے ہوئے یہ ادارہ چھ شعبہ جات میں تقسیم کیا گیا۔ پھر ان میں بتدریج اضافہ ہوتا رہا۔ اس کی کراچی کے علاوہ ایک شاخ مدنی مرکز فیضانِ مدینہ، مدینہ ٹاؤن فیصل آباد، پنجاب میں بھی قائم ہو چکی ہے، دونوں شاخوں میں 120 سے زائد علما تصنیف و تالیف یا ترجمہ و تحقیق وغیرہ کے کام میں مصروف ہیں اور 2021ء تک اس کے 23 شعبے قائم کئے جا چکے ہیں:

(1) شعبہ فیضانِ قرآن (2) شعبہ فیضانِ حدیث (3) شعبہ فقہ (فقہ حنفی و شافعی) (4) شعبہ سیرتِ مصطفٰے (5) شعبہ فیضانِ صحابہ واہلِ بیت (6) شعبہ فیضانِ صحابیات وصالحات (7) شعبہ فیضانِ اولیا و علما (8) شعبہ کتبِ اعلیٰ حضرت (9) شعبہ تخریج (10) شعبہ درسی کتب (11) شعبہ اصلاحی کتب (12) شعبہ ہفتہ وار رسالہ (13) شعبہ بیاناتِ دعوتِ اسلامی (14) شعبہ تراجم کتب (15) شعبہ فیضانِ امیرِ اہلِ سنّت (16) ماہنامہ فیضانِ مدینہ (17) شعبہ دینی کاموں کی تحریرات ورسائل (18) دعوتِ اسلامی کے شب وروز (19) شعبہ بچّوں کی دنیا (20) شعبہ رسائلِ دعوتِ اسلامی (21) شعبہ گرافکس ڈیزائننگ (22) شعبہ رابطہ برائے مصنفین و محققین (23) شعبہ انتظامی امور قائم ہیں۔

المدینۃ العلمیۃ کے اغراض و مقاصد یہ ہیں: ☆ باصلاحیت علمائے کرام کو تحقیق، تصنیف و تالیف کیلئے پلیٹ فارم مہیا کرنا اور ان کی صلاحیتوں میں اضافہ کرنا۔ ☆ قرآنی تعلیمات کو عصری تقاضوں کے مطابق منظر عام پر لانا۔ ☆ افادۂ خواص و عوام کیلئے علومِ حدیث اور بالخصوص شرحِ حدیث پر مشتمل کتب تحریر کرنا۔ ☆ سیرتِ نبوی، عہدِ نبوی، قوانینِ نبوی، طبِ نبوی وغیرہ پر مشتمل تحریریں شائع کرنا۔ ☆ اہلِ بیت وصحابہ کرام اور علما و بزرگانِ دین کی حیات وخدمات سے آگاہ کرنا۔ ☆ بزرگوں کی کتب ورسائل جدید منہج واسلوب کے مطابق منظر عام پر لانا بالخصوص عربی مخطوطات (غیر مطبوع) کتب ورسائل کو دورِ جدید سے ہم آہنگ تحقیقی منہج پر شائع کروانا۔ ☆ نیکی کی دعوت کا جذبہ رکھنے والوں کو مستند مواد فراہم کرنا۔ ☆ دینی و دنیاوی تعلیمی اداروں کے طلبہ کو مستند صحت مند مواد کی فراہمی نیز درسِ نظامی کے طلبہ واساتذہ کے لئے نصابی کتب عمدہ شروحات وحواشی کے ساتھ شائع کر کے انکی ضرورت کو پورا کرنا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہ! اَمیرِ اَہلِ سنّت دامت بَرَکاتُہمُ العالیہ کی شفقت وعنایت، تربیت اور عطا کردہ اصولوں پر عمل پیرا ہونے کا ہی نتیجہ ہے کہ دنیا وآخرت میں کامیابی پانے، نئی نسل کو اسلام کی حقانیت سے آگاہ کرنے، انہیں باعمل مسلمان اور ایک صحت مند معاشرے کا بہترین فرد بنانے، والدین واساتذہ اور سرپرست حضرات کو اندازِ تربیت کے درست طریقوں سے آگاہ کرنے اور اسلام کی نظریاتی سرحدوں اور دین وایمان کی حفاظت کیلئے المدینۃ العلمیۃ نے اپنے آغاز سے لے کر اب تک جو کام کیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔

اللہ پاک اپنے فضل وکرم سے بشمول المدینۃ العلمیۃ دعوتِ اسلامی کے دینی کاموں، اداروں اور شعبوں کو مزید ترقی عطا فرمائے۔

اٰمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم

تاریخ: 15 شوال المکرم 1442ھ / 27 مئی 2021ء

ہدیۂ قارئین

کفر اور بد عملی کی تاریکیوں میں بھٹکتے افراد کو نورِ ہدایت سے روشناس کرانے کے لیے دینِ اسلام میں نیکی کی دعوت کے حوالے سے مکمل تعلیم و تربیت کا نظام موجود ہے، اس کی مدد سے صراطِ مستقیم سے دور گمراہی کے اندھیروں میں زندگی گزارنے والوں کو ہدایت کے اُجالوں کی طرف لایا جاسکتا ہے اور دنیا کے باسیوں کو پُر اَمن مُعاشرہ فراہم کرکے پُر سُکون اور پُر اعتماد زندگی مہیا کی جاسکتی ہے۔ دین کی یہ تعلیمات اعزازی یا اختیاری نہیں ہیں بلکہ ہر مسلمان کی مِلّی ذمہ داری ہے کہ جس خوش نصیب کا دل ہدایت کے اس نور سے جگمگا اٹھا ہے وہ دوسروں کے دلوں کو روشن کرنے کا ذریعہ بنے اور یوں چراغ سے چراغ جلتا چلا جائے حتّٰی کہ عالَمِ اِنسانِیَّت فانی کی جستجو چھوڑ کر باقی کی جانب مُتَوَجِّہ ہو اور اپنا مقصدِ تخلیق حاصل کرسکے۔

کامیاب نیکی کی دعوت کا دار و مدار

کامیاب نیکی کی دعوت کے لیے داعی و مبلغ کا تربیت یافتہ ہونا بے حد ضروری ہے؛ نیکی کی دعوت کے مضامین خواہ کتنے ہی خوبصورت اور پُر کشش کیوں نہ ہوں اگر مبلغ کا طریقۂ دعوت بے ڈھنگا ہو یا وہ مدعو یعنی جس کو دعوت دی جارہی ہے اس کے حالات و نفسیات کے مطابق مختلف اَسالیب کی مدد سے بات سمجھانے پر قادر نہ ہو تو اس کی کامیابی ایک سَراب بن کر رہ جائے گی۔ جو بات ایک پہلو سے سمجھ میں نہیں آتی اگر وہی بات دوسرے انداز سے سامنے لائی جائے تو دل میں اتر جاتی ہے ایک مبلغ کی ذات میں اس خوبی کا ہونا بے حد ضروری ہے؛ مبلغ اسی وقت کامیاب سمجھا جاتا ہے جب دوست اور دشمن سب یک زبان ہو کر یہ گواہی دیں کہ اس نے ابلاغ دین اور نیکی کی دعوت کا پورا پورا حق ادا کرنے کی کوشش کی ہے؛ یہی وہ چیز ہے جسے قرآن مجید کی اصطلاح میں تصریفِ آیات سے تعبیر کیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰیٰتِ وَ لِیَقُوْلُوْا دَرَسْتَ وَ لِنُبَیِّنَهٗ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ۝۱۰۵ ﴾ (1)

ترجمہ: اور ہم اسی طرح آیتیں طرح طرح سے بیان کرتے ہیں اور اس لیے کہ کافر بول اٹھیں کہ تم تو پڑھے ہو اور اس لیے کہ اُسے علم والوں پر واضح کردیں۔

1 ...... پ7، الانعام:105۔

www.dawateislami.net

مبلغِ اعظم رسول اکرم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے اپنے صحابہ کرام علیہمُ الرّضوان کو نیکی کی دعوت کے طریقۂ کار اور اَسالیب کی باقاعدہ تعلیم ارشاد فرمائی ہے اور رشد وہدایت کے اصول پوری شرح وبسط کے ساتھ بیان فرما دیئے ہیں؛ یہ دینِ اسلام کی ایسی اِنْفرادیت ہے جو اسلام کے علاوہ کسی بھی اِلہامی و غیر اِلہامی مذہب میں نہیں پائی جاتی۔ قرآن حکیم اپنے مخصوص معجزانہ اُسلوب کے ساتھ دعوتِ دین کے اُصول یوں بیان کرتا ہے:

﴿اُدْعُ اِلٰى سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَ جَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُؕ-اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِهٖ وَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ(۱۲۵)﴾ (1)

ترجمہ: اپنے رب کی راہ کی طرف بلاؤ پکّی تدبیر اور اچھی نصیحت سے اور ان سے اس طریقہ پر بحث کرو جو سب سے بہتر ہو بے شک تمہارا رب خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بہکا اور وہ خوب جانتا ہے راہ والوں کو۔

اس آیت قرآنیہ میں نیکی کی دعوت کے تین بنیادی اُصول بیان فرمائے گئے ہیں: 1- حکمت، 2- موعظت اور 3- مجادلہ بَطریقۂ اَحسن۔ اگر داعی اِسلام کی حیثیت سے حضور خاتَمُ النَّبِیّین صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی زندگی کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات بالکل واضح طور پر سمجھی جاسکتی ہے کہ آپ نے دعوت و ارشاد کے فریضہ کو ادا کرتے ہوئے ان اصولوں کو بنیادی حیثیت دی اور بعد میں آپ کے جاں نثار صحابۂ کرام علیہمُ الرّضوان نے بھی ان اصولوں کو سینے سے لگائے رکھا۔ اگر مبلغ نیکی کی دعوت کی ان بنیادی باتوں کو سیکھ کر اس میدان میں قدم رکھے تو اس کی دعوت یک کرشمہ صد کار کا منظر پیش کرنے لگے گی! بصورت دیگر داعی خائب وخاسر اور نامراد ہو کر رہ جائے گا بلکہ دشمنانِ دین کے مقابلے میں دین کو زیادہ نقصان پہنچانے کا باعث بنے گا کیونکہ اس کے پیش کردہ دلائل بُودے اور کمزور ہوں گے، اگر اس کا انداز سخت یا غصہ دلانے والا ہو یا اس کا دل اخلاص ولِلّٰہِیَّت کے نور سے خالی ہوا تو وہ اپنے مدعوین کو خود سے دور کر دے گا جو اس کو بنیاد بنا کر مخلص مبلغین پر طعن وتشنیع کا دروازے کھولیں گے۔

مقصدِ تصنیف

دینِ اسلام کی ان روشن تعلیمات کو عملی جامہ پہنانے، بالخصوص درس نظامی کے طلبا، معمارانِ قوم وملت اور امت

1. پ14، النحل:125۔

www.dawateislami.net

کی راہ نمائی کرنے والے مبلغین کی اس نہج پر تربیت اور مکمل شعور و آگاہی کو ضروری سمجھتے ہوئے کنز المدارس بورڈ پاکستان نے درسِ نظامی کے نصاب میں نیکی کی دعوت کے موضوع پر ایک جامع کتاب شامل کرنے کا ارادہ کیا۔

مصنف کا انتخاب:

اس کتاب کی تصنیف کے لیے دعوتِ اسلامی کے شعبۂ تصنیف و تالیف اِسلامک ریسرچ سینٹر المدینۃ العلمیہ کے نگران اور مرکزی مجلسِ شوریٰ کے رکن مولانا ابو ماجد محمد شاہد عطاری مدنی دام ظِلُّہٗ کے سامنے اس ارادے کا اظہار کیا گیا تو آپ نے اس کو پسند فرمایا اور یہ ذمہ داری اسلامک ریسرچ سینٹر کے مولانا عبد اللّٰہ نعیم صدیقی عطاری مدنی کے سپرد کردی گئی اور مولانا احمد امین عطاری مدنی اور مولانا حسان ہاشم عطاری مدنی کو بطور معاون مقرر کیا گیا۔ اور اکتوبر 2021 سے تصنیف کا باقاعدہ آغاز کر دیا گیا جو فروری 2022 کے آخری عشرے میں اختتام پذیر ہوا۔

آغاز سے اختتام تک:

❁ تصنیف سے پہلے اس موضوع پر سابقہ کام کا تفصیلی جائزہ لیا گیا تاکہ ایک جامع اور خوبصورت اُسلوب کے ساتھ اس فن کی نئی کتاب کا اضافہ ہو۔

❁ کتاب کی تصنیف کے لیے 100 سے زائد کتب اور بیسیوں ریسرچ پیپرز کے ساتھ ساتھ عربی، اردو اور انگریزی ویب سائیٹس سے بھرپور فائدہ اٹھایا گیا ہے۔

❁ کتاب درجہ خامسہ اور سابعہ کے نصاب کے لیے تصنیف کی گئی ہے؛ چونکہ یہ لیول گریجویشن کے برابر ہوتا ہے لہٰذا اس درجہ کے طلبا کی ذہنی صلاحیتوں اور مختلف طبیعتوں کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔

❁ عبارت کو خوبصورت اور دلچسپ بنانے کے لیے تشبیہات، عمدہ تراکیب، محاورات اور معنیٰ خیز جملوں کو شامل کیا گیا ہے، نیز جدید تقاضوں کے مطابق اس کی فارمیشن بھی کی گئی ہے تاکہ پڑھنے والے کی دلچسپی برقرار رہے اور وہ عبارت سے تین گنا فائدہ اٹھا سکے: نفسِ مسئلہ سمجھے، اکتاہٹ محسوس نہ کرے اور زیادہ سے زیادہ اردو الفاظ کا ذخیرہ کرسکے۔ اس کے علاوہ ضمناً کئی فوائد اپنی استعداد کے مطابق حاصل کیے جاسکیں گے اِن شاءَ اللہ۔

❁ کتاب کو ایک مقدمہ اور تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے؛ مقدمہ علمُ الدَّعوۃ کی ضرورت و اہمیت اور اس کی مبادیات پر

مشتمل ہے، پہلے حصہ میں علم الدعوۃ کے ارکان کی تفصیل بیان کی گئی ہے، دوسرا حصہ نیکی کی دعوت کی دو اہم بنیادوں "تحریر اور بیان" پر مشتمل ہے اور تیسرے حصہ میں مبتدی مبلغین کی آسانی کے لیے مفید ترغیبات شامل کی گئی ہیں۔

❁ کتاب کو نصابی لحاظ سے زیادہ نفع بخش بنانے کے لیے مشقوں کا اہتمام کیا گیا ہے؛ البتہ مشقوں کے لیے غیر رسمی طریقہ اختیار کیا گیا ہے، مثلاً وہ سوالات بھی مشقوں کا حصہ ہیں جن کے جوابات کتاب میں موجود ہی نہیں یا کم از کم ایک اشارہ کی حد تک موجود ہیں؛ اس کے دیگر مقاصد کے علاوہ اہم مقصد طلبائے کِرام کی جستجو اور کوشش کو بڑھانا ہے۔

❁ مشکل الفاظ کے معانی کے لیے فرہنگ شامل کی گئی ہے۔

❁ قابل وضاحت مقامات پر مفید حواشی کا لکھے گئے ہیں۔

❁ کتاب کے پہلے اور دوسرے حصے کے نقشے بنائے گئے ہیں تاکہ طلبا آسانی کے ساتھ مضامین یاد رکھ سکیں۔

❁ تمام آیات کا ترجمہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃُ اللہِ علیہ کے ترجمہ قرآن "کنز الایمان" شریف سے لیا گیا ہے۔

❁ اگرچہ یہ نصابی کتاب ہے لیکن باصلاحیت مبلغین اور تعلیم یافتہ اردو دان طبقہ بھی اس سے بھرپور فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

❁ شیخِ طریقت، امیرِ اہلِ سُنَّت حضرت علامہ مولانا ابوبلال محمد الیاس عطار قادری رضوی دامت برکاتہم العالیہ کا تجویز کردہ نام "نیکی کی دعوت کے اہم اصول" رکھا گیا ہے جبکہ عربی و درسی نام "اصول الدعوۃ والارشاد" طے پایا ہے تاکہ طلبا اور عام مبلغین دونوں ہی اس کتاب کی جانب توجہ کریں۔

❁ اس کتاب کی شرعی تفتیش دار الافتا اہلِ سُنَّت کے سینئر متخصص مولانا محمد ماجد رضا عطاری مدنی نے فرمائی ہے۔

❁ کتاب کی مکمل تصنیف مولانا عبد اللہ نعیم صدیقی عطاری مدنی نے کی ہے جنہیں جمع مواد اور دیگر ضروری امور میں مولانا احمد امین عطاری مدنی اور مولانا احسان ہاشم عطاری مدنی کی معاونت حاصل رہی۔

❁ کتاب کو ہر طرح کی اغلاط سے پاک رکھنے کے لیے مکمل کتاب کی ضمناً کئی بار اور باقاعدہ تین بار پروف ریڈنگ کی گئی ہے۔ اگر پھر بھی کوئی غلطی رہ جائے تو برائے کرم اسی کتاب کے آخری صفحے پر موجود فارم پُر کرکے اسلامک ریسرچ سینٹر کے ای میل ایڈریس پر ضرور ارسال فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ اس کاوش کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے اور مصنف و معاونین کو دارین میں سرخروئی نصیب کرے۔

آمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ علیہ والہ وسلم

پہلا حصہ

عِلْمُ الدَّعْوۃ کے ارکان کے بارے میں

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ رَحِمَ عِبَادَهٗ بِخَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ وَصَلَّى اللهُ عَلٰى سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ سَیِّدِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ الدَّاعِیْنَ اِلٰى رَبِّهِمْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا[1] اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

انسان کی عظمت:

اللہ پاک نے انسان کو نا صرف اَشرفُ المخلوقات بنایا ہے بلکہ اسے مخدومُ المخلوقات ہونے کا اعزاز بھی عطا فرمایا ہے۔ جی ہاں! جس طرح جسمانیت، حیوانیت اور مَلَکِیت انسان کے گرد گھومتی ہیں اسی طرح ان کی تمام ضروریات کا مَحور بھی حضرتِ انسان ہی ہے! بلکہ یوں کہا جاسکتا ہے کہ "انسان کل کائنات کے حقائِق لطیفہ[2] کا مجموعہ ہے!"[3] اس کے ساتھ ساتھ اللہ کریم نے انسان کی فطرت میں اچھائی اور برائی کو پہچاننے کی طاقت اور خیر اور شر کو اختیار کرنے کی خواہش رکھی ہے اور یہ ایک اعلیٰ خِلقت وبلند فطرت لے کر دنیا میں آیا۔

نہ تو زمیں کے لیے ہے نہ آسماں کے لیے
جہاں ہے تیرے لیے تو نہیں جہاں کے لیے

انسان اس بات کا مکلف ہے کہ اللہ پاک کی طرف سے عطا کردہ صلاحیتوں اور اپنی کامل عقل و اعلیٰ فطرت کو استعمال کرتے ہوئے گمراہیت و شر کے راستے سے بچے اور حق و خیر کا راستہ اختیار کرتے ہوئے بارگاہِ الٰہی سے انعام و اکرام کا مستحق قرار پائے۔ اس کے برعکس عقلِ سلیم ہونے کے باوجود انسان حق کا راستہ اختیار نہیں کرتا تو عذابِ جہنم کا حق دار ٹھہرے گا۔ چنانچہ امام اعظم ابوحنیفہ حضرت نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: لَوْلَمْ یَبْعَثِ اللّٰهُ تَعَالٰى رَسُوْلًا لَوَجَبَ عَلَى الْعُقَلَاءِ مَعْرِفَتُهٗ بِعُقُوْلِهِمْ[4] یعنی اللہ کوئی رسول نہ بھیجتا تب بھی کامل عقل والوں پر حق سبحانہ و تعالیٰ (کے وجود) کی مَعْرِفت واجب ہوتی۔

1 ...... الدعوۃ والداعیۃ الی الاسلام، ص5۔

2 ...... زمان ومکان، شکل وصورت، محتاجِ اَکل وشُرب اور مُصحّحاتِ ملکیت جیسے تسبیح وتحمید وغیرہ۔ (مصنف)

3 ...... تفسیر بیضاوی، الفاتحۃ، تحت الآیۃ:2، 1/54 مفہوماً۔ مقالات کاظمی، 3/101۔

4 ...... کشف الاسرار عن اصول فخر الاسلام البزدوی، باب بیان العقل، 4/386- اصول الشاشی، فصل فی الامر، ص85۔

www.dawateislami.net

ربِ رحمٰن کا عظیم احسان:

انسان کے خمیر میں بھلائی یا برائی اختیار کرنے کی قدرت رکھی گئی اور ساتھ ہی یہ بھی بتادیا گیا کہ خیر اختیار کرنے والا کامیاب ہے اور بدی میں پڑنے والا نامراد؛ چنانچہ سورۂ شمس میں ہے: ﴿فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَ تَقْوٰىهَا ۪ۙ(۸) قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۪ۙ(۹) وَ قَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ؕ(۱۰)﴾[1] ترجمہ: ”پھر اس کی بدکاری اور اس کی پرہیزگاری دل میں ڈالی، بے شک مراد کو پہنچا جس نے اُسے ستھرا کیا اور نامراد ہوا جس نے اُسے معصیت میں چھپایا۔“ اللہ تعالیٰ نے انسان کی ہدایت و گمراہیت اور آخرت کی جزاوسزا کے معاملے کو فطرت تک ہی محدود نہیں رکھا بلکہ اس کی صلاحیتوں کو آشکار کرنے اور اس کی کامل طور پر راہ نمائی فرمانے کے لیے نبوت و رسالت کا سلسلہ جاری کیا اور ہر زمانہ کے تقاضوں کے تحت انبیاورسل آتے رہے تاکہ یہ حجت تمام ہو جائے کہ انسان کی ہدایت کا مکمل انتظام رحمٰن رب کی طرف سے کر دیا گیا تھا پھر بھی اس نے حق و سچ کی راہ اختیار نہیں کی اور گمراہیت کے راستے پر چلتا رہا تو یقیناً اس کا ذمہ دار یہ خود ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

(1) ﴿وَ لَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ اجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ﴾[2]

ترجمہ: اور بے شک ہر اُمَّت میں سے ہم نے ایک رسول بھیجا کہ اللہ کو پوجو اور شیطان سے بچو۔

(2) ﴿رُسُلًا مُّبَشِّرِیْنَ وَ مُنْذِرِیْنَ لِئَلَّا یَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَزِیْزًا حَكِیْمًا(۱۶۵)﴾[3]

ترجمہ: رسول خوشخبری دیتے اور ڈر سناتے کہ رسولوں کے بعد اللہ کے یہاں لوگوں کو کوئی عذر نہ رہے اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔

(3) ﴿یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا یُبَیِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِیْرٍ وَّ لَا نَذِیْرٍ٘ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِیْرٌ وَّ نَذِیْرٌ ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۠(۱۹)﴾[4]

ترجمہ: اے کتاب والو! بے شک تمہارے پاس ہمارے یہ رسول تشریف لائے کہ تم پر ہمارے اَحکام ظاہر فرماتے ہیں بعد اس کے کہ رسولوں کا آنا مدتوں بند رہا تھا کہ تم کہو ہمارے پاس کوئی خوشی اور ڈر سنانے والا نہ آیا تو یہ خوشی اور ڈر سنانے والے تمہارے پاس تشریف لائے ہیں اور اللہ کو سب قدرت ہے۔

---

1 ...... پ30، الشمس: 8 تا 10۔ 2 ...... پ14، النحل: 36۔ 3 ...... پ6، النساء: 165۔ 4 ...... پ6، المائدۃ: 19۔

www.dawateislami.net

ختمِ نبوت کی ایک حکمت:

سلسلۂ نبوت حضرت آدم علیہ السّلام سے شروع ہو کر حضور خاتَمُ النَّبِیّٖن صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم پر ختم ہوا؛ سلسلۂ نبوت کے ختم ہونے میں کئی حکمتیں ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ ”اللہ تعالیٰ نے اپنی کامل قدرت سے حضور خاتَمُ النبیین صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کو تاریخِ انسانی کے اس موڑ پر مبعوث فرمایا کہ جب بنی نوعِ انسان اپنی حیات کی مَنازِل طے کرتی ہوئی ایسے مرحلہ پر پہنچ چکی تھی کہ اب اس کے لیے جو بھی نظام مقرر کیا جائے گا قیامت تک اس کی تمام ضروریات کے لیے قابلِ عمل ہوگا۔“ چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًاؕ﴾ [1] ترجمہ: ”آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو دین پسند کیا۔“ یعنی نبوتِ محمدیہ کے دامن سے ایسا دین وابستہ ہے جو قیامت تک پیش آمدہ ضروریات کو پورا کرنے کا واحد ذریعہ ہے۔ نبوت اور رسالتِ محمدیہ ہی نوعِ انسان کے ہر فرد کے لیے کافی اور ضروری ہے، اس کے بعد کسی کو نبوت دیا جانا متصور نہیں۔ [2]

وارثینِ انبیاء:

سب سے آخری پیغمبر حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے بعد نیکی کی دعوت کی یہ ذمہ داری امتِ محمدیہ کے سپرد ہوئی جس کو میراثِ نبوت کے امین صحابہ و مجتہدین اور علما و صوفیا نے بحسن وخوبی نبھایا، اب تک یہ سلسلہ جاری ہے اور اِن شاءَ اللہ تا قیامت جاری رہے گا، کیونکہ انسان کی فلاح و نجات کا امین یہی نظامِ نبوت ہے جس کے وارث عُلَمائے شریعت و طریقت ہیں۔ قرآن و حدیث اور تاریخ و آثار اس پر شاہد ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے لے کر اب تک جن افرادِ انسانی کا رابطہ بارگاہِ نبوت سے قائم رہا وہ دنیا و آخرت کی کامیابیاں سمیٹ گئے اور جن کا تعلق نبوی تعلیمات سے ٹوٹا وہ حیوانیت و بہیمیت کے گڑھوں میں جا گرے!

وراثتِ نبویہ کو باضابطہ آگے لے کر چلنے اور مکمل راہ نمائی کے ساتھ رشد و ہدایت کو عام کرنے کے لیے آنے والے صفحات کا بغور مطالعہ فرمائیے ان شاءاللہ یہ مطالعہ حکمت و تدبر فراہم کرنے کا سبب ہوگا۔

---

1 ...... پ6، المائدۃ:3۔ 2 ...... مقالاتِ کاظمی، 3/104۔

www.dawateislami.net

علم الدعوۃ کی تعریف:

ھُوَعِلْمٌ تُعْرَفُ بِهٖ مَنَاهِجُ الدَّعْوَةِ وَ اَسَالِيْبُهَا وَ طُرُقُهَا وَ آدَابُهَا اِلَى الدُّخُوْلِ فِيْ دِيْنِ الْاِسْلَامِ وَ الْحَثُّ عَلٰى فِعْلِ الْخَيْرِ وَ اِجْتِنَابِ الشَّرِّ وَ الْاَمْرِ بِالْمَعْرُوْفِ وَ النَّهْيِ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ التَّحْبِيْبِ بِالْفَضِيْلَةِ وَ التَّنْفِيْرِ عَنِ الرَّزِيْلَةِ وَ اِتِّبَاعِ الْحَقِّ وَ نَبْذِ الْبَاطِلِ

علمِ دعوت وہ علم جس میں دینِ اسلام کی طرف بلانے، بھلائی کرنے پر ابھارنے اور برائی سے بچنے، اچھائی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے، فضائل سے محبت اور برے اخلاق سے نفرت پیدا کرنے، حق کی اِتّباع اور باطل سے دوری اختیار کرنے کے طرزِ عمل، آداب، طریقوں اور اُسلوب و مَنَاہج کی پہچان ہو۔

علم الدعوۃ کا موضوع:

اَلْمُکَلَّفُوْنَ بِحَیْثُ الْمَدْعُوِّ وَ الْمُؤْمِنُ بِحَیْثُ الدَّاعِیْ وَ الدِّیْنُ بِحَیْثُ الْمَدْعُوِّ اِلَیْهِ

مکلف (انسان ہوں یا جنّ) اس حیثیت سے کہ انہیں دعوت دی جائے، مسلمان (مرد ہو یا عورت) اس حیثیت سے کہ وہ دعوت دینے والا ہے اور دین اس حیثیت سے کہ اس کی دعوت دی جائے۔

علم الدعوۃ کی غرض وغایت:

تَشْكِيْلُ النِّظَامِ الْاِسْلَامِيِّ فِي الْحَيَاةِ مُجْتَمِعًا وَ مُنْفَرِدًا وَ الْفَوْزُ بِسَعَادَةِ الْعَاجِلِ وَ الْآجِلِ

انفرادی و اجتماعی زندگی کو اسلامی نظام کے مطابق ڈھالنا اور دنیا و آخرت کی سعادتوں سے بہرہ مند ہونا۔

علم الدعوۃ کے ارکان:

اَرْكَانُ عِلْمِ الدَّعْوَةِ اَرْبَعَةٌ: اَلدَّاعِيْ اَلْمَدْعُوّ اَلْمَدْعُوّ اِلَيْهِ مَنْهَجُ الدَّعْوَة

علمِ دعوت کے چار ارکان ہیں: (1) دعوت (2) داعی و مبلغ (3) مدعو (4) مدعو الیہ

پہلا باب

علمِ دعوت کے ارکان

اس فانی کائنات میں ہر شخص محدود وقت کے لیے آیا اور بہت جلد یہاں سے کوچ کر جائے گا اس جہان میں مالکِ کائنات کی مرضی کے مطابق رہنے والا ہی سُرخ روئی اور پر سکون و ابدی حیات کا حق دار ہے؛ لیکن ایسے خوش نصیب بہت تھوڑے ہیں جو اس راز سے واقف ہو کر اپنی مرضی کو خدائے احکمُ الحاکمین کی رضا پر قربان کرتے ہیں، پھر ان کی یہ قربانی ہی کافی نہیں ہے بلکہ اب تک جو اس حقیقت سے نا آشنا ہیں انہیں اس شرابِ طہور کے جام پلانا بھی ان ہی کی ذمہ داری ہے جنہیں اللہ نے زندگی کے اصل مقصد سے آگاہ کیا۔ ارکانِ دعوت ان ہی دو طرح کے افراد سے متعلق ہیں جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

پہلی فصل: دعوتِ دین / نیکی کی دعوت

الدعوۃ کا مادۂ اِشتقاق[1] "دع و" ہے یعنی یہ لفظ ثلاثی مجرد مُعتَلُّ اللام[2] ہے۔ یہ مادہ نہایت وسیعُ المفہوم ہے اور کئی کلمات کو اپنے دامن میں لیے ہوئے ہے، اور اگر مختلف صِلات[3] کے ساتھ ان کلمات کا استعمال ہو تو اس تین حرفی مادہ میں معانی کا ایک جہان نظر آتا ہے۔ ذیل میں اس مادے پر مشتمل چند اُن مشہور کلمات کے معانی کو بیان کیا جا رہا ہے جو ہمارے موضوع سے متعلق ہیں:

اَلدَّعوَۃ: کسی معاملے پر لوگوں کو جمع کرنے کے لیے انہیں پکارنا اور اس کام کو پورا کرنے پر ابھارنا۔

اَلدَّعویٰ: دعویٰ کرنے کے معنٰی میں بطورِ اسم استعمال ہوتا ہے۔

اَلدَّاعِیَۃ: سبب کے معنٰی میں آتا ہے۔ نیز اس شخص کے لیے بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے جو کسی دین یا فکر کی طرف بلائے۔

اَلدِّعَایَۃ: کسی نقطۂ نظر کی طرف دی جانے والی دعوت؛ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی جانب سے بادشاہوں کو لکھے جانے والے خطوط میں اس طرح کے الفاظ پائے جاتے ہیں: اَدْعُوكَ بِدِعَايَةِ الْاِسْلَامِ اَسْلِمْ تَسْلَمْ[4] یعنی میں تمہیں دینِ اسلام

---

1. کلمہ کے حروفِ اصلیہ۔
2. علم صرف کی اصطلاح یعنی وہ لفظ جس کے حروفِ اصلیہ تین ہوں اور لام کلمہ حرفِ علت ہو۔ (مصنف)
3. یہ صلہ کی جمع ہے جو علم نحو کی اصطلاح ہے یعنی وہ اسم جو حرفِ جر کے واسطے سے مفعول بہ بنے۔ "مِنْ، اِلٰی، عَنْ، علی، فی، باء اور لام" ان سات حروفِ جارہ کو بھی صلہ کہا جاتا ہے۔ (مصنف)
4. بخاری، کتاب بدء الوحی، باب 6، 1/ 11، حدیث: 7۔

قبول کرنے کی دعوت دیتا ہوں، اسلام قبول کرلو سلامت رہو گے۔[1]

دعوت کا اصطلاحی معنیٰ:

(1) هِيَ حَثُّ النَّاسِ عَلَى الْإِيمَانِ بِاللّٰهِ تَعَالٰى وَ بِمَا جَاءَ بِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَ التَّمَسُّكِ بِالدِّيْنِ الْإِسْلَامِيِّ وَ اِنْشَاءُ مُجْتَمِعٍ يَعْمَلُ بِالْإِسْلَامِ وَيَعْتَصِمُ بِهٖ۔[2]

یعنی اللہ تعالٰی اور شریعتِ محمدیہ پر ایمان لانے اور دینِ اسلام کو مضبوطی سے تھامنے پر لوگوں کو ابھارنا اور اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے والا معاشرہ تعمیر کرنا "دعوتِ دین یا نیکی کی دعوت" کہلاتا ہے۔

(2) هِيَ تَبْلِيْغُ الْإِسْلَامِ لِلنَّاسِ وَ تَعْلِيْمُهٗ إِيَّاهُمْ وَ تَطْبِيْقُهٗ فِيْ وَاقِعِ الْحَيَاةِ۔

یعنی لوگوں تک اسلام اور اس کی تعلیمات پہنچانا اور انہیں زندگی میں نافذ کروانا دعوت کہلاتا ہے۔

نیکی کی دعوت کے اہداف:

کسی بھی کام میں کامیابی اور بہترین نتائج کے لیے پہلے اس کے مقاصد اور اہداف کی تعیین کی جائے پھر ان اہداف کے مطابق جِد و جُہد کی جائے۔ ہدف کی تعیین کیے بغیر کسی کام کے لیے کوشش کرنا فضول بھاگ دوڑ کرکے خود کو ہلکان کرنے سے کم نہیں! لہٰذا ذیل میں نیکی کی دعوت کے چند بنیادی مقاصد و اہداف بیان کیے جارہے ہیں ملاحظہ کیجیے:

﴿1﴾ بیانِ حق اور بلاغِ مبین:

دعوت کے اہداف میں سے ایک اہم ترین ہدف بیانِ حق یعنی حق کو اجاگر کرنا اور بلاغِ مبین یعنی احکاماتِ الٰہیہ کو صاف صاف پہنچادینا ہے۔ چنانچہ قرآنِ کریم میں نبیِ پاک صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم سے ارشاد فرمایا گیا:

(1) ﴿يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ﴾[3]

ترجمہ: اے رسول پہنچادو جو کچھ اُترا تمہیں تمہارے رب کی طرف سے۔

(2) ﴿وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝۱۸﴾[4] ترجمہ: اور رسول کے ذمہ نہیں مگر صاف پہونچادینا۔

نبیِ کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: بَلِّغُوْا عَنِّيْ وَلَوْ آيَةً یعنی پہنچادو میری طرف سے اگرچہ ایک ہی آیت ہو۔[5]

﴿2﴾ اللہ کے دین کا نفاذ:

روئے زمین پر اللہ کے دین کو قائم کرنا نیکی کی دعوت کا اہم ہدف ہے۔ اللہ پاک ارشاد فرماتا ہے:

---

1 لسان العرب، 2/1279 تا 1281۔ 2 الدعوة والداعية الى الاسلام، ص6۔ 3 پ6، المائدۃ:67۔ 4 پ20، العنکبوت:18۔
5 بخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب ماذکر عن بنی اسرائیل، 2/462، حدیث:3461۔

www.dawateislami.net

﴿ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ۪ وَ لَیُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِیْنَهُمُ الَّذِی ارْتَضٰى لَهُمْ ﴾ (1)

ترجمہ: اللہ نے وعدہ دیا اُن کو جو تم میں سے ایمان لائے اور اچھے کام کیے کہ ضرور انہیں زمین میں خلافت دے گا جیسی اُن سے پہلوں کو دی اور ضرور اُن کے لیے جمادے گا اُن کا وہ دین جو اُن کے لیے پسند فرمایا ہے۔

﴿3﴾ دلوں کی اصلاح اور پاکیزگی:

نیکی کی دعوت کا ایک مقصد لوگوں کی اصلاح اور ان کے دلوں کا تزکیہ کرنا ہے۔ تزکیۂ قلب اور اصلاحِ باطن نبیِ کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے فرائض میں سے ایک فریضہ بھی ہے، لہٰذا مبلغ کو چاہیے کہ وہ لوگوں کے افکار و خیالات اور ان کے قلب وروح کی اصلاح پر بھرپور توجہ دے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَ یُزَكِّیْهِمْ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَۗ ﴾ (2)

ترجمہ: وہی ہے جس نے اَن پڑھوں میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا کہ ان پر اس کی آیتیں پڑھتے ہیں اور انہیں پاک کرتے ہیں اور انہیں کتاب اور حکمت کا علم عطا فرماتے ہیں۔

﴿4﴾ معرفتِ خداوندی واحکاماتِ الٰہیہ:

نیکی کی دعوت کے اہم ترین مقاصد میں سے ایک مقصد یہ بھی ہے کہ بندگانِ خدا کو ان کی پیدائش کا مقصد سمجھایا جائے اور انہیں خالقِ حقیقی کی معرفت اور اس کے حقوق سے آگاہ کیا جائے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ(۵۶) ﴾ (3)

ترجمہ: اور میں نے جِنّ اور آدمی اتنے ہی (اسی) لیے بنائے کہ میری بندگی کریں۔

﴿5﴾ امر بالمعروف ونہی عن المنکر:

نیکی کی دعوت کا ایک مقصد لوگوں کو راہِ راست پر چلانا، نیکیوں کا خوگر بنانا اور برائی کی نفرت ان کے دلوں میں بٹھا کر معاشرے کی فضا کو نیکیوں اور بھلائیوں سے ہم آہنگ کرنا بھی ہے، لہٰذا مبلغ کو چاہیے اپنی دعوت کے ذریعے امن کو عام کرنے اور اختلاف یا لڑائی جھگڑے کی فضا کو ختم کرنے میں بھرپور کردار ادا کرے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ كُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ﴾ (4)

ترجمہ: تم بہتر ہو ان سب امتوں میں جو لوگوں میں ظاہر ہوئیں بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو۔

1 ...... پ18، النور: 55۔ 2 ...... پ28، الجمعۃ: 2۔ 3 ...... پ27، الذٰریٰت: 56۔ 4 ...... پ4، آل عمران: 110۔

www.dawateislami.net

مشقی و عملی سُوالات

1←"انسان حقائقِ لطیفہ کا مجموعہ ہے" اس عبارت کا مطلب واضح کریں۔

2←ایمان کے لیے عقل کے کردار پر امامِ اعظم رحمۃُ اللّٰہِ علیہ کے قول سے آپ نے کیا سمجھا ہے؟

3←ختمِ نبوت کی کوئی ایک حکمت بیان کیجیے۔

4←علم الدعوۃ کی تعریف، موضوع، غرض وغایت اور ارکان لکھیے۔

5←علم الدعوۃ اور نیکی کی دعوت میں آپ نے کیا فرق محسوس کیا؟

6←نیکی کی دعوت کے کتنے مقاصد ہیں؟ مختصراً بیان کیجیے۔

7←اس فصل میں آپ نے کیا سیکھا؟ 10 جملوں میں وضاحت کیجیے۔

اہم نوٹ

دوسری فصل داعی و مبلغ

علمُ الدعوۃ کا دوسرا رکن "داعی و مبلغ" ہے، یہ اس علم کا اہم ترین حصہ ہے کہ اس میں مخاطب اور مُتَعَلِّم یہی داعی ہوتا ہے، تفصیل ملاحظہ کیجیے:

داعی و مبلغ کی تعریف:

هُوَ مُؤْمِنٌ يَدْعُوْاِلٰى دِيْنِ الْاِسْلَامِ وَيُرْشِدُ اِلٰى مَحَاسِنِهٖ وَ تَعْلِيْمَاتِهٖ بِفِكْرِهٖ۔

وہ صاحبِ ایمان شخص ہے جو اپنی عقل کو بروئے کار لاتے ہوئے دینِ اسلام کی دعوت دے اور اس کی تعلیمات و محاسن کی طرف راہ نمائی کرے۔

داعی و مبلغ کی اقسام:

بنیادی طور پر داعی و مبلغ یہ حضرات ہوتے ہیں:

(1) انبیائے کرام: یہ حضراتِ قدسیہ معجزات، دلائل اور ضرورت پڑنے پر کفار کی سرکشی کو ختم کرنے کے لیے تلواروں کے ذریعے تبلیغ فرماتے ہیں۔

(2) علمائے کرام: یہ عقلی و نقلی دلائل کے ذریعے دعوت الی اللہ کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں۔

(3) اُمرا و حکمران: یہ کفار کی سرکشی کو ختم کرنے کے لیے تلواروں کے ذریعے کفار سے جہاد کرتے ہیں یہاں تک کہ وہ اللہ کے دین میں داخل ہو کر اس کے فرماں بردار بن جائیں۔

(4) مؤذن کی دعوت نماز کی طرف۔[1]

داعی و مبلغ کے اوصاف:

مذکورہ افراد کے علاوہ دیگر مسلمان بھی تبلیغِ دین اور نیکی کی دعوت کا فریضہ انجام دیتے ہیں اور ہر مبلغ کی خواہش ہوتی ہے کہ لوگ اس کی بات سنیں اور اس پر عمل کریں، لہٰذا اگر مبلغ اپنی دعوت سے مؤثر اور بہترین نتائج حاصل کرنا

1 ...... روح البیان، پ24، حٰمٓ السجدۃ، تحت الآیۃ:33، 8/258۔

www.dawateislami.net

چاہتا ہے اور اس کی خواہش ہے کہ اس کی زبان سے ادا ہونے والی بات میں وزن پیدا ہو تو اخلاص کے ساتھ درج ذیل اوصاف کو اپنانے کی کوشش کرے:

- مردم شناسی
- خوش اخلاقی وملنساری
- بلا تفریق سب کو نیکی کی دعوت دینا
- امت کی غم خواری
- ذہانت وفطانت
- دین میں امانت داری
- صبر واخلاص
- بہادری وحاضر جوابی
- اپنے علم پر عمل
- لوگوں کے عیوب کی راز داری
- لوگوں کی عقلوں کے مطابق کلام کرنے کی صلاحیت
- صاحبانِ علم وفضل کا ادب
- دین کا فہم
- اسلوبِ دعوت سے واقفیت
- دعوت کے مؤثر طریقوں سے واقفیت
- قرآن وحدیث اور اسلاف کے منہج کی اتباع

❁❁❁❁❁

دین، دین دار اور خدمت دین

- اللہ کا پسندیدہ دین صرف ”اسلام“ ہے!
- دین کامیابی کی ضمانت ہے؛ جو دیندار ہو گا وہ کبھی ناکام نہیں ہو سکتا۔
- دین کی خدمت ہمارے زورِ بازو سے نہیں ہے اللہ کی توفیق سے ممکن ہے۔
- دین کسی کا محتاج نہیں ہے، اللہ جس سے چاہے گا دین کی خدمت لے لے گا۔
- دنیاوی تعلیم میں ذہانت چلتی ہے، جب کہ دین کی تعلیم میں ذہانت سے زیادہ جذبہ کا دخل ہے۔
- دین کسی کا ادھار باقی نہیں رکھتا؛ جب ہم دین کے خادم بنتے ہیں تو درحقیقت ہم دین کی خدمت نہیں کرتے: دین ہماری خدمت کرتا ہے، دین نوازتا ہے۔

مشقی و عملی سُوالات

1←داعی و مبلغ کی تعریف میں "قوتِ فکریہ" کی قید سے مصنف کس طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں؟

2←مختلف داعیانِ دین کا ذریعۂ دعوت واضح کیجیے۔

3←مبلغ کے اوصاف میں سے کسی تین اوصاف پر اظہار خیال کیجیے۔

4←مبلغ کے وہ کون سے اوصاف ہیں جو اب تک آپ کی ذات کا حصہ نہیں بن سکے؟ ان کی نشاندہی کر کے انہیں اپنی شخصیت کا حصہ بنانے کے لیے عملی اقدام کیجیے۔

اہم نوٹ

تیسری فصل: مدعو

علمُ الدعوۃ کا تیسرا رکن "مدعو" ہے اور نیکی کی دعوت کا محور بھی یہی ہے، لہٰذا ذیل میں اس کی تعریف، اقسام، نفسیات اور ہر ایک سے متعلق ضروری راہ نمائی فراہم کی جارہی ہے بغور ملاحظہ فرمایئے:

مدعو کی تعریف:

هُوَالَّذِی یُدْعٰی اِلٰی دِیْنِ الْاِسْلَامِ وَ تَعْلِیْمَاتِہٖ لِیَفُوْزَ الْعَاجِلَ وَ الْاٰجِلَ

وہ شخص جسے دینِ اسلام قبول کرنے اور اس کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی دعوت دی جائے تاکہ وہ دنیا و آخرت میں سُرخ رو ہوسکے۔

مدعو کی اقسام:

دعوتِ دین یا نیکی کی دعوت کے سلسلے میں بنیادی طور پر دو طرح کے مدعوین کا سامنا کرنا پڑتا ہے:

﴿1﴾ مُوافقین ﴿2﴾ مخالفین

ان دونوں مدعوین کی ذہنی سطح اور سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں بہت مختلف ہوتی ہیں جن کا جاننا ایک مبلغ کے لیے نہایت ضروری ہے؛ ذیل میں مدعوین کو تقسیم در تقسیم بیان کیا جارہا ہے:

﴿1﴾ موافقین

نیکی کی دعوت قبول کرنے والے مختلف مزاجوں کے مالک ہوتے ہیں، ان میں سے کوئی فوراً دعوت قبول کرلیتا ہے اور مبلغ کا گوہرِ مراد پکے ہوئے پھل کی طرح اس کی جھولی میں آگرتا ہے، کبھی مبلغ کو تھوڑی سی محنت کے بعد مقصود حاصل ہوتا ہے، اور بعض اوقات مبلغ صرف خوش فہمی میں رہتا ہے کہ فلاں نے میری دعوت قبول کرلی ہے اور میرے مشن کا حصہ بن چکا ہے! جبکہ حقیقت اس سے مختلف بلکہ بہت مختلف ہوتی ہے! بہر حال نیکی کی دعوت قبول کرنے والے کسی بھی درجہ پر ہی سہی مبلغ کے موافق ہوتے ہیں اسی وجہ سے انہیں "موافقین" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ موافقین کے مزاجوں کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ان کو چار قسموں کے تحت بیان کیا جارہا ہے ملاحظہ کیجیے:

(1) سابقین:

وہ سلیمُ الفطرت اور سمجھدار لوگ جو دنیا کے ظاہر سے متأثر نہیں ہوتے بلکہ عقل و فطرت کے باطنی اشارات کے

تناظر میں درست سمت کی تعیین کرنے میں کسی نہ کسی بنا پر کشمکش کا شکار ہوتے ہیں اور دعوتِ حق کے بلند ہوتے ہی اسے قبول کرنے کے لیے سبقت کرتے ہیں۔

سابقین کے اوصاف:

سابقین کا تعین ان کے مختلف اوصاف اور مزاجوں کی مدد سے ممکن ہے، اگر مبلغ معمولی توجہ دے تو اپنے زمانے کے تقاضوں کو پیشِ نظر رکھ کر تجربے کے تحت پہچان سکتا ہے۔ مثلاً

- بے جا ملامت کرنے والوں کی پرواہ نہیں کرتے۔
- جس چیز کو عقل و فطرت کے مُوافق پاتے ہیں قبول کر لیتے ہیں۔
- قبولِ حق کے بعد حمایتِ حق کے لیے چاق چوبند ہوتے ہیں۔
- حمیتِ دینی اور غیرتِ ایمانی سے سرشار ہوتے ہیں، لہٰذا زبانی جمع خرچ کے بجائے عملی خدمات کو ترجیح دیتے ہیں۔
- با اخلاق و باکردار زندگی گزارنے کی کوشش کرتے ہیں اور معاشرتی برائیوں سے دور رہتے ہیں بلکہ ان برائیوں کو ختم کرنے کے لیے کڑھتے ہیں۔

سابقین کی تربیت:

سابقین تربیت بآسانی قبول کرتے ہیں، البتہ جس بنیاد پر یہ حضرات مدعو کے درجات میں سے درجۂ سابقین پر فائز ہوئے ابتداءً اس کو ہر حکم و حکمت پر مقدم رکھتے ہیں، ان کی یہ حس ہمیشہ فعّال رہتی ہے، انہیں اس بات کا یقین ہوتا ہے کہ جس عقل و فطرت کی وجہ سے ہم پر یہ دعوت واضح ہوئی وہی عقل و فطرت آیندہ بھی ہماری راہ نمائی کرے گی۔ لہٰذا مبلغ کو چاہیے:

- سابقین کی بخوبی تربیّت کرے، انہیں تعلیماتِ اسلام سے آگاہ کرے اور شرعی احکام کے مقاصد اور حکمتیں بیان کر کے ان کے ایمان کی مضبوطی کا سامان کرے۔
- اپنی ذات کو قابلِ اتباع یا لائقِ عقیدت بنانے کے بجائے ان کے دل و دماغ میں یہ بات بٹھانے کی کوشش کرے کہ حقیقی مرکزِ عقیدت اور قابلِ اِتّباع صرف اور صرف اللہ کے آخری نبی تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی ذات ہے۔
- زمانے کے فتنوں اور ان کی وجہ سے پیش آنے والی ممکنہ مشکلات کو مدِ نظر رکھ کر مُثبَت لب و لہجے میں تربیّت کرے۔

⟸ سابقین پختہ عزم اور بہترین قوتِ فیصلہ کے حامل ہوتے ہیں اور ان میں بھرپور قائدانہ صلاحیت ہوتی ہے، لہٰذا مبلغ کو چاہیے ان کی ضروری تربیّت کرکے انہیں اپنی دعوت کا مبلغ بنائے اور اہم ذمہ داریوں کے لیے ان کا انتخاب کرے۔

(2) متبعین:

وہ سلیمُ الفطرت لوگ جو فہم و فراست، عقل و دانائی اور غیرت و حمیت میں سابقین کی طرح تو نہیں ہوتے البتہ ان کے دلوں میں قبولِ حق کا داعیہ اور مُعاشرتی برائیوں کے پیشِ نظر ایک خلش ضرور دبی ہوتی ہے لیکن قوتِ فیصلہ کی کمی کی وجہ سے مبلغ کا ساتھ دینے میں ہچکچاہٹ کا شکار ہوتے ہیں اور جب سابقین کو جرأت و ہمت کے ساتھ دعوتِ حق قبول کرتے اور اس کا ساتھ دیتے ہوئے دیکھتے ہیں تو ان کی یہ خلش برداشت سے باہر ہو جاتی ہے یوں یہ لوگ سابقین کی اتباع میں دعوتِ حق قبول کرنے والے بن جاتے ہیں۔

متبعین کے اوصاف:

سابقین کی طرح متبعین کی پہچان بھی ان کے اوصاف اور مزاج کے ذریعے ہی ممکن ہے جو ایک مبلغ اپنے تجربہ کی بنیاد پر کرسکتا ہے۔ مثلاً

⟸ متبعین اگرچہ سابقین کی دیکھا دیکھی دعوتِ حق کا ساتھ دیتے ہیں لیکن ان کے دل میں کسی قسم کا ملال، ہچکچاہٹ یا نفاق جیسی کوئی چیز نہیں ہوتی۔

⟸ معاشرتی مجبوریوں کی وجہ سے دوسروں کا اثر ضرور قبول کرلیتے ہیں لیکن ان کا دل اس وقت تک ان کا ساتھ نہیں دیتا جب تک یہ حق کے ساتھ کھڑے نہ ہو جائیں، کیونکہ ان کے اندر معاشرے سے لڑ کر اسے بدلنے کی ہمت نہیں ہوتی۔

⟸ چونکہ یہ راہِ حق پر اپنے ارادے اور حَمیّت کے تقاضے کی وجہ سے گامزن ہوئے ہوتے ہیں لہٰذا حوصلہ، ہمت اور بصیرت کا وہ زادِ راہ ان کے پاس موجود ہوتا ہے جو مستقبل میں ان کے دین، ایمان اور مقصد کی حفاظت کرتا ہے اور کسی بھی مشکل وقت میں ان کے قدم ڈگمگانے نہیں دیتا۔

متبعین کی تربیت:

متبعین کی ذہن سازی اور اخلاقی معیار کی بلندی کے لیے مبلغ کو بہت کوشش کرنا پڑتی ہے کیونکہ یہ طبقہ عقلی اور اخلاقی لحاظ سے اتنا بلند نہیں ہوتا کہ بغیر تربیت کے حق کی حمایت کے لیے تن دھن کی بازی لگا دے نہ ان کے اندر قیادت

کی صلاحیت ہوتی ہے، لہٰذا مبلغ کی ذمہ داری ہے وہ ان کا تزکیہ کرے ان کی تربیت پر بھرپور توجہ دے کر انہیں ایک باکردار، باہمت اور پُروقار مسلمان بنانے کی کوشش کرے۔ اس حوالے سے چند باتیں پیشِ خدمت ہیں:

- مبلغ کو چاہیے متبعین کے سامنے دین کے اہم پہلو اس انداز سے واضح کردے کہ کسی قسم کا الجھاؤ باقی نہ رہے۔
- اپنے تجربے اور مشاہدے کی بنیاد پر متبعین کے ذہن میں آنے والے سُوالات یا وسوسوں کو بحُسن وخوبی دور کرنے کی کوشش کرے حتّٰی کہ اس کی عقل اور دل مبلغ کی دعوت اور مقصد کے تَقَدُّس کی حقیقت پر جم جائے۔ خیال رہے! مبلغ اس دوران جذباتیت کا شکار نہ ہو۔
- بزرگانِ دین اور سلاطینِ اسلام کی سیرت، علم وفن میں کمال اور ذہانت کے دل نشین واقعات بیان کرتا رہے اور اُمّت کے عظیم افراد کی قربانیاں، ان کی ہمت وحوصلے اور اخلاص وللّٰہیت کا تذکرہ بھی کرے کہ یہ متبعین کی اخلاقی پستی کو بلندی میں بدلنے کا بہترین طریقہ ہے۔

(3) ضعفا:

وہ سلیمُ الفطرت لوگ جن کے سامنے دعوتِ حق کی حقّانیت بالکل واضح ہو اور یہ اس کو قبول کرنے کے خواہش مند بھی ہوں یا قبول کرلینے کے بعد اس کے مطابق زندگی گزارنے کی نیت بھی رکھتے ہوں، لیکن کسی نہ کسی وجہ سے یا اپنی کم ہمتی کے سبب راہِ حق میں آنے والی آزمائشوں اور امتحانات سے گھبراتے ہوں، سابقین کی ہمت دیکھ کر بھی ان کی یہ کمزوری یا ضُعف دور نہ ہوتا ہو۔

ضعفا کے اوصاف و مزاج:

اس طبقے کے افراد کی پہچان بھی ان کے اوصاف اور مزاج کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ہی ممکن ہے جو ایک مبلغ اپنے تجربہ کی بنیاد پر ہی کرسکتا ہے۔ مثلاً

- ضعفا کو اپنی کمزوری کا اعتراف ہوتا ہے اور وہ اس کو دور بھی کرنا چاہتے ہیں لیکن ارادے کی کمزوری اور عجیب سا خوف ان کے اعصاب پر طاری رہتا ہے جو فیصلہ کُن اقدامات میں رکاوٹ بنتا ہے۔
- راہِ حق میں کسی آزمائش سے دوچار ہوجائیں تو اگرچہ ان کا دل حق سے بیزار نہیں ہوتا اور یہ آزمائش کا سامنا بھی کرلیتے ہیں لیکن اس کے بعد انہیں کسی مضبوط سہارے کی ضرورت پڑتی ہے جو ان کے ذہن پر چھائے غبار کو دور کرسکے ورنہ ان

کے بد ظنی و بد گمانی کی راہ پر چل پڑنے اور کسی کے بھی ہاتھ کا کھلونا بن جانے کا امکان ہوتا ہے۔

عموماً ضعفا کے مزاجوں میں موسموں کی طرح تبدیلی ہوتی رہتی ہے یہی وجہ ہے کہ ایسے لوگ بعض اوقات شروع میں ہی مبلغ کے حامی ہو جاتے ہیں اور کبھی اس میں بہت وقت لیتے ہیں، لیکن ان کی اصل صورتِ حال امتحان کے وقت کھل کر سامنے آجاتی ہے؛ اس وقت ان کی مثال بلی کو دیکھ کر آنکھ بند کر لینے والے کبوتر کی ہوتی ہے کہ اس کے اندر جان بچانے کے لیے اڑنے کی طاقت موجود ہے پھر بھی گھبراہٹ میں آنکھ بند کر کے سمجھتا ہے میں بچ گیا! اسی وجہ سے یہ لوگ خود اپنے لیے تو مشکل کھڑی کرتے ہی ہیں ساتھ ساتھ مبلغ کو بھی سخت نقصان پہنچانے کا سبب بن سکتے ہیں۔

ضعفا کی تربیت:

ضعفا کی تربیت سب سے زیادہ ضروری اور اہم ہے کہ یہ نہ چاہتے ہوئے بھی مبلغ کے مقصد اور کوششوں کو نقصان پہنچانے کا سبب بن سکتے ہیں کیونکہ کم ہمتی یا بزدلی کہیں پر بھی اور کسی پر بھی نہیں جچتی؛ جس مذہب و جماعت کی افرادی قوت ہی ایسے ناپختہ لوگ ہوں تو اس کو خطرہ لاحق ہو جاتا ہے! البتہ مدعوین کا یہ طبقہ اگرچہ کم ہمّت ہوتا ہے لیکن جمود کا شکار ہرگز نہیں ہوتا بلکہ تعلیم و تربیت وغیرہ سے خوب فائدہ اٹھاتا ہے، لہٰذا یہ تو ممکن ہے کہ ارادے میں کمزوری کی وجہ سے ان کے بہتری کی طرف آنے کی رفتار سست ہو مگر تربیت کا فائدہ ضرور ہو گا۔

ایک مخلص اور مُدَبّر داعی و مبلغ کو چاہیے وہ ضعفا کی تربیت کرے ان کے حوصلوں کو آہستہ آہستہ بلند کرنے کی کوشش کرے اور ایک بہادر و پختہ ذہن مسلمان بنائے۔ اس حوالے سے چند باتیں پیشِ خدمت ہیں:

- مبلغ ان اسباب کا حل تلاش کرے جو اس طبقے کی کمزوری کا باعث ہیں؛ مثلاً کمزوری عقل و ذہن کی طرف سے ہے تو یقیناً یہ ناتجربہ کاری اور مشاہدے کی کمی کے سبب ہو گی لہٰذا حکمت و دانائی کی باتیں بیان کرے۔
- اگر کم ہمتی کی وجہ دنیا کی لالچ اور دولت سے محبت ہے تو راہِ خدا میں خرچ کرنے کی ترغیب دلاتا رہے۔
- کم ہمتی کی وجہ زندگی سے محبت اور موت سے نفرت ہے تو موت کے اٹل اور مرنے کے بعد ملنے والی نعمتوں کا تذکرہ کرے اور مسلمانوں کے بہترین انجام کو بیان کرے۔
- ہر مدعو کے لیے دعا کرے لیکن ضعفا کے لیے خاص طور پر دعا کرتا رہے۔

(4) منافقین:

وہ شریرُ النفس لوگ جو دل میں داعیِ حق کے لیے عناد رکھتے ہوں اور زبان سے چکنی چپڑی باتیں کر کے داعی اور اس کے مقصد سے شدید محبت اور موافقت کا اظہار کرتے ہوں۔

منافقین کے اوصاف ومزاج:

منافقین کی پہچان انتہائی مشکل ہے بعض اوقات ماہر اور تجربہ کار شخص بھی ان کی پہچان میں دھوکا کھاجاتا ہے اور اکثر طبقۂ ضعفا کو منافقین میں شمار کر بیٹھتا ہے! اس مقام پر مبلغ کو چاہیے کسی پر بھی نفاق کا حکم لگانے میں ہرگز ہرگز جلدی نہ کرے، اگر کسی کے بارے میں نفاق کا خیال بھی گزرے تو اس کو اپنے تک ہی رکھے کسی سے اس بارے میں بات نہ کرے، البتہ اس شخص سے ذرا محتاط ہو جائے۔ منافقین کے چند مشترکہ اوصاف اور مزاج پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی جارہی ہے ملاحظہ کیجیے:

- منافقین بعض اوقات وقتی مفاد یا صورتِ حال کو اپنے حق میں کرنے کے لیے دعوت قبول کرلیتے ہیں، لیکن جب راہِ حق کی مشکلات کا سامنا ہوتا ہے تو اپنے فیصلے پر پچھتانے لگتے ہیں اور راہِ فرار نہ ملنے پر اپنی جھوٹی شرم کو چھپانے کے لیے مبلغ کے ساتھ جڑے رہتے ہیں۔
- بعض اوقات اس قسم کے لوگ مبلغ کی طرف آتے ہی شرارت کے لیے ہیں اور حقیقتاً معاندین کے کارندے ہوتے ہیں جو مبلغ کی کمزوریاں، اس کے مستقبل کے ارادے معاندین کو بتاتے ہیں اور مدعوین کے درمیان غلط فہمیاں پھیلاتے ہیں۔
- عملی اعتبار سے بالکل صفر ہوتے ہیں اور اپنا بھرم قائم رکھنے کے لیے بے ثبوت دعووں، جھوٹی قسموں اور چکنی چپڑی باتوں کو ذریعہ بناتے ہیں۔

منافقین کی تربیت:

چونکہ منافقین فتنہ وفساد اپنے قصد اور ارادے سے پھیلاتے ہیں اور اپنے رویوں سے اچھی طرح واقف بھی ہوتے ہیں لہٰذا ان کے اندر مبلغ کی تربیت قبول کرنے اور اپنی اصلاح کرنے کا مادہ کم ہوتا ہے، البتہ ان میں بعض وہ لوگ بھی ہوتے ہیں جو وقتی غفلت یا غلط فہمی کی بنیاد پر منافقانہ رویے کا شکار ہو جاتے ہیں اور حقیقت آشکار ہونے کے بعد بہت شرمندہ ہوتے ہیں۔ بہرحال منافقین کی تربیت کے حوالے سے چند اہم باتیں پیشِ خدمت ہیں:

- مبلغ کو چاہیے کسی کے نفاق کا اندیشہ ہو تو اولاً اس کے اسباب جانچنے کی کوشش کرے اور اصلاح یا تربیت کے حوالے سے ایسے شخص کے ساتھ براہِ راست مخاطب نہ ہو، بلکہ نفاق کے نقصان کھل کر بیان کرے اور اشاروں کنایوں میں ان حرکات کا تجزیہ کر دے جن کی وجہ سے مبلغ شک میں مبتلا ہے۔
- اگر کسی کے بارے میں یقین ہو جائے کہ وہ نفاق کا شکار ہے تو مبلغ اپنے بہت ہی قابلِ اعتماد، تجربہ کار، راست باز اور صاحبِ علم شخص کے سامنے ان خدشات کا اظہار کرے اور باہمی مشورے سے کوئی حل نکالنے کی کوشش کرے۔[1]
- منافقین کے بارے میں علم ہو جانے اور ہر لحاظ سے ان کے نفاق کا پردہ چاک ہونے کے بعد اپنے جذبات پر قابو رکھے اور حکمت و دانائی کے ذریعے انہیں خود سے اور اپنے مدعوین سے دور کر دے۔

﴿2﴾ مخالفین

جہاں داعی و مبلغ کو راہِ خدا میں موافقین کی حمایت حاصل ہوتی ہے وہیں اسے مخالفین کی سخت مخالفت کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے؛ ان مخالفین کی نفسیات اور انکارِ حق کی وجوہات الگ الگ ہوتی ہیں، ایک حد تک نیکی کی دعوت کی کامیابی کا انحصار ان مخالفین کے مابین فرق کر کے ہر ایک کے مزاجوں کے مطابق اس کے ساتھ معاملہ برتنے پر ہی ہے۔

اگر مبلغ اس نازک معاملے سے غافل رہ گیا اور مخالفین کے مختلف مزاجوں کو نہ پہچان سکا تو اپنے مقصد کے حصول میں ناکام ہو سکتا ہے! لہٰذا مخالفین کی نفسیات اور میلانات و ترجیحات کو مدِ نظر رکھ کر انہیں تین اقسام کے تحت بیان کیا جا رہا ہے، ملاحظہ کیجیے:

(1) معاندین:

یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو نیکی کی دعوت کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے اثرات کو بھانپ لیتے ہیں اور کسی نہ کسی محرک کی وجہ سے مبلغ کے مقابل آ جاتے ہیں۔

معاندین کے اوصاف و مزاج:

معاندین کی پہچان ابتدا میں ہی ہو جاتی ہے البتہ ان کے انکار کی وجہ اور اس کے محرکات کا علم فوراً نہیں ہو پاتا، اس پر

---

1. کسی کے نفاق کا یقین ہونا بہت مشکل ہے؛ اگر ہو بھی جائے تو مبلغ پہلے خود اپنے اس یقین کو پرکھ لے کہیں یہ جلد بازی، نہ تجربہ کاری، ذاتی عناد یا کینہ کی وجہ سے تو نہیں؟ (مصنف)

کافی غور وخوض کرنے کے بعد انکار کے جو مختلف اسباب و محرکات معلوم ہوتے ہیں ان میں تین اسباب بالکل بنیادی ہیں؛ ذیل میں ان تینوں اسباب پر روشنی ڈالی جارہی ہے ملاحظہ کیجیے:

1- حمیت وغیرت: یہ باطل دین، فرقہ یا مقصد کے ساتھ اخلاص ووفاداری کے نتیجہ میں پیدا ہونے والا سبب ہے جس میں عام طور پر مخالف انکارِ حق کے لیے رکیک حملوں اور رذیل حرکتوں کا سہارا نہیں لیتا بلکہ اسے صرف اپنے باطل نظریات پر زد پڑنے اور حمایتیوں کے منتشر ہوجانے کا خدشہ دامن گیر رہتا ہے۔

اس سبب کے زیرِ اثر انکار کرنے والے سے قوی امید کی جاسکتی ہے کہ اگر اس کی غلط فہمیاں دور ہوجائیں اور عداوت محبت میں بدل جائے تو وہ دعوتِ حق کو قبول کرنے والا بن جائے گا اور اس کی یہ محبت ویسی ہی پرجوش ہوگی جیسی عداوت تھی!

حمیّت وغیرت کی وجہ سے مخالفت کرنے والا شخص نہایت مفید اور کار آمد ثابت ہوسکتا ہے لہٰذا مبلغ کو اس کی قلبی کیفیت کا اندازہ ہونا چاہیے اور اسے نیکی کی دعوت کا حامی بنانے کے لیے باری تعالیٰ سے خصوصاً دعا کا التزام کرنا چاہیے۔

2- حسد وتکبر: یہ وقتی شان وعظمت، ریاستی عہدے یا مال ومتاع کی فراوانی کے نتیجہ میں پیدا ہونے والا سبب ہے، دنیاوی جاہ وحشمت کے باعث حسد وتکبر کے شکار افراد کو اپنی ناک اونچی رکھنے کی اس قدر لت پڑچکی ہوتی ہے کہ وہ صدائے حق کی گونج کو اپنی عزت کے زوال کا باعث سمجھنے لگتے ہیں، انہیں لوگوں کو اپنے پیچھے چلانے اور خود آگے رہنے کی ایسی عادت ہوتی ہے کہ وہ حق کو بھی اپنے پیچھے ہی چلانا چاہتے ہیں، خصوصاً ان کی مخالفت اس وقت بہت شدید ہوجاتی ہے جب دعوتِ حق کی زد ان کی اپنی خواہشات پر پڑتی ہے۔

اس سبب کے زیرِ اثر مخالفت کرنے والوں کے دعوت قبول کرلینے کا امکان کم ہی ہوتا ہے، کیونکہ یہ طبقہ حق کو اپنی جاگیر سمجھ بیٹھتا ہے اور ان کا خیال ہوتا ہے کہ جو بات ہم کریں گے وہی حق ہوگی ہمارے علاوہ کوئی اور شخص حق بات کرہی نہیں کرسکتا! بالفرض حق ہمارے پاس سے گم بھی ہوجائے پھر بھی اس کو واضح کرنے والے ہم ہی ہوں گے کسی اور کو یہ اختیار نہیں ہے۔

حسد وتکبر کے زیرِ اثر افراد کی مخالفت آخری دم تک جاری رہتی ہے غرور وتکبر میں بدمست رہنے کی وجہ سے انہیں

ہر آن حسد کا دورہ پڑتا ہے اور ہر لمحہ اپنے قدموں تلے سے زمین نکلتی محسوس ہوتی ہے! مبلغ کو چاہیے ان کی وجہ سے مایوس نہ ہو بلکہ ان کے اندازِ مخالفت کو اپنے ارادوں کی پختگی، حوصلے کی مضبوطی اور مقابلے کی مشق کا ذریعہ بنالے؛ ان تک نیکی کی دعوت پہنچاکر اپنی ذمہ داری پوری کردے پھر انہیں ایک نظرِ اِلتفات کے قابل بھی نہ سمجھے، اللہ نے چاہاتو یہ مائل بہ حق ہوجائیں گے یا پھر اپنے حسد کی آگ میں ہی جل بھن کر خاک میں مل جائیں گے۔ تاریخِ اسلام میں اس کی مثال مکہ اور طائف کے بعض سرداران ہیں جو یہ کہا کرتے تھے کہ اگر کوئی نبی ہوتا تو ہم سرداروں میں سے ہوتا۔

3- مفاد پرستی: یہ اخلاقی و اجتماعی ہر اعتبار سے اپنی ذات کی فکر کے نتیجہ میں پیدا ہونے والا ایک انتہائی گھٹیا سبب ہے! مفاد پرست انسان کو اس سے کوئی سروکار نہیں ہوتا کہ خود اس کے ساتھ رہنے والے یا اس کی کفالت میں رہنے والے کس حال میں ہیں اس کے اپنے کسی بھی اقدام سے دوسروں پر کیا اثر پڑے گا، بلکہ اسے صرف اپنی ذات کی فکر ہوتی ہے، جہاں فائدہ نظر آتا ہے وہاں منہ مارتا ہے اور جو چیز اس کے مفاد میں خلل ڈالے یہ اس کے خلاف بغاوت کردیتا ہے۔

مفاد پرست انسان ہر اس عمدہ صفت سے محروم ہوتا ہے جو کسی کی بھی ذات کو باکردار بنانے کا سبب بن سکے، مفاد پرست کی مثال نظامِ حق کے لیے ایسی ہی ہے جیسے پوپلے سے بادام چبانے کا مطالبہ کرنا۔

مفاد پرست شخص طبعی طور پر گھٹیاپن کے اس درجہ پر ہوتا ہے جہاں سے اس کا نکلنا بہت مشکل ہے؛ مبلغ کو چاہیے اس کی اصلاح کے لیے زیادہ وقت صرف کرنے کے بجائے کسی اور جوہر کو تلاش کر تراشنے کی کوشش کرے۔ تاریخِ اسلام میں اس کی مثال ابولہب کی ہے!

(2) منتظرین:

وہ لوگ جنہیں دعوتِ دین کے حق اور سچ ہونے کا کچھ نہ کچھ اِدراک ہوجائے لیکن اخلاقی پستی اور قوتِ فیصلہ میں کمزوری کے باعث نہ اس کو قبول کریں نہ معاندین کی طرح کھل کر مخالفت کریں بلکہ حق و باطل کا معرکہ سَر ہونے تک تماش بین بنے رہیں اور انتظار کریں اونٹ جس جانب بیٹھے گا وہ بھی وہیں ہوں گے!

منتظرین کے اوصاف و مزاج:

منتظرین کی پہچان جلدی نہیں ہوتی بلکہ ان کے بارے میں غور و فکر اور مختلف معاملات میں پالا پڑنے کے بعد مبلغ کو

www.dawateislami.net

ان کی نفسیات کا کچھ اندازہ ہوتا ہے، ذیل میں مدعوین کے اس طبقہ کی ذہنی حالت پر روشنی ڈالی جارہی ہے ملاحظہ کیجیے:

- یہ لوگ خود کو مستقبل پر چھوڑدیتے ہیں اور انتظار کرتے ہیں کہ معرکۂ حق و باطل کا جو نتیجہ نکلے گا اس کے ساتھ کھڑے ہوجائیں گے ورنہ زندگی جیسی گزر رہی ہے اچھی گزر رہی ہے!
- یہ لوگ چمکتے سورج کو سَلام کرنے کے قائل ہوتے ہیں انہیں اس سے کوئی سروکار نہیں ہوتا کہ یہ سورج کبھی بھی غروب ہوسکتا ہے کیونکہ انہیں یقین ہوتا ہے کہ یہ سورج غروب ہوگا تو اگلا سورج بھی تو طلوع ہوگا چاہے وہ سورج حق کا ہو یا باطل کا! گویا مجموعی طور پر ان کی حالت گروہِ مخالفین میں ایسی ہی ہوتی ہے جیسی موافقین کے گروہ میں منافقین کی! اگر باطل غالب ہو تو ان کے الفاظ و حمایت اس کے ساتھ ہوگی اور حق کو زبانی کلامی جھٹلائیں گے معاملہ برعکس ہوا تو ان کا یہ رویہ بھی حالات کے ساتھ بدل جائے گا۔
- یہ خود پُرسکون رہنے کے لیے زیادہ سے زیادہ جس بات پر کڑھیں گے وہ یہ ہوگی کہ کسی بھی طرح حق و باطل کے درمیان مفاہمت ہوجائے اور ہم سکون سے رہیں، اسی وجہ سے یہ لوگ قبولِ حق کے ہر موقع کو اگلے موقع پر موقوف کرتے رہیں گے اور اس وقت تک باطل کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے جب تک اس پر کھڑا رہنا ان کے لیے مشکل نہ ہوجائے۔

منتظرین کے لیے اتمامِ حُجّت:

چونکہ یہ طبقہ ظاہر پرست ہوتا ہے اور فوائد و نقصانات کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر ہی ماننے کا دعویٰ کرتا ہے (اگرچہ تاریخ نے ان کے اس دعوے کو بھی جھٹلایا ہے!) لہٰذا مبلغ کو چاہیے ان کی اس ذہنی کشمکش کو پیشِ نظر رکھ کر ان کے سامنے اتمام حجت کرے: مثلاً

- انہیں سمجھائے کہ فوائد کے حصول اور نقصانات سے بچنے کے لیے حق کا ساتھ دینا حق کو قبول کرنے کی دلیل نہیں ہے، بلکہ یہ تو مفاد پرستی اور نقصانات سے سہم جانے کی علامت ہے۔
- ان کے سامنے تاریخ کے حقائق بیان کرے اور دل سے حق کا ساتھ دینے والوں کو ملنے والی نعمتوں کا بیان کرے۔
- حمایتِ حق کے مادی فوائد کے مقابلہ میں معنوی فوائد دل نشین انداز میں بیان کرتا رہے، امید ہے دل چوٹ کھا ہی جائے گا۔

(3) غافلین:

یہ لوگوں کی وہ بھیڑ ہے جو اپنی ضروریاتِ زندگی پورا کرنے اور تلاشِ معاش کے لیے سرگرداں رہتی ہے اور مذہبی و سیاسی معاملات اپنے جدی پشتی پیشواؤں کے حوالے کرکے خوابِ غفلت کے مزے میں رہتی ہے، ان کی زندگی کولھو کے بیل [1] کی طرح ہے جہاں سے سفر شروع کیا تھا زندگی بھر کی دوڑ دھوپ کے بعد وہیں کھڑی ہوتی ہے، لیکن انہیں اس کی کوئی پروا نہیں ہوتی۔

غافلین کے مزاج و اوصاف:

دنیا کی اکثر آبادی ایسے ہی غافلوں پر مشتمل ہے ان کی پہچان بھی کچھ مشکل نہیں ہے، یہ کسی بھی داعیِ حق یا داعیِ باطل کے لیے محض ایک کھیتی کی مانند ہیں، ان تک جو پہلے پہنچ گیا یہ اسی کو اپنا پیشوا مان لیتے ہیں! ذیل میں ان سے متعلق چند باتیں پیش خدمت ہیں:

- یہ طبقہ جذبات و احساسات سے بھرپور ہوتا ہے اور بخوبی اچھے برے کی تمیز کر سکتا ہے لیکن اپنی معاشی ذمہ داریوں میں اس قدر الجھا ہوتا ہے کہ اسے تعمیر یا تہذیبِ معاشرہ کے لیے اپنا کردار ادا کرنے کا موقع ہی نہیں مل پاتا۔
- ان میں بعض لوگ بہت ہی باکردار و بااخلاق ہوتے ہیں اور ہر کسی کو عزت سے نوازتے ہیں اور بعض نہایت تُند خُو کہ کسی سے ملنا تو کُجا سَلام و دعا کرنا بھی گوارا نہیں کرتے، شاید ان کا یہ مزاج مسلسل ایک ہی طرح کا کام کرتے کرتے بن جاتا ہے اور یہ بے چین رہتے ہیں۔
- یہ لوگ خود کو پابندیوں کے حِصار میں لانا پسند نہیں کرتے بلکہ اپنی معاشی محنتوں کے ثمرات سے بھرپور لطف اندوز ہونا چاہتے ہیں۔
- ان کی اکثریت اپنے جدی پشتی راہ نماؤں کے نرغے میں رہتی ہے جو وہ کہتے ہیں یہ اسے آنکھ بند کرکے مان لیتے ہیں، کیونکہ اپنی بِساط سے زیادہ طاقت والے سے الجھنا ان کا مزاج نہیں ہوتا۔

---

1 ...... اردو محاورہ ہے یعنی وہ بیل جس کی مدد سے مختلف چیزوں کا رس یا تیل نکالنے کا آلہ کولھو گھمایا جائے، چونکہ بیل کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی جاتی ہے تو یہ ایک ہی دائرہ میں چکر لگاتا رہتا ہے جہاں سے چلتا ہے وہیں کھڑا ہوتا ہے اور اس کے سفر کی کوئی منزل نہیں ہوتی۔ اس شخص کے لیے بولا جاتا ہے جو بے مقصد کام کرے اور محنت کے باجود ترقی نہ کر سکے۔ (مصنف)

غافلین کے لیے اِتمامِ حُجّت:

مبلغ کو چاہیے غافلین تک جتنا جلدی ہو سکے اپنا پیغام پہنچائے اور اس کے لیے باضابطہ نظام مرتب کرے جو حکمت بھرے انداز میں یہ فریضہ پورا کر سکے، اس حوالے سے مبلغ کے لیے چند اہم باتیں پیشِ خدمت ہیں:

- غافلین تک اپنا پیغام پہنچانے کا ہر جائز ذریعہ اختیار کرے حتّٰی کہ اس کے دل میں محبت پیدا کرنے کے لیے اس کی ضروریات پوری کرنے سے بھی دریغ نہ کرے۔
- چونکہ غافلین مختلف مزاجوں کے ہوتے ہیں تو نیکی کی دعوت سے پہلے ان کے مزاج و نفسیات کو پرکھ لے ورنہ سخت ہزیمت کا سامنا ہو سکتا ہے!
- غافلین کا مزاج دلائل سے سمجھنے کا نہیں ہوتا وہ محبت اور مبلغ کے کردار کو دیکھ کر مائل ہوتے ہیں، لہٰذا مبلغ اس چیز کا خاص خیال رکھے۔
- غافلین کے معاملات میں دخل اندازی نہ کرے بلکہ تحمل اور بردباری سے کام لے، اپنے اندر برداشت پیدا کرے اور عملی تبلیغ پر زیادہ توجہ دے کہ اس طبقے کے لیے گفتار سے زیادہ کردار اثر انداز ہوتا ہے۔

❀❀❀❀❀

مبلغ کیا کرے کیا نہ کرے؟

- اپنے دل کو ہرے بھرے درخت کی طرح بنائیں؛ سکون، امن اور پیار کے پرندے خود ہی اس پر آ بیٹھیں گے۔
- اپنے قول و قرار کی تکمیل نہ کرنے والوں پر تکیہ کی عادت بنالینا اپنی ساکھ کھو دینے کے مترادِف ہے۔
- حق کے لیے متحرک ہونا یا لوگوں کو متحرک کرنا فتنہ نہیں بلکہ باطل کے بارے میں خاموشی اختیار کرنا فتنہ ہے۔
- جو لوگ بلندی کے طالب ہوں، جنھوں نے دوسروں کے لیے مثال بننا ہو، جو اللہ پاک کا محبوب بننا چاہتے ہوں؛ اُنہیں ہمیشہ قربانی زیادہ دینی پڑتی ہے۔
- لوگوں کی باتیں اگر اپنے اوپر بوجھ بن کر ڈالو گے تو اُن کے نیچے دب جاؤ گے؛ بہتر یہی ہے کہ اِن باتوں پر پاؤں رکھ کر اوپر چڑھنے کی کوشش کرو، ایک دن اونچائی پر پہنچ ہی جاؤ گے۔

مشقی و عملی سُوالات

1←مدعو کی بیان کردہ جملہ اقسام کا خاکہ پیش کیجیے۔

2←موافقین کے اوصاف کی روشنی میں اپنے اردگرد افراد کے بارے میں اسلام وسنیت کی بنیاد پر مثبت تجزیہ کیجیے۔

3←منافقین دین ومسلک کے لیے کس قدر نقصان دہ ثابت ہوسکتے ہیں اپنے جذبات کا اظہار کیجیے۔

4←منتظرین اور غافلین پر اتمامِ حجت کے لیے اپنی حکمت عملی بیان کیجیے۔

5←کتاب میں بیان کردہ مدعوین کے علاوہ مزید کس قسم کے مدعوین ہوسکتے ہیں کتابی منہج کے مطابق واضح کیجیے۔

6←تاریخِ اسلام کی ایسی پانچ شخصیات کے نام بتائیں جو سابقین کے اوصاف پر اترتی ہوں۔

اہم نوٹ

www.dawateislami.net

چوتھی فصل: مدعوالیہ / دینِ اسلام

علمُ الدعوۃ کا چوتھا رکن "مدعوالیہ" ہے اس سے مراد دینِ اسلام ہے، چونکہ ایک داعی و مبلغ دینِ اسلام کی ترویج و اشاعت کے لیے ہی صدائے حق بلند کرتا ہے تو بہت ممکن ہے اس سے دینِ اسلام کی اساس و بنیاد اور اس کی تعلیمات سے متعلق کچھ بھی سُوال کرلیا جائے یا کسی دوسرے مذہب سے تعلق رکھنے والا اپنے مذہب پر دینِ اسلام کی ترجیح کے بارے میں پوچھ لے، لہٰذا یہاں پر دینِ اسلام سے متعلق چند ضروری باتوں پر روشنی ڈالی جارہی ہے:

عناصرِ مذہب:

کسی بھی مذہب کی بنیاد درج ذیل تین عناصر پر ہے:

﴿1﴾ نظامِ عقائد ﴿2﴾ نظامِ عبادات ﴿3﴾ نظامِ اخلاق

ان عناصر کے بغیر کوئی مذہب مذہب نہیں ہو سکتا نہ کوئی نظام نظام کہلانے کا حق رکھتا ہے، یہی وجہ ہے کہ مذکورہ بالا تینوں عناصر کو ہر صاحبِ مذہب شخص اپنے مذہب کی بنیاد کے طور پر پیش کرتا ہے، لیکن اس کی حقیقت اس وقت واضح ہو جاتی ہے جب وہ ان عناصر کی تشریح کی جانب متوجہ ہوتا ہے، لہٰذا مبلغ کو چاہیے ان کی مکمل اور درست تشریح مع عقلی و نقلی دلائل ذہن نشین رکھے۔ ذیل میں عناصرِ مذہب کی مختصراً اسلامی تشریحات کو پیش کیا جارہا ہے ملاحظہ کیجیے:

﴿1﴾ نظامِ عقائد

دینِ اسلام کا نظامِ عقائد بنیادی طور پر تین چیزوں پر مشتمل ہے ان کے علاوہ باقی نظریات ان ہی تین عقائد کی کَماحَقُّہٗ تصدیق سے وابستہ ہیں، لہٰذا جو شخص بھی ان عقائد کو دل سے قبول کرلے گا وہ دینِ اسلام کی امان میں آجائے گا۔

(1) عقیدۂ توحید:

دینِ اسلام میں عقیدۂ توحید ایسے ہی ہے جیسے پتھروں میں اَلماس! اسی عقیدۂ توحید کی چمک سے دیگر عقائد روشن ہیں، یہی وجہ ہے کہ دینِ اسلام کی بنیادی کتاب قرآنِ حکیم میں عقیدۂ توحید کو نہایت واضح طور پر بیان کیا گیا ہے، یہاں پر اس سے متعلق چند اہم ہدایات پیشِ خدمت ہیں:

عقیدۂ توحید در حقیقت دو شقوں پر مشتمل ہے: (الف) وجودِ الٰہ یا وجودِ صانع (ب) وحدانیت۔ ہم ان دونوں شقوں پر مختصراً الگ الگ کلام کریں گے ان شاء اللہ۔

www.dawateislami.net

(الف) وجودِ صانع:

وجودِ صانع کا مطلب ہے کوئی ایسی ہستی جس نے آسمان زمین اور اس کے درمیان جو کچھ ہے وہ سب خلق فرمایا؛ ایک ذرہ بھی اپنے خلقِ وجود یا بقائے وجود میں مستقل نہیں، نہ ہی کسی ہنگامی حادثہ کا رہینِ منت ہے! البتہ وہ ہستی خود مستقل بالذات، واجبُ الوجود اور تمام موجودات کا منتہا ہے۔

وجودِ صانع کے دلائل:

وجودِ صانع کے ثبوت کے لیے درج ذیل دلائل پیشِ خدمت ہیں:

1- فطرت: صانعِ عالم کا وجود کسی دلیل کا محتاج نہیں بلکہ اس کا وجود تسلیم نہ کرنا فطرتِ سلیمہ اور قانونِ عالَم کے خلاف ہے! ہر شخص کے دل میں صانع کا احساس رکھا گیا ہے جس کو جھٹلانا آسان نہیں، اسی وجہ سے شیطان اور ملحد کو کسی بھی انسان کے تصورِ صانع کو کمزور کرنے کے لیے بہت زیادہ محنت کرنی پڑتی ہے، یہی وجہ ہے کہ دنیا کی اربوں کی آبادی میں چند ہزار لوگوں کے سوا کوئی بھی صانعِ عالم کا انکار نہیں کرتا۔ انسان کی اس فطرت کی جانب قرآنِ حکیم نے بہت خوبصورت راہ نمائی فرمائی ہے:

(1) ﴿فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَاؕ﴾[1] ترجمہ: اللہ کی ڈالی ہوئی بِنا جس پر لوگوں کو پیدا کیا۔

(2) ﴿وَ اِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِیْۤ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَ اَشْهَدَهُمْ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْؕ قَالُوْا بَلٰىۚۛ شَهِدْنَاۚۛ اَنْ تَقُوْلُوْا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِیْنَۙ(۱۷۲)﴾[2]

ترجمہ: اور اے محبوب یاد کرو جب تمہارے رب نے اولادِ آدم کی پشت سے ان کی نسل نکالی اور انہیں خود ان پر گواہ کیا، کیا میں تمہارا رب نہیں؟ سب بولے کیوں نہیں ہم گواہ ہوئے کہ کہیں قیامت کے دن کہو کہ ہمیں اس کی خبر نہ تھی۔

2- عقل: بعض اوقات کثرتِ ظہور بھی خفائے ذات کا سبب بن جاتا ہے جیسے آفتابِ نصف روز۔ لیکن اس خفائے ذات کا مطلب عدمِ وجودِ ذات ہرگز نہیں ہوتا، کیونکہ ذات اگرچہ نظر نہیں آرہی مگر اس کے اثر کو ملاحظہ کرنے سے عقل وجودِ ذات کی خبر ضرور دیتی ہے جیسے:

- دھوپ کی موجودگی سورج کے وجود کی خبر دیتی ہے۔

---

[1] ...... پ21، الروم:30۔ [2] ...... پ9، الاعراف:172۔

بند کمرے میں موجود شخص کو تپش کا احساس ہونے پر اس کی عقل سورج کے موجود ہونے کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

اسی طرح صانع کا وجود بھی اَجْلَی الْبَدِیْہِیَّات میں سے ہے یعنی اس کا وجود اتنا واضح ہے کہ انسان کی ایک نظر یا خیال بھی اس کی موجودگی کا اعتراف کرتا ہے، لیکن بعض انسانوں کے لیے اس کا اتنا قرب بُعد کا اور ظہور خفا کا باعث بن گیا ہے، جب وہ نظامِ کائنات کی محکم اور عجیب ترتیب کو ملاحظہ کریں گے تو لامحالہ ان کی عقل ضرور اس کے صانع کے وجود کا احساس پیدا کرے گی۔ یہی وجہ ہے کہ خالقِ حقیقی نے کائنات میں اپنے اثر کو اپنے وجود کی دلیل بنا کر پیش کیا چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

(1) ﴿ اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَ النَّهَارِ وَ الْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَ بَثَّ فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ۪ وَّ تَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ وَ السَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ(۱۶۴) ﴾[1]

ترجمہ: بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات و دن کا بدلتے آنا اور کشتی کہ دریا میں لوگوں کے فائدے لے کر چلتی ہے اور وہ جو اللہ نے آسمان سے پانی اتار کر مردہ زمین کو اس سے جِلا دیا اور زمین میں ہر قسم کے جانور پھیلائے اور ہواؤں کی گردش اور وہ بادل کہ آسمان و زمین کے بیچ میں حکم کا باندھا ہے ان سب میں عقل مندوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں۔

(2) ﴿ سَنُرِیْهِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَ فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى یَتَبَیَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّؕ اَوَ لَمْ یَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ(۵۳) ﴾[2]

ترجمہ: ابھی ہم اُنہیں دکھائیں گے اپنی آیتیں دنیا بھر میں اور خود اُن کے آپے میں یہاں تک کہ ان پر کُھل جائے کہ بے شک وہ حق ہے کیا تمہارے رب کا ہر چیز پر گواہ ہونا کافی نہیں۔

3- عدد: ہر کثرت کی اِکائی ضرور ہوتی ہے جس پر کثرت کا اختتام ہو جاتا ہے، اس اِکائی تک پہنچنے کے بعد اس کے خالق کو تسلیم کرنا آسان ہو جاتا ہے، مثلاً

انسانوں کی اِکائی حضرت آدم علیہ السلام ہیں کہ ان ہی سے انسانوں کا سلسلہ شروع ہوا جو اب اربوں کی تعداد میں موجود ہیں یہ بات ہمیں ماضی کی جانب سفر کرنے سے معلوم ہوئی جیسے دنیا کی مردم شماری سے پتا چلتا ہے کہ آج سے سو برس پہلے انسانوں کی تعداد آج کے مقابلے میں کم تھی اور اس سے سو برس پہلے اور کم، اس طرح ماضی کی طرف چلتے چلتے اس کمی کی انتہا ایک ذات قرار پائے گی اور وہ ذات حضرت آدم علیہ السلام ہیں پھر حضرت آدم پر پہنچ کر سُوال اٹھے گا کہ ان

1 ...... پ2، البقرۃ:164۔ 2 ...... پ25، حم السجدۃ:53۔

www.dawateislami.net

کو کس نے بنایا تو یقیناً عقل کی طرف سے جواب صانعِ عالم کا ہی آئے گا کیونکہ ان سے پہلے کوئی اور انسان موجود نہیں ہے! یادرکھیے! اس ماضی کے سفر اور اِکائی کی تلاش کی انتہا ضرور ہوگی ورنہ تسلسل لازم آجائے گا جو متفقہ طور پر باطل ہے۔

اس حقیقت کو قرآنِ کریم میں یوں بیان فرمایا گیا:

﴿یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِیْرًا وَّ نِسَآءً ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَ الْاَرْحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَیْكُمْ رَقِیْبًا ۝۱﴾ (1)

ترجمہ: اے لوگو اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی میں سے اُس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت سے مرد و عورت پھیلا دیئے اور اللہ سے ڈرو جس کے نام پر مانگتے ہو اور رشتوں کا لحاظ رکھو بے شک اللہ ہر وقت تمہیں دیکھ رہا ہے۔

4- وجودِ شَیْ: کسی بھی چیز کا پہلے موجود نہ ہونا بعد میں وجود پانا اس بات کی دلیل ہے کہ کسی نہ کسی نے اس مُسْتَمِر بِالْعَدَم کو وجود بخشا ہے اور یقیناً کوئی نہ کوئی قدرت ایسی ہے جس نے اس چیز کے عدم پر وجود کو ترجیح دی ہے۔ اگر یہ بات ذہن نشین ہو جائے تو عقل کتنی ہی کوشش کرلے صانع کی تصدیق کے بغیر سکون نہیں پا سکتی۔

5- وقت: قطعِ نظر اس کے کہ وقت کیا ہے؟ اس سے یہ سمجھنے کی کوشش کی جائے کہ آخر کسی چیز کا پہلے نہ ہونا بعد میں وجود پانا اور وہ بھی کسی مخصوص لمحہ میں وجود پانا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ کسی صاحبِ قدرت نے جب تک اس چیز کے عدم کو برقرار رکھنا چاہا یہ معدوم رہی اور جب اس کا عدم ختم کرکے وجود چاہا تو یہ چیز وجود پا گئی اور وہی طاقت جب چاہے گی اس کو دوبارہ عدم کرنے پر قادر ہے۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کا ادراک ہی انسان کو سرکشی سے روک لیتا ہے۔

(ب) وحدانیت:

وحدانیت سے مراد صانعِ عالَم کا ایک ہونا، شرکتِ غیر سے پاک اور کسی کا اس کے ہم سر نہ ہونا ہے، کیونکہ صانعِ عالَم واجبُ الوجود اور متعدد صفاتِ کمالیہ سے متصف ہے اور یہ شان صرف ایک ہی ذات کی ہو سکتی ہے۔

وحدانیت کے دلائل:

جب یہ واضح ہوگیا کہ صانعِ عالَم موجود ہے جو ہر طرح کے کمال و جمال سے بالذات متصف ہے، اس کے علاوہ سب

1 ...... پ4، النساء:1۔

www.dawateislami.net

کا جمال و کمال اسی کا عطا کردہ ہے۔ اگر اسی کی مثل ایک اور ہستی ہوتی تو نظامِ کائنات مُعَطَّل و مَخْدُوش ہو کر رہ جاتا لیکن ایسا نہیں ہوا بلکہ ابتدائے آفرِینش سے یہ نظام اپنے مقررہ اصولوں پر جاری و ساری ہے؛ اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ صانع ایک ہی ہے جس کی قدرتِ کاملہ کی بدولت صدیوں سے یہ نظام اپنی چال پر چل رہا ہے!

1- دلیلِ تمانُع:[1] تعددِ صانع محال کو مُسْتَلْزِم ہے اور مُسْتَلْزِم بِالْمُحَال خود محال ہوتا ہے! اس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر صانع دو ہوتے تو اب تک نظام باقی ہی نہ رہتا مثلاً یہ ممکن ہے کہ ایک صانع کسی وقت میں ارادہ کرتا کہ سورج طلوع نہ ہو اور دوسرا اسی وقت سورج کے طلوع ہونے کا ارادہ کرتا؛ اب یا تو دونوں کی مراد پوری ہو جاتی اور سورج ایک ہی وقت میں طلوع بھی ہوتا اور نہیں بھی ہوتا! یوں اجتماعِ ضدین لازم آتا جو محال ہے یا پھر ایک کا ارادہ دوسرے کے ارادے پر غالب آجاتا جو ایک صانع کا دوسرے کے مقابلے میں عاجز ہونا ہے حالانکہ صانع تو قادرِ مطلق ہوتا ہے تو یقیناً جو عاجز آتا وہ صانع ہی نہ ہوتا۔[2] اسی کی طرف قرآنِ حکیم میں اشارہ فرمایا گیا:

(1) ﴿ لَوْ كَانَ فِيهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴾[3]

ترجمہ: اگر آسمان و زمین میں اللہ کے سوا اور خدا ہوتے تو ضرور وہ تباہ ہو جاتے تو پاکی ہے اللہ عرش کے مالک کو ان باتوں سے جو یہ بناتے ہیں۔

(2) ﴿ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۚ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۚ لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ۙ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ﴾[4]

ترجمہ: تم فرماؤ وہ اللہ ہے وہ ایک ہے اللہ بے نیاز ہے نہ اس کی کوئی اولاد اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا اور نہ اس کے جوڑ کا کوئی۔

2- نظامِ کائنات: ایک سے زیادہ خداؤں کے نظام میں ان کے درمیان اگر خانہ جنگی نہ بھی ہو تو اختیارات کی تقسیم بے حد مشکل ہوگی، اگر کائنات اور اس کی چھوٹی بڑی چیزوں کا مشاہدہ کیا جائے تو یہ عُقدہ کھلے گا کہ تمام نظام ایک دوسرے سے منسلک اور باہم انحصار پر مبنی ہے! مثلاً انسان کو پودوں، دھاتوں مویشیوں اور ستاروں کی ضرورت پڑتی ہے اور ان سب اشیاء کو بھی کسی نہ کسی انداز میں دوسرے کی مدد کی ضرورت ہوتی ہے اس طرح خدائی اختیارات کی تقسیم ناقابلِ عمل ہے۔

---

1 ...... دو خالق ماننے کی صورت میں ایک کے ارادے کا دوسرے کے ارادے میں رکاوٹ بننے سے وحدانیتِ باری تعالیٰ پر استدلال کرنا۔ (مصنف)

2 ...... دستور العلماء، کتاب الباء، 1 / 325 ماخوذاً۔ 3 ...... پ 17، الانبیاء: 22۔ 4 ...... پ 30، الاخلاص: 1 تا 4۔

خلاصۂ کلام:

صانعِ مطلق خالق ومالک خدائے ذوالجلال کا عظیم احسان ہے کہ اپنے وجود کی دلیل انسان کے اندر رکھ کر اسے دنیا میں بھیجا ہے، لہٰذا کسی کے لیے صانعِ عالم کا وجود دل کے غبار آلود ہونے کی وجہ سے ماورائے عقل تو ہو سکتا ہے لیکن خلافِ عقل ہر گز نہیں ہو سکتا، اگر کوئی صانع کے وجود کو خلافِ عقل قرار دے تو یقیناً وہ پاگل ہے یا پھر متعصب خبطی ہے!

خدا پر ایمان کوئی تصور نہیں بلکہ ایک واضح اور روشن تصدیق ہے، ہم اپنے منطقی دلائل یا جامع مانع تعریفات کی مدد سے صرف تقریبِ ذہنی کا فائدہ حاصل کر سکتے ہیں ورنہ یہ خالصتاً اسی کی توفیق سے ممکن ہے وہ چاہے تو چھوٹے سے بچہ کو اپنی معرفت عطا کر دے نہ چاہے تو فرعون جیسے ذہین اور عالمی حکمران کو ایمان بھی نصیب نہ ہو! لَا تَوْفِیْقَ اِلَّا بِاللّٰہِ وَلِلّٰہِ الْحَمْد۔

قرآنِ پاک میں ہے:

﴿فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِؕ﴾[1]

ترجمہ: اور جسے اللہ راہ دکھانا چاہے اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے اور جسے گمراہ کرنا چاہے اس کا سینہ تنگ خوب رکا ہوا کر دیتا ہے گویا کسی کی زبردستی سے آسمان پر چڑھ رہا ہے۔

(2) عقیدۂ رسالت و نبوت:

اسلامی عقائد میں عقیدۂ نبوت ورسالت کی وہی اہمیت ہے جو ذی روح کی زندگی میں پانی کی ہے، انسان کا اُنس، قلب کے احساسات، انسانیت اور حیوانیت میں فرق، نظامِ معیشت و معاشرت کی فلاح، مقصدِ تخلیق کی تکمیل، فطری نظامِ حیات کا حصول اور آخرت میں سُرخ روئی اسی عقیدہ کو عملی جامہ پہنانے پر موقوف ہے! ذیل میں اس سے متعلق چند بنیادی باتیں بیان کی جارہی ہیں ملاحظہ کیجیے:

(الف) حقیقتِ نبوت:

نبی وہ صاحبِ عظمت انسان ہوتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ اپنے احکام کی تبلیغ کے لیے مخلوق کی طرف بھیجے اور بذریعۂ وحی انہیں یہ منصب سپرد فرمائے، اگر وہ صاحبِ شریعت اور صاحبِ کتاب ہوں تو منصبِ رسالت پر بھی فائز ہوں گے۔[2]

سُوال: انبیائے کرام اس مغالطہ سے کیسے محفوظ رہتے ہیں کہ ان کے پاس وحی لانے کا دعوے دار "فرشتہ" ہی ہے "شیطان" نہیں؟

1 ...... پ8، الانعام: 125۔ 2 ...... شرح مقاصد، المقصد السادس فی السمعیات، المبحث الاول فی تعریف النبی والرسول، 3/268۔

www.dawateislami.net

جواب: انبیائے کرام بظاہر جسم وجسمانیت میں عام بشر کی طرح ہی ہوتے ہیں لیکن حقیقتاً ان کے اسبابِ علم؛ حواس، عقل اور ادراکات، ہرگز غیرِ نبی کی مثل نہیں ہوتے بلکہ اس سے کہیں زیادہ قوی اور مضبوط ہوتے ہیں مثلاً عام شخص اپنی عقل و مشاہدے کی مدد سے انسان اور حیوان میں فرق کرلیتا ہے اسی طرح انبیائے کرام اپنے اس خاص وصف کی مدد سے فرشتہ اور غیرِ فرشتہ میں فرق کرلیتے ہیں۔ جیسا کہ حجۃ الاسلام امام محمد غزالی رحمۃ اللہِ علیہ کی اس عبارت سے سمجھا جاسکتا ہے:

اِنَّ لَهٗ صِفَةٌ بِهَا يُبصِرُ الْمَلَائِكَةَ وَ يُشَاهِدُ هُمْ كَمَا اَنَّ لِلْبَصِيْرِ صِفَةٌ بِهَا يُفَارِقُ الْاَعْمٰى حَتّٰى يُدْرِكَ بِهَا الْمُبْصِرَاتِ، وَاِنَّ لَهٗ صِفَةٌ بِهَا يُدْرِكُ مَا سَيَكُوْنُ فِي الْغَيْبِ اِمَّا فِي الْيَقْظَةِ اَوْ فِي الْمَنَامِ۔(1) یعنی نبی کے لیے ایک ایسا وصف ہوتا ہے جس کی مدد سے وہ فرشتوں کو ملاحظہ فرماتے ہیں اور انہیں ان کی اصل صورت میں دیکھ لیتے ہیں جس طرح ایک بینا شخص اپنی بینائی کی بدولت نابینا سے ممتاز ہوتا ہے اور نظر آنے کے قابل چیزوں کو دیکھ لیتا ہے۔ اور نبی اپنی اس صفت کے ذریعے خواب یا بیداری کے عالَم میں علومِ غیبیہ جان لیتے ہیں۔

امام فخرُ الدین محمد بن عُمر بن حسین رازی رحمۃ اللہِ علیہ فرماتے ہیں:

اِنَّهٗ تَعَالٰى يَخْلُقُ فِيْ ذٰلِكَ الْاِنْسَانِ عِلْمًا بَدِيْهِيًّا ضَرُوْرِيًّا بِاَنَّ ذٰلِكَ الَّذِيْ وَصَلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ صَادِقٌ لَا شَيْطَانٌ كَاذِبٌ۔(2) یعنی اللہ اپنے رسول کی ذات میں اس کا بدیہی علم پیدا فرمادیتا ہے کہ اس کے پاس آنے والا "فرشتہ" ہی ہے شیطان نہیں۔

اس مغالطہ سے محفوظ رہنے کی ایک وجہ یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ جس طرح انبیائے کرام اپنی حقانیت کے ثبوت کے طور پر معجزات کا اظہار فرماتے ہیں اسی طرح وحی لانے والے فرشتہ کے لیے بھی دلیل ہوتی ہے۔ جیسا کہ شارحِ بخاری علامہ بدرُ الدین محمود عینی رحمۃ اللہِ علیہ فرماتے ہیں:

كَمَا نَصَبَ اللهُ لَنَا الدَّلِيْلَ عَلٰى أَنَّ الرَّسُوْلَ صَادِقٌ لَا كَاذِبٌ وَهُوَ الْمُعْجِزَةُ كَذٰلِكَ نَصَبَ لِلنَّبِيِّ دَلِيْلًا عَلٰى أَنَّ الْجَائِيَ إِلَيْهِ مَلَكٌ لَا شَيْطَانٌ وَأَنَّهٗ مِنْ عِنْدِ اللهِ لَا مِنْ غَيْرِهٖ۔(3) یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے نبی و رسول کے سچا ہونے پر معجزہ کو بطورِ دلیل قائم فرمایا اسی طرح نبی کے لیے بھی دلیل قائم فرمائی کہ ان کے پاس وحی لانے والا "فرشتہ" ہی ہے "شیطان" نہیں اور وہ اللہ کی جانب سے ہی ہے۔

1 ...... احیاء العلوم، کتاب الفقر والزہد، بیان فضیلۃ الفقر مطلقا، 4/240 ملتقطا۔

2 ...... المطالب العالیۃ للرازی، الفصل الثالث عشر فی البحث عن الطریق الذی یعرف الرسول...الخ، 8/86۔

3 ...... عمدۃ القاری، کتاب بدء الوحی، باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ، 1/106، تحت الحدیث: 4۔

(ب) ضرورتِ نبوت:

انسان اپنی عقل اور فطرتِ سلیمہ کے درست استعمال سے صانِعِ عالم پر ایمان لے بھی آئے تو اس کی ذات وصفات کی کماحقہ معرفت، اس کی رضا وناراضی والے اعمال، نفسِ عبادت یا کیفیتِ عبادت وغیرہ جاننے کے لیے انبیا ورسل کا محتاج رہے گا؛ کیونکہ جس طرح عقلِ انسانی دوا اور جڑی بوٹیوں کا محض نام سن لینے بلکہ ان کو ملاحظہ کرلینے کے باوجود ان میں پنہاں تاثیرات اور خواص نہیں جان سکتی بلکہ اس کو کسی حکیم کا سہارا ضروری ہوگا اور خود تجربہ کرنے کی صورت میں ناقابلِ برداشت نقصان کا سامنا ہوسکتا ہے! اسی طرح خَلّاقِ عالم کی ذات وصفات وغیرہ کی معرفت کے لیے بھی ایک حکیم کی ضرورت ہے جو مالکِ حقیقی کی درست معرفت کروائے اور اس کی خوشنودی ورضا والے کاموں کی طرف راہ نمائی کرے ورنہ بہت قوی امکان ہے کہ صانِعِ عالم کی صفات میں سے کسی صفت کی تجلی کا ظہور مخلوق پر ملاحظہ کرکے اچھی خاصی عقل والا بھی مظاہر پرستی کا شکار ہوجائے! یہ تو اس شخص کا حال ہے جس کی عقل اتنی پختہ اور فطرت اتنی فعّال ہے کہ وہ صانع پر ایمان لے آیا لیکن وہ شخص جو اپنی عقل اور فطرت کی بنیاد پر غیر نظری وبدیہی صانع کے وجود پر ایمان نہ لاسکا اسے بدرجہ اولیٰ نبی کی ضرورت ہے اور انسانوں کی اکثریت ایسی ہی ہے۔ اس بنیادی ضرورت کو اللہ تعالیٰ نے نبیوں اور رسولوں کو بھیج کر پورا فرمادیا تاکہ کسی بھی کافر کے پاس کوئی عذر باقی نہ رہ جائے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

(1) ﴿لِئَلَّا یَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَزِیْزًا حَكِیْمًا(۱۶۵)﴾[1]

ترجمہ: کہ رسولوں کے بعد اللہ کے یہاں لوگوں کو کوئی عذر نہ رہے اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔

(2) ﴿وَ لَوْ اَنَّاۤ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْ لَاۤ اَرْسَلْتَ اِلَیْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰیٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَ نَخْزٰى(۱۳۴)﴾[2]

ترجمہ: اور اگر ہم انہیں کسی عذاب سے ہلاک کردیتے رسول کے آنے سے پہلے تو ضرور کہتے اے ہمارے رب تو نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہ بھیجا کہ ہم تیری آیتوں پر چلتے قبل اس کے کہ ذلیل ورسوا ہوتے۔

(ج) انبیائے کرام کی 46 خصوصیات:

اللہ تعالیٰ نے اپنی تجلیات کا مرکز بنانے کے لیے جن انسانوں کو منتخب فرمایا وہ کسی بھی عام بشر سے بالکل مختلف ہوتے ہیں، ان کے اوصاف، محاسن اور صلاحیتیں انتہائی کمال سے آراستہ ہوتی ہیں؛ یہاں پر انبیائے کرام علیہم السّلام کے 46 ایسے خصائص بیان کیے جارہے ہیں جن سے حضراتِ انبیا کی عظمت، شان اور اہمیت مزید واضح ہوجاتی ہے:

1 ...... پ6، النساء: 165۔ 2 ...... پ16، طٰہٰ: 134۔

www.dawateislami.net

1 اللہ تعالیٰ کا نبی سے بلاواسطہ کلام فرمانا
2 اللہ تعالیٰ کی طرف سے بغیر کلام کے الہام ہونا
3 فرشتے کو دیکھ کر کلام کرنا
4 فرشتہ کا مخصوص بالقلب وحی کو القا کرنا
5 کامل اور عارضہ سے پاک عقل والا ہونا
6 قوی حافظہ ہونا
7 اجتہادی مسائل میں خطا سے محفوظ ہونا
8 استنباط کی کئی صورتوں یا سب صورتوں کا عالم ہونا
9 تیز نگاہ ہونا اور دور دراز چیزوں کو دیکھ لینا
10 تیز سماعت ہونا اور انتہائی دور کی آواز کو سن لینا
11 قوتِ شامہ یعنی سونگھنے کی قوت کا تیز ہونا
12 مضبوط جسامت ہونا
13 آسمانوں کی طرف عروج فرمانا
14 گھنٹی کی آواز کی صورت میں وحی آنا
15 نبی سے بکری کا باتیں کرنا
16 نبی سے نباتات کا باتیں کرنا
17 نبی سے کھجور کے تنے کا باتیں کرنا
18 پتھر کا باتیں کرنا
19 بھیڑیئے کا باتیں کرنا
20 اونٹ کا باتیں کرنا
21 متکلم کو دیکھے بغیر اس سے باتیں کرنا
22 جنات کے مشاہدے پر قدرت ہونا
23 ان کے لیے غائب چیزوں کا متمثل ہو جانا
24 اچانک ہونے والے معاملہ کی وجہ جان لینا
25 کسی کے نام سے کام پر استدلال کر لینا
26 آسمانی چیز کو دیکھ کر زمینی حادثہ پر استدلال کر لینا
27 اپنے پسِ پشت دیکھنا
28 کسی کی موت سے قبل اس کی حالت جان لینا
29 فتوحات پر دلالت کرنے والی چیزوں کا ظاہر ہونا
30 دنیا میں جنت و دوزخ پر مطلع ہونا
31 فراست
32 درختوں کا اطاعت کرنا
33 ہرنی کا شکایت کرنا
34 خوابوں کی سچی تعبیر بیان کرنا
35 درخت کو دیکھ کر پھلوں کی تعداد جان لینا
36 احکام کی ہدایت دینا
37 دین و دنیا کی ہدایت دینا
38 اس جہاں کی ہیئت و ترکیب کی راہ نمائی کرنا
39 انسانی بدن کی مصلحتوں کی راہ نمائی
40 عبادت کی ادائیگی کے طریقوں کی راہ نمائی
41 نفع بخش صنعتوں کی راہ نمائی
42 مستقبل کے واقعات کو جان لینا
43 ماضی کے نامعلوم واقعات پر مطلع ہونا
44 لوگوں کے رازوں سے واقف ہونا
45 استدلال کے طریقوں کی تعلیم فرمانا
46 زندگی کے بہترین طریقوں سے واقف ہونا

ان خصوصیات میں سے کئی وہ ہیں جو غیر نبی کو بھی مل سکتی ہیں، لیکن غیرِ نبی کے لیے ان (کے مآل) میں خطا کا اندیشہ بہر حال موجود رہے گا البتہ کسی نبی سے ان میں کوئی خطا نہیں ہو سکتی۔(1)

(3) عقیدۂ آخرت:

عقیدۂ آخرت کا مطلب یہ ہے کہ اس بات کا یقین دل میں راسخ ہو جائے کہ ”ہم مرنے کے بعد پھر دوبارہ زندہ کیے جائیں گے اور خدا کے سامنے ہمیں اپنی زندگی کے سارے اعمال کا حساب دینا ہو گا اور اپنے عمل کے اعتبار سے جزا و سزا دونوں طرح کے نتائج کا ہمیں سامنا کرنا پڑے گا“ اسی یومُ الحساب کا نام مذہبِ اسلام کی اصطلاح میں قیامت ہے۔(2)

عقیدۂ آخرت کی ضرورت:

معاشرے کی بہتری، پُر سکون زندگی، امن و امان اور حقوق کی بَقا کے لیے عقیدۂ آخرت کس قدر ضروری ہے ہر ذی شعور پر واضح ہے، البتہ مختلف عنوانات کے تحت اس عقیدہ کی ضرورت پر مزید روشنی ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے ملاحظہ کیجیے:

انصاف کا تقاضا: انسانی نظر و فکر، نفسیات و شعور، عقلی دریچوں، طبعی تقاضوں، محدود ایامِ زندگی اور طرزِ حیات کو سامنے رکھ کر سوچا جائے تو یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ نشیب و فراز میں گزری انسانی زندگی کی جزاء کے لیے یہ جہان کافی نہیں ہے؛ زیرِ فلک بسنے والوں میں کوئی مصلح ہے کوئی مفسد اور کوئی محتاج و فقیر! اسی جہانِ رنگ و بو میں کئی انسان اپنی فطرت میں پنہاں جوہرِ خاص کی بدولت خلوص و للّٰہیت سے سرشار زندگی بسر کرتے ہیں؛ ان میں کئی ایسے ہیں جو توفیقِ الٰہی سے دیگر انسانوں کے آرام کے خاطر اپنی زندگیاں وقف کیے بیٹھے ہیں اپنی اکل و شرب اور تن ڈھانپنے کی ضروریات پوری کرنے میں کسی انسان کے محتاج نہیں بلکہ دیگر کئی انسانوں کی کمریں ان کی کوششوں سے سیدھی ہیں۔

خدا کی اس وسیع زمین پر جہاں انسانی زندگیاں سنوارنے والے ہیں وہیں یہ زندگیاں اجاڑنے والوں کی بھی کمی نہیں ہے؛ کئی لوگ عالیشان محلات میں مخملی ملبوسات زیبِ تن کیے عمدہ عمدہ قالینوں پر قدم رکھنے والے اور بیسیوں قسم کے کھانے کھانے والے ہیں، لیکن ان کے بدن کے ملبوسات دوسرے انسانوں کے بدن سے لباس کھینچ کر بنائے گئے ہیں، ان کے لیے بننے والے انواع و اقسام کے کھانے کسی دوسرے انسان کا خون جلا کر تیار کیے گئے ہیں! لہٰذا ضروری ہے کہ دنیا میں طرح طرح کی زندگیاں گزارنے والوں کے اعمال کی جزاء و سزا کے لیے کوئی ایسا مرحلہ ہو جس میں حیاتِ انسانی کا

---

1 ...... فتح الباری، کتاب التعبیر، باب رؤیا الصالحین، 13 / 313، تحت الحدیث: 6983۔ 2 ...... عقیدۂ آخرت، ص27۔

www.dawateislami.net

حساب چکتا کر دیا جائے! اور یقیناً یہ وہی مرحلہ ہے جس کو اسلام میں عقیدۂ آخرت، قیامت اور حشر سے موسوم کیا گیا ہے۔ عقیدۂ آخرت ہی ہے جو انسان کو مایوسی اور بے مقصد زندگی گزارنے سے روکتا ہے ورنہ انسان کا تماشۂ حیات دیکھنے والی عقل بار بار یہ سُوال کرتی ہے:

- آخر دنیا میں مشقت بھری زندگی گزارنے کے بعد حاصل کیا ہو گا؟
- اہل و عیال کے خاطر مال و دولت کے انبار لگا دینے، انہیں اچھی رہائش، گاڑی اور بنگلے دے کر انسان کو کیا ملے گا؟
- کبھی نہ کبھی موت زیست کا در کھٹکھٹائے گی اور یہ سب کچھ اسی دنیا میں چھوڑ کر جانا پڑے گا آخر یہ زندگی بھر کی جمع پونجی یہاں چھوڑ کر یہ انسان کہاں کا مسافر بنے گا؟

انسان کی اس بے چینی کو سکون صرف آخرت پر ایمان کے بعد ہی نصیب ہو سکتا ہے اور ہر طرح کے بے مقصد فعل سے روکنے کے لیے یہی عقیدہ ضروری ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ لْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ(۱۸) وَ لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰىهُمْ اَنْفُسَهُمْؕ اُولٰٓىٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ(۱۹) لَا یَسْتَوِیْۤ اَصْحٰبُ النَّارِ وَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِؕ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَآىٕزُوْنَ(۲۰)﴾ [1]

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور ہر جان دیکھے کہ کل کے لیے کیا آگے بھیجا اور اللہ سے ڈرو بے شک اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے اور ان جیسے نہ ہو جو اللہ کو بھول بیٹھے تو اللہ نے انہیں بلا میں ڈالا کہ اپنی جانیں یاد نہ رہیں وہی فاسق ہیں دوزخ والے اور جنّت والے برابر نہیں جنت والے ہی مراد کو پہنچے۔

عقل و شعور کا تقاضا: خدا تعالیٰ نے انسان کو عقل و تمیز اور تصرُّف کے اختیارات دیئے ہوئے ہیں تو یقیناً وہ اس کے اعمال و افعال سے بھی باخبر رہے گا اور یہ ملاحظہ فرمائے گا کہ اس کی زمین پر اسی کے دیئے گئے اختیارات کو انسان نے کیسے استعمال کیا؟ لہٰذا ایک ایسے وقت کی ضرورت ہے جس میں انسان کے سارے اختیارات کا فیصلہ کر دیا جائے اور اس کے اعمال کی جزاء اسے دی جائے جو قیامت برپا کیے بغیر نہیں ہو سکتا اور ایک حکیم سے بعید ہے کہ وہ ان تقاضوں کو پورا نہ کرے اسی لیے ارشاد فرمایا:

﴿لِّیَجْزِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِؕ اُولٰٓىٕكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِیْمٌ(۴)﴾ [2]

ترجمہ: تاکہ صلہ دے اُنہیں جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے یہ ہیں جن کے لیے بخشش ہے اور عزت کی روزی۔

---

1 ...... پ28، الحشر: 18 تا 20۔ 2 ...... پ22، سبا: 4۔

www.dawateislami.net

اخلاق کا تقاضا: ہر زمانے میں انسان کے مختلف طریقۂ اخلاق رہے ہیں اور ہر ایک نے اپنے نظریے کے مطابق ایک اخلاقی فلسفہ اور ایک اخلاقی رویّہ اختیار کیا ہے آخر کوئی وقت تو ایسا ہونا چاہیے جس میں ان سب کا اخلاقی نتیجہ صلہ یا سزا کی شکل میں ظاہر ہو، اس دنیا کا نظام اگر صحیح اور مکمل اَخلاقی نتائج کے ظہور کا متحمل نہیں ہے تو ایک دوسری دنیا ہونی چاہیے جہاں یہ نتائج ظاہر ہو سکیں۔[1]

عقیدۂ آخرت کے دلائل:

عقیدۂ آخرت عقلی، نقلی دلائل اور تاریخی افکارِ انسانی سے ثابت ہے لہٰذا ترتیب وار ان میں سے چند دلائل پیشِ خدمت ہیں:

(۱) نقلی دلیل:

دعوتِ نبوی کے مکی دور کے منکرین نے جس چیز کا سب سے زیادہ مذاق اُڑایا وہ عقیدۂ آخرت ہے، وہ اس عقیدے پر نا صرف حیرانی اور تعجب کا اظہار کرتے بلکہ اسے بعید از عقل و امکان سمجھ کر نا قابل تصوُّر گردانتے تھے، چونکہ آخرت کے عقیدے کو مانے بغیر انسان کا طرزِ فکر سنجیدہ نہیں ہو سکتا، خیر و شر کے معاملے میں اس کا معیارِ اقدار بدل نہیں سکتا اور وہ دنیا پرستی کی راہ چھوڑ کر شارعِ اسلام پر گامزن نہیں ہو سکتا اسی لیے مکی دورِ نبوی میں نازل ہونے والی سورتوں میں زیادہ زور عقیدۂ آخرت کو دلوں میں راسخ کرنے پر دیا گیا۔ ذیل میں اس سے متعلق چند قرآنی آیات پیشِ خدمت ہیں:

(1) ﴿اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِیَةٌ اَكَادُ اُخْفِیْهَا لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا تَسْعٰى ﴿۱۵﴾ فَلَا یَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَنْ لَّا یُؤْمِنُ بِهَا وَ اتَّبَعَ هَوٰىهُ فَتَرْدٰى ﴿۱۶﴾﴾[2]

ترجمہ: بے شک قیامت آنے والی ہے قریب تھا کہ میں اُسے سب سے چھپاؤں کہ ہر جان اپنی کوشش کا بدلہ پائے تو ہرگز تجھے اس کے ماننے سے وہ باز نہ رکھے جو اس پر ایمان نہیں لاتا اور اپنی خواہش کے پیچھے چلا پھر تو ہلاک ہو جائے۔

(2) ﴿وَ اَنَّهٗ یُحْیِ الْمَوْتٰى وَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۶﴾ وَّ اَنَّ السَّاعَةَ اٰتِیَةٌ لَّا رَیْبَ فِیْهَا وَ اَنَّ اللّٰهَ یَبْعَثُ مَنْ فِی الْقُبُوْرِ ﴿۷﴾﴾[3]

ترجمہ: اور یہ کہ وہ مُردے جِلائے (زندہ کرے) گا اور یہ کہ وہ سب کچھ کر سکتا ہے، اور اس لیے کہ قیامت آنے والی اس میں کچھ شک نہیں اور یہ کہ اللہ اُٹھائے گا اُنہیں جو قبروں میں ہیں۔

جہاں تک دوبارہ زندہ کیے جانے کا سُوال ہے منکرین اس کا مذاق قصہ پارینہ کہہ کر اڑاتے تھے؛ اس لیے خدائے تعالیٰ نے فرمایا:

1 ...... عقیدۂ آخرت، ص16-17 بتصرف۔ 2 ...... پ16، طٰہٰ:15-16۔ 3 ...... پ17، الحج:6-7۔

www.dawateislami.net

(3)﴿بَلْ قَالُوْا مِثْلَ مَا قَالَ الْاَوَّلُوْنَ ﴿۸۱﴾ قَالُوْۤا ءَاِذَا مِتْنَا وَ كُنَّا تُرَابًا وَّ عِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿۸۲﴾ لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَ اٰبَآؤُنَا
هٰذَا مِنْ قَبْلُ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۸۳﴾﴾ (1)

ترجمہ: بلکہ انہوں نے وہی کہی جو اگلے کہتے تھے بولے کیا جب ہم مر جائیں اور مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں کیا پھر نکالے جائیں گے بے شک یہ وعدہ ہم کو اور ہم سے پہلے ہمارے باپ دادا کو دیا گیا یہ تو نہیں مگر وہی اگلی داستانیں۔

اللہ جل شانہ نے دوبارہ زندہ کیے جانے کی وجہ بھی اُنہیں بتائی جس کا براہِ راست تعلق عقیدۂ آخرت پر یقین رکھنے سے ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

(4)﴿ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۳﴾ اِلَیْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِیْعًا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ اِنَّهٗ یَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ
لِیَجْزِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ ؕ وَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِیْمٍ وَّ عَذَابٌ اَلِیْمٌۢ بِمَا كَانُوْا یَكْفُرُوْنَ ﴿۴﴾﴾ (2)

ترجمہ: یہ ہے اللہ تمہارا رب تو اس کی بندگی کرو تو کیا تم دھیان نہیں کرتے، اسی کی طرف تم سب کو پھرنا ہے اللہ کا سچا وعدہ بے شک وہ پہلی بار بناتا ہے پھر فنا کے بعد دوبارہ بنائے گا کہ ان کو جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے انصاف کا صلہ دے اور کافروں کے لیے پینے کو کھولتا پانی اور دردناک عذاب بدلہ ان کے کفر کا۔

(ب) عقلی دلیل:

اس عالَمِ ہستی میں انسان کی آمد پر غور کریں گے تو آپ پر یہ راز کھلے گا کہ انسان اچانک یہاں نہیں آگیا بلکہ وہ اس عالَم میں قدم رکھنے سے پہلے کئی عالَم سے گزر چکا ہے؛

پہلا عالَم "عالَمِ ارواح" ہے جہاں انسان کی روح موجود تھی اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ استقرارِ حمل کے کچھ عرصہ بعد جب بچے کے جسم میں روح داخل ہوتی ہے اور وہ ماں کے پیٹ میں حرکت کرنے لگتا ہے تو اب سُوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بچے کے جسم میں داخل ہونے سے پہلے وہ روح کہاں تھی یا کہاں سے آئی ہے؟ وہ جہاں بھی موجود ہو یا جہاں سے بھی آئی ہو اسی عالَم کا نام "عالَمِ اَرواح" ہے۔

عالَمِ ارواح کے بعد دوسرا عالَم "عالَمِ اَرحام" ہے جہاں انسان کم و بیش نو مہینے رہتا ہے! یہاں رک کر ذرا قدرت کا یہ

1 ......پ18، المؤمنون: 81 تا 83۔ 2 ......پ11، یونس: 3-4۔

www.dawateislami.net

حیرت انگیز انتظام دیکھیے کہ ایک چلتی پھرتی قبر میں نو مہینے تک ایک بچہ زندہ رہتا ہے، اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ انسانی زندگی کے لیے جتنے اَسباب کی ضرورت ہے وہ سارے اَسباب بچے کو وہاں فراہم کیے جاتے ہیں۔

شکمِ مادر سے باہر آجانے کے بعد اگر ساری دنیا کے اَطِبَّا و حُکَما چاہیں کہ پیٹ چاک کرکے پھر بچے کو دوبارہ اس جگہ منتقل کر دیں تو یقین ہے کہ تھوڑی دیر بھی وہاں زندہ نہیں رہ سکے گا! یہیں سے خدا اور بندوں کے انتظام کا فرق سمجھ میں آجاتا ہے کہ جو چیز بندوں کے لیے ناممکن ہے وہ خدا کی قدرت کے سامنے ممکن ہی نہیں بلکہ واقع ہے اور یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ ہر عالَم کا ماحول اور تقاضا الگ الگ ہے، ایک کا قیاس دوسرے پر نہیں کیا جاسکتا۔

قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ عالَمِ دنیا میں آنے سے پہلے اگر انسان کو مرحلہ وار دو عالَم سے گزرنا پڑتا ہے تو عالَمِ دنیا کے بعد بھی اگر کوئی چوتھا عالَم مان لیا جائے تو اس میں کیا عقلی قباحت ہے؟ اسی چوتھے عالَم کا نام ہم ”عالَمِ آخرت“ رکھتے ہیں۔ منکرینِ عقیدۂ آخرت کو اگر اسی نام سے اختلاف ہے تو کوئی اور نام رکھ لیا جائے لیکن ایک چوتھا عالَم تو بہر حال ماننا ہی پڑے گا؛ کیونکہ مرنے کے بعد جب روح جسم سے نکل جاتی ہے تو وہی سُوال یہاں بھی اٹھے گا کہ نکل کر وہ روح جاتی کہاں ہے؟ وہ جہاں بھی جاتی ہو اسی کا نام عالَمِ آخرت ہے۔[1]

(ج) اَفکارِ عالَم:

تاریخ: تاریخِ عالَم کا مطالعہ کریں تو آپ پر یہ حقیقت کھل جائے گی کہ عالَمِ آخرت کا تصوُّر انسان کی فطرت میں اس طرح رکھ دیا گیا ہے کہ عہدِ قدیم سے دنیا کی ساری اَقوام کسی نہ کسی شکل میں مرنے کے بعد جزا و سزا کے عقیدہ سے منسلک رہی ہیں اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ مرنے کے بعد سب کے سب مردے کی نجات و مغفرت کے لیے کچھ نہ کچھ مذہبی رسومات ضرور ادا کرتے ہیں؛ اس کے لیے ان کے طریقے مختلف ہو سکتے ہیں لیکن بنیادی تصور سب کا مشترک ہے!

لُغات: آپ مختلف زبانوں کی لُغات کا تفصیلی جائزہ لیں تو جنت و دوزخ کے ہم معنی الفاظ ہر زبان میں مل جائیں گے اور یہ اصول اہلِ زبان کے درمیان مسلم ہے کہ ہر زبان میں ”اسی مفہوم“ کے لیے الفاظ وضع کیے جاتے ہیں جو اہلِ زبان کے تصور میں پہلے سے موجود ہوتا ہے؛ بحث کے اس رخ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ”عالَمِ آخرت“ کا تصوُّر صرف اہلِ اسلام کے عقیدے میں ہی نہیں ہے بلکہ دنیا کے سارے انسانوں کی فطرت اسی عقیدہ سے ہم آہنگ ہے۔

1 ...... عقیدۂ آخرت، ص31 تا 33 بتغیر قلیل۔

www.dawateislami.net

اجماعِ اَقوام: چند مخصوص طبقات اور چند مخصوص عہد کے لوگوں کے بارے میں کہا جاسکتا ہے کہ وہ فکر واعتقاد کی غلطیوں میں مبتلا ہوگئے لیکن نسلِ انسانی کے یومِ آغاز سے لے کر آج تک بلا تفریق ساری دنیا کے انسانوں پر یہ اِلزام ہر گز عائد نہیں کیا جاسکتا کہ آخرت کے تصور کو اپنے مذہبی عقائد کی فہرست میں شامل کرکے وہ فریبِ مسلسل کا شکار رہے! خاص طور پر ان حالات میں جب کہ عقیدۂ آخرت کی تعلیم دینے والوں میں وہ انبیاء و مرسلین بھی ہیں جن کی شخصیتیں نہ صرف اہلِ اسلام میں بلکہ اقوامِ عالم میں بھی مُسَلَّمُ الثّبوت اور عزت وشرف کی حامل ہیں اور وہ لوگ بھی ہیں جو اپنے اپنے حلقے میں مذہبی اور روحانی پیشوا کی حیثیت سے جانے اور مانے جاتے ہیں، اس لیے کہنے دیا جائے کہ اگر تاریخ کے ہر دور کے سارے انسانوں کو ہم جھوٹا قرار دے دیں تو پھر اس دنیا میں کون سچا رہ جائے گا؟

آخر میں یہ جملہ چست کرنا مناسب ہوگا کہ ”عقیدۂ آخرت کی تکذیب کرنے والا صرف کسی ایک طبقے کی تکذیب نہیں کرتا بلکہ ابتداء سے لے کر آج تک ہر عہد کے سارے انسانوں کو وہ جھوٹا ثابت کرنا چاہتا ہے۔“ اور یقیناً دنیا کا کوئی بھی ہوش مند انسان اس جارحانہ اندازِ فکر سے ہر گز اتفاق نہیں کرے گا۔[1]

﴿2﴾ نظامِ عبادت

خدائے خالق ومالک پر ایمان لانے کے بعد ایک مسلمان کے دل میں یہ چاہ ضرور پیدا ہوتی ہے کہ وہ عبادت کے ذریعے اپنے پروردگار کو راضی کرنے کی کوشش کرے، اس سے دعا مانگے اسے ہی اپنی توجہات کا مرکز بنائے اور عالَمِ ناسوت سے عالَمِ لاہوت کی طرف سفر کا آغاز کرے، لیکن کوئی بھی شخص پروردگارِ عالَم کی رضامندی اور خوشنودی کے صحیح طریقوں سے متعلق وحیِ الٰہی کا محتاج ہے، وہ اپنے عقل وحواس کے ذریعے بطورِ خود اس کی تعیین نہیں کرسکتا کہ وہ کون سی رسوم واعمال ہیں جو تقرُّب اِلَی اللہ اور تزکیۂ روح کا ذریعہ بن سکتے ہیں۔ کیونکہ اس کی قُوتِ فکر بس ایک حد تک ساتھ دے سکتی ہے، اور تزکیۂ روح وقربِ خداوندی کے معاملات اس حد سے بہت آگے کی چیز ہیں۔ ان معاملات میں تو صحیح راہ نمائی بس وہی کرسکتا ہے جو صاحبِ وحی ہو یعنی نبی اور رسول۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی نظامِ عبادت کا بنیادی مصدر ومنبع قرآن اور احادیث ہیں۔

یہ کتاب اپنے حجم اور موضوع کے لحاظ سے عبادت کی تشریحات کی متحمل نہیں ہے، لہٰذا ذیل میں اسلامی نظامِ عبادت سے متعلق چند اہم باتیں ملاحظہ کیجیے:

1 ...... عقیدۂ آخرت، ص37 تا 39 بتغیر قلیل۔

www.dawateislami.net

اسلام کا تصورِ عبادت:

دینِ اسلام میں عبادت دراصل عقائدِ اسلامیہ کی قلبی تصدیق کے عملی اظہار کا نام ہے جو بندہ اللہ ربُّ العِزت کے ساتھ اپنے اخلاص و بندگی کے خاطر بجالاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان کا ہر کام جو وہ رِضائے ربُّ الْاَنَام کے لیے کرے عبادت سمجھا جاتا ہے۔ دراصل بندے کے اپنے معبود سے تعلق کے دو رخ ہیں ایک براہِ راست خالق کی طرف ہے اور دوسرا اس کی مخلوق کی طرف گویا ایک کی نوعیت روحانی ہے اور دوسرے کی معاشرتی! اور ان دونوں کے لیے قرآنِ کریم میں عبادت کا لفظ ذکر ہوا ہے۔ اسلامی نظامِ عبادت کے اس وسیع مفہوم کے پیشِ نظر ہم اسے دو حصوں میں بیان کریں گے:

(1) بِلاواسطہ عبادت:

یہ اس اصطلاحی عبادت کا ہی ایک مفہوم یا نام ہے جو تمام مذاہب میں مشترک ہے یعنی وہ مخصوص اعمال جن کا تعلق عبد اور معبود کے سوا کسی بھی تیسرے سے نہ ہو اور بندہ اپنی عاجزی و کمزوری کے اقرار و اظہار اور معبودِ برحق کی قدرت و عظمت کے سامنے گردنِ اطاعت خم کرنے کے لیے بجالائے۔ دینِ اسلام میں بِلاواسطہ عبادت چار اعمال کے ذریعے کی جاتی ہے: نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج۔

عباداتِ اربعہ:

1- **نماز:** مسلمان مرد و عورت، عاقل بالغ، مسافر و مقیم پر تمام شرائط کے ساتھ فرضِ عین ہے۔(1) نماز کا منکر کافر ہے۔(2)

2- **زکوٰۃ:** کسی بھی مسلمان مرد اور عورت کا مالِ زکوٰۃ حاجتِ اصلیہ پوری ہونے کے بعد نصاب تک پہنچ جائے تو اپنی تمام شرائط کے ساتھ زکوٰۃ فرض ہوگی جو مستحقِ زکوٰۃ مسلمانوں میں تقسیم کر دی جائے گی۔(3) زکوٰۃ کا منکر کافر ہے۔(4)

3- **روزہ:** ہر مسلمان مرد و عورت عاقل بالغ پر اپنی تمام شرائط و کیفیات کے ساتھ فرض ہے جو ہر سال رَمَضانُ المبارک کے ایک مہینے کے روزے ہیں(5) اور اس کی فرضیت کا منکر کافر ہے۔(6)

4- **حج:** مرد و عورت عاقل بالغ پر شرائط کے ساتھ زندگی میں ایک مرتبہ کرنا فرض ہے۔ حج کا منکر بھی کافر ہے۔(7)

---

1 ...... در مختار مع رد المحتار، کتاب الصلاۃ، 2/6۔ 2 ...... در مختار، کتاب الصلاۃ، 2/8۔

3 ...... ترمذی، کتاب الزکوۃ، باب ماجاء فی کراہیۃ اخذ خیار المال فی الصدقۃ، 2/126، حدیث:625۔

4 ...... فتاویٰ ہندیۃ، کتاب الزکاۃ، الباب الاول فی تفسیرہا وصفتہا وشرائطہا، 1/170۔ 5 ...... نور الایضاح مع مراقی الفلاح، ص315۔

6 ...... فتاویٰ رضویہ، 14/356۔ 7 ...... فتاویٰ ہندیۃ، کتاب المناسک، الباب الاول فی تفسیر الحج... الخ، 1/216۔

www.dawateislami.net

دینِ اسلام کی مذہبی تعلیمات میں عباداتِ اَرْبَعَہ کے علاوہ روح کی تسکین اور قُربِ خداوندی کے لیے کوئی پانچویں چیز "فرض" نہیں ہے۔ بلکہ اس کے علاوہ تعلیماتِ اسلامیہ کا محور حضرتِ انسان کی معیشت، معاشرت اور اخلاقیات ہیں جو یقیناً ایک آفاقی دین ہی کی شان ہونی چاہیے۔

(2) بِالواسطہ عبادت:

عبادت کی یہ قسم عباداتِ اَرْبَعَہ تک محدود نہیں ہے بلکہ اس کا مفہوم بہت وسیع ہے جو دینِ اسلام کی آفاقی تعلیمات کو اپنے دامن میں لیے ہوئے ہے! چونکہ خلقتِ انسانی کا بحیثیتِ مجموعی مقصد عبادت ہی ہے لہٰذا ایک مسلمان کا اپنے فطری تقاضوں، معاشی ذمہ داریوں اور معاشرتی اقدار کو دائرۂ اسلام میں رہتے ہوئے پورا کرنا اور رِضائے ربُّ الْاَنام کی نیّت سے بجالانا یقیناً عبادت اور مُوجبِ ثواب ہے۔

یہ وہ عبادت ہے جو مخلوق کے ساتھ تعلق برقرار رکھتے ہوئے بجالانی ہے اور یہ عبادات میں بہت اہم عبادت ہے، کیونکہ انسان کا اپنے معاشی معاملات میں حکمِ الٰہی کو مقدم رکھنا، خودساختہ معاشرتی اصولوں کو احکامِ الٰہی پر قربان کر دینا، حقوقُ العباد کا لحاظ رکھنا اور اپنی زندگی کے ہر معاملے کو رِضائے ربُّ الْاَنام کے تابع کر دینا یقیناً نفس پر گراں ہے اور یہی گرانی اس کے تصفیۂ قلب، روح کے سکون اور تقرُّب الی اللہ کے لیے نقطۂ آغاز ہے۔

تصورِ عبدیت:

اسلام کا تَصَوُّرِ عَبْدِیّت یہ ہے کہ زندگی کی تمام ذمہ داریوں اور دنیوی تعلقات میں سے جو کچھ اس سے متعلق ہو انسان اس کو بخوبی پورا کرتے ہوئے معبودِ برحق کی بندگی کا حق ادا کرے۔ اس حوالے سے حکمت و دانائی کا سرچشمہ اپنے اندر سموئے ہوئے چند احادیثِ طیبہ ملاحظہ کیجیے:

(1) حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہمارے لشکر کے ایک شخص کا گزر غار کے پاس سے ہوا جہاں پانی اور سبزہ موجود تھا اس نے دل میں سوچا کیوں نہ دنیا سے الگ تھلگ ہو کر یہاں ہی رہا جائے! اس نے اپنا یہ خیال بارگاہِ رسالت میں پیش کرکے اجازت لینے کا ارادہ کر لیا اور خدمتِ اقدس میں آکر عرض گزار ہوا: مجھے گوشہ نشینی کے لیے ایک بہت عمدہ جگہ نظر آئی ہے وہاں میرے کھانے پینے کا سامان بھی موجود ہے، میں سوچ رہا ہوں کہ دنیا سے الگ ہو کر وہیں رہنا شروع کر دوں (آپ کیا فرماتے ہیں؟) حضور اکرم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے فرمایا: میں یہودیت یا عیسائیت لے کر دنیا میں نہیں آیا بلکہ

ایک سیدھا اور آسان دین لے کر آیا ہوں۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اللہ کی راہ میں صبح یا شام گزارنا دنیاومافیہا سے بہتر ہے اور تم میں سے کسی کا صف میں نماز پڑھنا اس کی 60 ساٹھ سال کی نمازوں سے افضل ہے۔[(1)]

(2) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں فتح کے سال ایسا بیمار ہوا کہ موت کے قریب ہو گیا، رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم میری عیادت کے لیے تشریف لائے، میں نے آپ سے عرض کیا کہ میں بہت تکلیف میں ہوں جیسا کہ آپ ملاحظہ فرما رہے ہیں، میں ایک مال دار شخص ہوں اور میری ایک بیٹی کے علاوہ میرا کوئی وارث نہیں ہے کیا میں اپنا دو تہائی مال صدقہ کر دوں؟ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے مجھے اس سے منع فرمادیا، پھر میں نے پوچھا کیا آدھا مال صدقہ کر دوں؟ آپ نے اس سے بھی منع فرمادیا، میں نے پھر پوچھا ایک تہائی صدقہ کر دوں؟ آپ نے فرمایا: ایک تہائی ٹھیک ہے لیکن یہ بھی زیادہ ہے، (یہ بات ذہن میں رکھو) تمہارا اپنے وارثوں کو مال دار چھوڑ جانا انہیں تنگ دست چھوڑنے سے بہتر ہے کہ وہ لوگوں سے مانگتے پھریں، تم جو کچھ بھی اللہ کی رِضا کے لیے خرچ کرتے ہو اس کا اجر ملتا ہے حتّٰی کہ تم جو لقمہ اپنی بیوی کے منہ میں ڈالو گے اس کا بھی اجر ہے۔[(2)]

(3) حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: بعض صحابۂ کرام نے نبیِ پاک صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم سے عرض کیا کہ مال دار لوگ تو ثواب لوٹ کر لے گئے حالانکہ وہ ہماری طرح نمازیں پڑھتے ہیں، ہماری طرح روزے رکھتے ہیں اور اپنے اضافی مال سے صدقہ دیتے ہیں! پیارے آقا صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے فرمایا: اللہ نے تمہارے لیے بھی صدقہ کرنے کے بہت سے طریقے بنائے ہیں؛ ہر تسبیح صدقہ ہے، ہر تکبیر صدقہ ہے، اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کہنا صدقہ ہے، لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ کہنا صدقہ ہے اور نیکی کی ترغیب اور برائی سے روکنا بھی صدقہ ہے حتّٰی کہ تمہارے لیے حقِ زَوْجِیَّت ادا کرنا بھی صدقہ ہے! صحابہ نے عرض کیا: اگر کوئی حقِ زوجیت اپنی نفسانی خواہش پوری کرنے کے لیے ادا کرے تو پھر بھی ثواب ہے؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا: ذرا سوچو! اگر وہ اپنی خواہش حرام طریقے سے پوری کرتا تو کیا یہ گناہ نہ ہوتا؟ یوں ہی اگر وہ اپنی خواہش حلال ذریعے سے پوری کرے گا تو اسے ثواب ملے گا۔[(3)]

1 ...... مسند احمد، مسند الانصار، 8/303، حدیث: 22354۔ 2 ...... بخاری، کتاب المغازی، باب حجۃ الوداع، 3/142، حدیث: 4409۔

3 ...... مسلم، کتاب الزکاۃ، باب ان اسم الصدقۃ یقع... الخ، 390، حدیث: 1006۔

www.dawateislami.net

(4) حضرت عبد اللہ بن عَمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک دن رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم میرے گھر تشریف لائے اور فرمایا: مجھے پتا چلا ہے کہ تم رات میں قیام اور دن میں روزہ رکھتے ہو؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں! میں ایسا ہی کرتا ہوں۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا: سویا بھی کرو، قیام بھی کیا کرو اور کبھی روزہ رکھو کبھی افطار کرو، کیونکہ تمہاری آنکھوں کا بھی تم پر حق ہے، تمہارے جسم کا بھی تم پر حق ہے، تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے، تمہارے مہمانوں کا بھی تم پر حق ہے اور تمہارے دوستوں کا بھی تم پر حق ہے۔[1]

(3) نظامِ اَخلاق

اسلام ایک مُتَوازِن نظامِ اَخلاق کا عَلَم بردار ہے، اس کی اَخلاقی تعلیمات کا نقطۂ آغاز انسانی فطرت اور کامل مضمون حرمتِ انسان بلکہ حرمتِ ہر ذی جان ہے! اسلامی نظامِ اخلاق انسان کی پوری زندگی کے اوپر چھایا ہوا ہے، ماں کی گود سے قبر کی آغوش تک زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جس کے لیے اسلام کی اخلاقی راہ نمائی موجود نہ ہو۔ ذرا اندازہ کیجیے جس مذہب میں بے روح بدن سے متعلق اخلاقیات کی تعلیم موجود ہو اس کے گلستانِ حیات میں اخلاق کا کیسا چمنستان بسایا گیا ہو گا! اسلام کی اخلاقی تعلیمات کی تفصیل میں جائے بغیر محض اس کے نظامِ اخلاق سے متعلق درج ذیل تین بنیادی امور پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی جائے گی ملاحظہ کیجیے:

(1) جذبۂ مُحرِّکہ:

اخلاقِ حَسَنہ کے ساتھ حیاتِ انسانی کا امن وابستہ ہے؛ اچھی معاشرت، کامیاب معیشت اور شاندار عائلی زندگی اچھے اخلاق پر ہی منحصر ہے، دنیا کا ایک شخص بھی اگر بد اخلاقی کا شکار ہو گا تو اس کا خمیازہ پورا معاشرہ بھگتے گا، لہٰذا اتنی اہم چیز کے لیے محض تعلیم فراہم کر دینا یا چند مادی فوائد بیان کر دینا کافی نہیں ہے بلکہ اس سے آگے ایک ایسے جذبہ کو بیدار کرنے کی ضرورت ہے جس کے زیرِ اثر ہر شخص از خود اخلاقیات کا مظاہرہ کرے بلکہ اسے سعادت سمجھے بِالفرض اس کو مادی فوائد نظر نہ بھی آئیں پھر بھی وہ بد اخلاقی کی راہ پر نہ چلے۔ اسلامی نظامِ اخلاق میں وہ جذبہ "خالق ومالک رب عزوجل کی رِضا و خوشنودی ہے!" مسلمانوں کے لیے یہی جذبہ تمام تر اخلاقیات کا محور ہے؛

1 نسائی، کتاب الصیام، باب صوم یوم... الخ، ص 391، حدیث: 2388۔

www.dawateislami.net

⇚ ایک مسلمان اپنے تکلیف دینے والے سے انتقام کے بجائے اسے معاف کرنے کو ترجیح دیتا ہے کیوں؟ اس لیے کہ اس کے رب کی رضا معاف کرنے میں ہے۔

⇚ ظلم کے خلاف آواز اٹھاتا ہے کیوں؟ اس لیے کہ ظالم کا ساتھ دینے سے اس کے رب نے منع کیا ہے!

⇚ رشوت، بھتا خوری چوری ڈکیتی وغیرہ اخلاق سوز معاشرے کی تباہی والے کام ہیں جو بظاہر کسی بھی شخص کے لیے ذاتی فوائد کا باعث ہیں لیکن ایک مسلمان اپنے دامن کو اس سے محفوظ رکھتا ہے کیوں؟ اس لیے کہ رب ان کاموں سے ناراض ہوتا ہے۔

آپ کسی بھی درجہ کے اخلاق کی فہرست مرتب کرلیجیے ایک مسلمان اس پر عمل کرتا ہوا نظر آئے گا جس کا مُحرِّک صرف اور صرف "اَحکمُ الحاکمین کی رِضا" ہوگی اگرچہ اس میں بظاہر اس کا دنیاوی نقصان ہی کیوں نہ ہو! یہی وجہ ہے کہ اسلامی نظامِ اخلاق کا تعلق ایک قبیلہ، قوم یا مخصوص دین و مذہب اور ملت کے ساتھ نہیں بلکہ اس کی اخلاقی تعلیم آفاقی حیثیت رکھتی ہے اور ہر اس چیز کے ساتھ وابستہ ہے جس میں رَبّ تعالیٰ کی رِضا پوشیدہ ہو؛ اب چاہے وہ جیتے جاگتے معاشرے میں ہو یا بے زبان جانور کے مردہ جسم کو زمین تلے دفن کرنے میں، سب جگہ اسلام کا نظامِ اخلاق مؤثر نظر آئے گا۔ اس حوالے سے چند آیات اور احادیثِ مبارکہ ملاحظہ کیجیے:

﴿وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِیَّاهُ وَ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًاؕ اِمَّا یَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَاۤ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَاۤ اُفٍّ وَّ لَا
تَنْهَرْهُمَا وَ قُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِیْمًا ﴿۲۳﴾ وَ اخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَ قُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّیٰنِیْ صَغِیْرًاؕ ﴿۲۴﴾ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِیْ
نُفُوْسِكُمْؕ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِیْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِیْنَ غَفُوْرًا ﴿۲۵﴾ وَ اٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَ الْمِسْكِیْنَ وَ ابْنَ السَّبِیْلِ وَ لَا تُبَذِّرْ تَبْذِیْرًا ﴿۲۶﴾ اِنَّ
الْمُبَذِّرِیْنَ كَانُوْۤا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِؕ وَ كَانَ الشَّیْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ﴿۲۷﴾ وَ اِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَآءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا
مَّیْسُوْرًا ﴿۲۸﴾ وَ لَا تَجْعَلْ یَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَ لَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ﴿۲۹﴾ اِنَّ رَبَّكَ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ
وَ یَقْدِرُؕ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِیْرًۢا بَصِیْرًا۠ ﴿۳۰﴾ وَ لَا تَقْتُلُوْۤا اَوْلَادَكُمْ خَشْیَةَ اِمْلَاقٍؕ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَ اِیَّاكُمْؕ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِیْرًا
﴿۳۱﴾ وَ لَا تَقْرَبُوا الزِّنٰۤى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةًؕ وَ سَآءَ سَبِیْلًا ﴿۳۲﴾ وَ لَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّؕ وَ مَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا
لِوَلِیِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا یُسْرِفْ فِّی الْقَتْلِؕ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا ﴿۳۳﴾ وَ لَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْیَتِیْمِ اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ حَتّٰى یَبْلُغَ اَشُدَّه۪ٗ وَ اَوْفُوْا
بِالْعَهْدِۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا ﴿۳۴﴾ وَ اَوْفُوا الْكَیْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَ زِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِیْمِؕ ذٰلِكَ خَیْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِیْلًا ﴿۳۵﴾ وَ لَا تَقْفُ مَا لَیْسَ

www.dawateislami.net

لَكَ بِهٖ عِلْمٌؕ اِنَّ السَّمْعَ وَ الْبَصَرَ وَ الْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓىٕكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـٴُـوْلًا ﴿۳۶﴾ وَ لَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًاۚ اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَ لَنْ
تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ﴿۳۷﴾ كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَیِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا ﴿۳۸﴾ ذٰلِكَ مِمَّاۤ اَوْحٰۤى اِلَیْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِؕ وَ لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا
اٰخَرَ فَتُلْقٰى فِیْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا ﴿۳۹﴾ [1]

ترجمہ: اور تمہارے رب نے حکم فرمایا کہ اس کے سوا کسی کو نہ پوجو اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو اگر تیرے سامنے ان میں ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان سے ہُوں (اُف تک) نہ کہنا اور انہیں نہ جھڑکنا اور ان سے تعظیم کی بات کہنا اور ان کے لیے عاجزی کا بازو بچھا نرم دلی سے اور عرض کر کہ اے میرے رب تو ان دونوں پر رحم کر جیسا کہ ان دونوں نے مجھے چھٹپن (چھوٹی عمر) میں پالا تمہارا رب خوب جانتا ہے جو تمہارے دلوں میں ہے اگر تم لائق ہوئے تو بے شک وہ توبہ کرنے والوں کو بخشنے والا ہے اور رشتہ داروں کو ان کا حق دے اور مسکین اور مسافر کو اور فضول نہ اڑا بے شک اڑانے والے (فضول خرچی کرنے والے) شیطانوں کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے اور اگر تو ان سے منہ پھیرے اپنے رب کی رحمت کے انتظار میں جس کی تجھے امید ہے تو ان سے آسان بات کہہ اور اپنا ہاتھ اپنی گردن سے بندھا ہوا نہ رکھ اور نہ پورا کھول دے کہ تو بیٹھ رہے ملامت کیا ہوا تھکا ہوا بے شک تمہارا رب جسے چاہے رزق کشادہ دیتا اور کستا ہے (تنگی دیتا ہے) بے شک وہ اپنے بندوں کو خوب جانتا دیکھتا ہے اور اپنی اولاد کو قتل نہ کرو مفلسی کے ڈر سے ہم تمھیں بھی اور انہیں بھی روزی دیں گے بے شک ان کا قتل بڑی خطا ہے اور بدکاری کے پاس نہ جاؤ بے شک وہ بے حیائی ہے اور بہت ہی بُری راہ اور کوئی جان جس کی حرمت اللہ نے رکھی ہے ناحق نہ مارو اور جو ناحق مارا جائے تو بے شک ہم نے اس کے وارث کو قابو دیا ہے تو وہ قتل میں حد سے نہ بڑھے ضرور اس کی مدد ہونی ہے اور یتیم کے مال کے پاس نہ جاؤ مگر اس راہ سے جو سب سے بھلی ہے یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچے اور عہد پورا کرو بے شک عہد سے سُوال ہونا ہے اور ماپو تو پورا ماپو اور برابر ترازو سے تولو یہ بہتر ہے اور اس کا انجام اچھا اور اس بات کے پیچھے نہ پڑ جس کا تجھے علم نہیں بے شک کان اور آنکھ اور دل ان سب سے سُوال ہونا ہے اور زمین میں اِتراتا نہ چل بے شک تو ہرگز زمین نہ چیر ڈالے گا اور ہرگز بلندی میں پہاڑوں کو نہ پہنچے گا یہ جو کچھ گزرا ان میں کی بُری بات تیرے رب کو ناپسند ہے یہ ان وحیوں میں سے ہے جو تمہارے رب نے تمہاری طرف بھیجی حکمت کی باتیں اور اے سننے والے اللہ کے ساتھ دوسرا خدا نہ ٹھہرا کہ تو جہنم میں پھینکا جائے گا طعنہ پاتا دھکے کھاتا۔

1 ...... پ15، بنی اسرائیل: 23 تا 39۔

www.dawateislami.net

احادیثِ مبارکہ:

(1) حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم سے افضل ایمان کے متعلق سُوال کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا: افضل ایمان یہ ہے کہ تو اللہ کی خاطر محبت رکھے اور اُسی کی خاطر غصہ کرے اور تیری زبان اللہ کے ذکر میں لگی رہے۔ پھر انہوں نے پوچھا یارسولَ اللہ! پھر اس کے بعد؟ تو رسولُ اللہ نے ارشاد فرمایا: لوگوں کے لیے بھی وہی پسند کرو جو اپنے لیے کرتے ہو اور جو اپنے لیے ناپسند کرتے ہو اسے دوسروں کے لیے بھی ناپسند کرو، جب تم بولو تو اچھی بات کرو یا خاموش رہو۔[1]

(2) اخلاق و عظمت کے حامل نبی صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس میں تین خصلتیں ہوں گی، اللہ اس کا حساب آسانی سے لے گا اور اسے اپنی رحمت سے جنت میں داخل فرمائے گا۔ صحابۂ کرام نے عرض کیا: یارسولَ اللہ! ہمارے ماں اور باپ آپ پر قربان! وہ خصلتیں کون سی ہیں؟ فرمایا: جو تمہیں محروم کرے اسے عطا کرو اور جو تم سے تعلق توڑے تم اس سے تعلق جوڑو اور جو تم پر ظلم کرے اسے معاف کر دو، جب تم یہ اعمال بجالاؤ گے تو اللہ تمہیں جنت میں داخل فرمادے گا۔[2]

(3) صاحبِ خُلقِ عظیم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: آخرت میں تم میں سے وہ لوگ مجھے زیادہ محبوب اور میرے زیادہ قریب ہوں گے جن کے اخلاق اچھے ہوں گے اور وہ لوگ مجھے زیادہ ناپسند اور مجھ سے زیادہ دور ہوں گے جو زیادہ بولنے والے، منہ پھٹ اور مُتَفَیْہِقُون ہوں گے۔ صحابۂ کرام نے عرض کیا: یارسولَ اللہ! ہم زیادہ بولنے والے اور منہ پھٹ کو تو جانتے ہیں لیکن یہ مُتَفَیْہِقُون کون ہیں؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا: تکبر کرنے والے۔[3]

(4) حسنِ اخلاق کے پیکر صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہر سخت مزاج، اِترا کر چلنے والا، متکبر، خوب مال جمع کرنے والا اور دوسروں کو نہ دینے والا جہنم میں داخل ہوگا، جبکہ اہلِ جنت کمزور اور کم مال والے ہیں۔[4]

(2) شخصی اخلاقیات:

اسلامی نظامِ اخلاق میں شخصی تعمیر اور ذاتی افعال و کردار کی بہتری کے لیے دل و دماغ سے لے کر اعضائے جسمانی

1. مسند احمد، مسند الانصار، 8/266، حدیث: 22193۔
2. مستدرک للحاکم، کتاب التفسیر، باب ثلاث من کن فیہ... الخ، 3/362، حدیث: 3968۔
3. ترمذی، کتاب البر والصلۃ، باب ماجاء فی معالی الاخلاق، 3/409، حدیث: 2025۔
4. مسند احمد، مسند عبد اللہ بن عمرو بن العاص، 2/672، حدیث: 7030۔

کے آداب تک ہر حوالے سے مکمل تعلیم موجود ہے جس پر عمل اخلاقی گراوٹ سے اوجِ ثریا تک پہنچنے کا ذریعہ ہے۔

اس سے متعلق چند آیاتِ مبارکہ ملاحظہ کیجیے:

عقل: عقل انسان کے لیے کسی جوہری ہتھیار سے کم نہیں اس کے درست استعمال سے انسان معاشرے میں اچھی جگہ بنانے میں کامیاب ہو جاتا ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے سرچشمۂ حیات قرآنِ حکیم میں غور و تفکر کی دعوت دیتے ہوئے فرمایا:

﴿لَقَدْ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكُمْ كِتٰبًا فِیْهِ ذِكْرُكُمْؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ۠(۱۰)﴾ (1)

ترجمہ: بے شک ہم نے تمہاری طرف ایک کتاب اُتاری جس میں تمہاری ناموری ہے تو کیا تمہیں عقل نہیں۔

دل: عام طور پر کسی کے ساتھ برے رویہ یا گھٹیا اخلاق کے مظاہرے کی وجہ اس سے متعلق دل میں چھپا کینہ اور بغض بھی ہوتا ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے قرآنِ حکیم میں اس صفت سے باز رہنے کے لیے ارشاد فرمایا:

﴿یَعْلَمُ خَآىٕنَةَ الْاَعْیُنِ وَ مَا تُخْفِی الصُّدُوْرُ(۱۹)﴾ (2)

ترجمہ: اللہ جانتا ہے چوری چھپے کی نگاہ اور جو کچھ سینوں میں چھپا ہے۔

آنکھ: انسان نگاہوں کے غلط استعمال کی وجہ سے ایک نہ ایک دن اخلاقی ابتری میں جا پڑتا ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ نے خرابیِ اخلاق کے اس بڑے سبب کے سدِّباب کے لیے ارشاد فرمایا:

﴿یَعْلَمُ خَآىٕنَةَ الْاَعْیُنِ﴾ (3) ترجمہ: اللہ جانتا ہے چوری چھپے کی نگاہ۔

کان: عیب جوئی یا ٹوہ میں پڑنا یا پھر کسی پر برتری حاصل کرنے جیسے مذموم مقاصد کے لیے کسی کی کمزوریاں ڈھونڈنا انتہائی گھٹیا اور رذیل قسم کی حرکت ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اس طرح کی کانا پھوسی سے منع کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَّ لَا تَجَسَّسُوْا﴾ (4) ترجمہ: اور عیب نہ ڈھونڈھو۔

رخسار: دورانِ گفتگو مخاطب کی بات پر توجہ نہ دینا یا اسے حقیر سمجھتے ہوئے اِدھر اُدھر دیکھتے رہنا اخلاق کے خلاف ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اس بری عادت سے روکتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿وَ لَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ﴾ (5) ترجمہ: اور کسی سے بات کرنے میں اپنا رخسارہ کج نہ کر۔

1 ...... پ17، الانبیا:10۔ 2 ...... پ24، المؤمن:19۔ 3 ...... پ24، المؤمن:19۔ 4 ...... پ26، الحجرات:12۔ 5 ...... پ21، لقمٰن:18۔

www.dawateislami.net

شخصی اخلاق سے متعلق چند آیات ذکر کی گئی ہیں ان کے علاوہ قرآنِ کریم میں کئی مقامات پر حسنِ اخلاق کی تعلیم دی گئی ہے جس میں لوگوں سے بات کرنے کا طریقہ، دورانِ گفتگو آواز کی تیزی، چال ڈھال، لباس اور طعام جیسے اہم شخصی رویوں پر راہ نمائی موجود ہے اور یقیناً یہ اسلام ہی کا خاصہ ہے۔

(3) معاشرتی اخلاقیات:

اسلامی نظامِ اخلاق میں انسان کے فطری تقاضوں، طبعیتِ مدنیہ کی بہتری اور اس کی معاشرتی زندگی کے لیے اچھے اخلاق کی بہترین تعلیم موجود ہے، کیونکہ تربیت یافتہ بااخلاق معاشرہ ہی پر سکون زندگی کا ضامن ہوتا ہے۔ چنانچہ اس سے متعلق چند آیاتِ مبارکہ ملاحظہ کیجیے:

خبر کی تحقیق: معاشرتی بگاڑ کا ایک بڑا سبب افواہیں اُڑانا اور ان پر یقین کرنا ہوتا ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے معاشرے کے بگاڑ کے اس بنیادی سبب کا سدِّباب کرتے ہوئے ہر بات کی تحقیق کرنے کی تلقین فرمائی:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَنْ تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ ۝٦﴾ (1)

ترجمہ: اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو تحقیق کرلو کہ کہیں کسی قوم کو بے جانے ایذا نہ دے بیٹھو پھر اپنے کئے پر پچھتاتے رہ جاؤ۔

صلح کروانا: اگر دو گروہ یا دو افراد میں لڑائی ہوجائے تو تیسرے شخص کی اخلاقی اور معاشرتی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ اس کو دوسروں کا ذاتی معاملہ قرار دے کر ایک طرف نہ ہوجائے اور نہ ہی جلتی پہ تیل ڈال کر اپنے مذموم مقاصد حاصل کرے، بلکہ اس نازک موقع پر اپنی اِستِطاعت کے مطابق ان میں صلح کروانے کی کوشش کرے یا زیادتی کرنے والے گروہ کے خلاف قوت کا مظاہرہ کرے تاکہ وہ اس زیادتی سے باز آجائے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا ۖ فَإِنْ بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَىٰ فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّىٰ تَفِيءَ إِلَىٰ أَمْرِ اللَّهِ ۚ فَإِنْ فَاءَتْ فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا ۖ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ۝٩﴾ (2)

ترجمہ: اور اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑیں تو ان میں صلح کراؤ پھر اگر ایک دوسرے پر زیادتی کرے تو اس

(1) پ26، الحجرات:6۔ (2) پ26، الحجرات:9۔

www.dawateislami.net

زیادتی والے سے لڑو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف پلٹ آئے پھر اگر پلٹ آئے تو انصاف کے ساتھ ان میں اصلاح کردو اور عدل کرو بے شک عدل والے اللہ کو پیارے ہیں۔

عفوو درگزر: معاشرتی تباہی کی ایک وجہ غصہ کے زیرِ اثر فیصلہ کرنا اور غصہ کو نافذ کرنا بھی بنتا ہے جو دوسروں کے حقوق کی پامالی اور عزتِ نفس کو مجروح کرنے کا باعث ہے، اللہ تعالیٰ نے اس نقصان سے منع کرتے ہوئے درگزر کرنے کا حکم فرمایا:

﴿الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ فِی السَّرَّآءِ وَ الضَّرَّآءِ وَ الْكٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَ الْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِؕ وَ اللّٰهُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَۚ(۱۳۴)﴾ (1)

ترجمہ: وہ جو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں خوشی میں اور رنج میں اور غصہ پینے والے اور لوگوں سے درگزر کرنے والے اور نیک لوگ اللہ کے محبوب ہیں۔

کارہائے خیر میں معاونت: برائیوں اور غیر اخلاقی حرکتوں کی شدید مذمت اور اچھے کاموں کی حوصلہ افزائی کرنا ایک اچھے معاشرے کے لیے بنیادی حیثیت رکھتا ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿وَ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى ۪ وَ لَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ ۪ وَ اتَّقُوا اللّٰهَؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ(۲)﴾ (2)

ترجمہ: اور نیکی اور پرہیز گاری پر ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور زیادتی پر باہم مدد نہ دو اور اللہ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ کا عذاب سخت ہے۔

ایفائے عہد: جس معاشرے میں عہد کی پاس داری اور وعدے کی وفاداری ہوتی ہے اس کو ترقی کی جانب بڑھنے سے کوئی نہیں روک سکتا، اور جو معاشرہ اس عمدہ اخلاق سے محروم ہوتا ہے وہ بہت جلد تباہی و بربادی کا شکار ہو جاتا ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے عہد پورا کرنے کا حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ۬ؕ﴾ (3) ترجمہ: اے ایمان والو اپنے قول (عہد) پورے کرو۔

❀❀❀❀❀

---

1 ...... پ4، آل عمران:134۔ 2 ...... پ6، المائدۃ:2۔ 3 ...... پ6، المائدۃ:1۔

www.dawateislami.net

مشقی و عملی سُوالات

1←کتاب میں بیان کردہ عناصرِ مذہب کو خاکے کی صورت میں پیش کیجیے۔

2←وجودِ صانع اور توحید کے دلائل پر کم از کم 10 سُوال وجواب کی صورت میں مکالمہ مرتب کیجیے۔

3←ضرورتِ نبوت پر نوٹ لکھیے اور بتایئے حضراتِ انبیاء کو کیسے پتا چلتا ہے کہ وحی لانے والا فرشتہ ہی ہے شیطان نہیں؟

4←انبیائے کرام کے 15 اوصاف بیان کیجیے اور ممکنہ اشکال کا جواب لکھیے۔

5←عقیدۂ آخرت کی اہمیت بیان کیجیے اور بتایئے کہ انسان کی زندگی پر اس کے کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟

6←اسلامی نظامِ اخلاق کا جائزہ لیجیے اور اس پر اپنے جذبات کا اظہار کیجیے۔

اہم نوٹ

www.dawateislami.net

دوسرا باب

انبیائے کِرام کا مَنہجِ دعوت

قرآن حکیم کا بغور مطالعہ کرنے اور انبیائے کِرام علیہمُ السّلام کی سیرت کا جائزہ لینے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ تمام انبیائے کِرام علیہمُ السّلام کی نیکی کی دعوت میں چند چیزیں مشترک تھیں جن کے لیے ان برگزیدہ ہستیوں کو بھیجا گیا۔ ذیل میں ان ہی مشترک امور کو قرآنِ مبین کی روشنی میں بیان کیا جارہا ہے۔

پہلی فصل: دعوتِ توحید

اللہ تعالیٰ نے جتنے انبیاو رسل مبعوث فرمائے ان سب نے اپنی اپنی امتوں کو یہ باور کروایا کہ اس کائنات کا ایک ہی خالق ومالک ہے وہی ہے جس کی تمام کائنات میں بادشاہت ہے، وہی کائنات کا حقیقی مُدَبِّر ہے، وہ اَحد ہے، صَمَد ہے اور حقیقت میں مستحقِ عبادت ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

(1)﴿وَ لَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ اجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَ مِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَیْهِ الضَّلٰلَةُ ؕ فَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِیْنَ ۝۳۶﴾[1]

ترجمہ: اور بے شک ہر امّت میں سے ہم نے ایک رسول بھیجا کہ اللہ کو پوجو اور شیطان سے بچو تو ان میں کسی کو اللہ نے راہ دکھائی اور کسی پر گمراہی ٹھیک اتری تو زمین میں چل پھر کر دیکھو کیسا انجام ہوا جھٹلانے والوں کا۔

(2)﴿وَ مَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْۤ اِلَیْهِ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ۝۲۵﴾[2]

ترجمہ: اور ہم نے تم سے پہلے کوئی رسول نہ بھیجا مگر یہ کہ ہم اس کی طرف وحی فرماتے کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں تو مجھی کو پوجو۔

مبلغ کے لیے راہ نما اصول:

دینِ اسلام کی اصل اور ہر نبی کو بھیجنے کا مقصد مخلوق کو خالق کی طرف راغب کرنا اور اس کی وحدانیت کا اقرار کروانا ہے، لہٰذا ایک مبلغ کے منصب کا تقاضا ہے کہ وہ درج ذیل اوصاف کا حامل ہو:

(1) ایمان باللہ کے تمام ارکان یعنی اس کی ذات وصفات سے متعلق اسلامی عقیدے سے واقف ہو۔

(2) وجودِ باری تعالیٰ کے عقلی ونقلی دلائل اس کے علم میں ہوں۔

(3) منکرینِ وجودِ باری تعالیٰ سے واقف ہو اور ان کے باطل خیالات کا فنی تجزیہ کرنا جانتا ہو۔

(4) توحید کے حوالے سے عقلی دلائل کے بمقابل قرآن حکیم کو ہی حجت قاطعہ تسلیم کرے۔

(5) اپنے دور کے تقاضوں کے مطابق وجودِ باری اور توحید باری تعالیٰ پر گفتگو کر سکتا ہو۔

---

1 ...... پ14، النحل:36۔ 2 ...... پ17، الانبیاء:25۔

www.dawateislami.net

مشقی و عملی سوالات

1←قرآن کریم کی روشنی میں کسی بھی نبی علیہ السلام کا دعوتِ توحید پر مشتمل واقعہ پیش کریں۔

2←صفاتِ باری تعالیٰ کے حوالے سے اسلامی نظریہ پیش کیجیے۔

3←دورِ حاضر میں توحید کے حوالے سے کیا غلط فہمیاں عام ہیں چند کی نشاندہی کیجیے۔

4←منکرینِ وجودِ باری تعالیٰ کا جائزہ لیجیے اور ان کے باطل خیالات کا تجزیہ اپنی کلاس میں کیجیے۔

اہم نوٹ

www.dawateislami.net

دوسری فصل: عقیدۂ آخرت کی دعوت

دینِ اسلام اور تمام انبیائے کِرام علیہمُ السّلام کی نیکی کی دعوت کا دوسرا اصول آخرت پر ایمان لانے اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے کے لیے مخلوق کو قائل کرنا تھا، کیونکہ یہی وہ عقیدہ ہے جس کی وجہ سے انسان اپنی زندگی ایک مہذب حد میں رہتے ہوئے گزار سکتا ہے اور اسی عقیدے کی وجہ سے اس کے دل میں نیک کام کرنے اور برائی سے بچنے کا خیال پیدا ہوتا ہے کہ "نیک کام کرنے پر اللہ پاک کی طرف سے عظیم انعامات ملیں گے اور برائی کرنے کے سبب سخت عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا" اگر یہ عقیدہ نہ ہو تو انسان ایک شُتُرِ بے مُہار ہو جائے! اس کی اہمیت کا اندازہ یوں بھی لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ پاک نے انبیائے کِرام کے بلند مرتبہ ہونے کی ایک حکمت یہ بیان فرمائی کہ وہ آخرت کو یاد رکھتے تھے اور دوسروں کو بھی اس کی تذکیر فرماتے تھے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

(1)﴿وَ اذْكُرْ عِبٰدَنَاۤ اِبْرٰهِیْمَ وَ اِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ اُولِی الْاَیْدِیْ وَ الْاَبْصَارِ ۝۴۵ اِنَّاۤ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ ۝۴۶﴾[1]

ترجمہ: اور یاد کرو ہمارے بندوں ابراہیم اور اسحٰق اور یعقوب قدرت اور علم والوں کو، بے شک ہم نے انہیں ایک کھری بات سے امتیاز بخشا کہ وہ اس گھر کی یاد ہے۔

انبیائے کرام علیہمُ السّلام نے کس طرح اپنی اپنی قوم کو عقیدۂ آخرت کی تعلیم فرمائی ملاحظہ کیجیے: حضرت نوح علیہ السّلام نے اپنی قوم سے فرمایا:

(2)﴿وَ اللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ۝۱۷ ثُمَّ یُعِیْدُكُمْ فِیْهَا وَ یُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًا ۝۱۸﴾[2]

ترجمہ: اور اللہ نے تمہیں سبزے کی طرح زمین سے اگایا، پھر تمہیں اسی میں لے جائے گا اور دوبارہ نکالے گا۔

حضرت شعیب علیہ السّلام نے اپنی قوم سے فرمایا:

(3)﴿وَ اِلٰى مَدْیَنَ اَخَاهُمْ شُعَیْبًا ۙ فَقَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ ارْجُوا الْیَوْمَ الْاٰخِرَ وَ لَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ ۝۳۶﴾[3]

ترجمہ: مدین کی طرف اُن کے ہم قوم شعیب کو بھیجا تو اس نے فرمایا اے میری قوم! اللہ کی بندگی کرو اور پچھلے دن کی

(1) ......پ23، ص:45-46۔ (2) ......پ29، نوح:17-18۔ (3) ......پ20، العنکبوت:36۔

www.dawateislami.net

اُمید رکھو اور زمین میں فساد پھیلاتے نہ پھرو۔

مبلغ کے لیے راہ نما اصول:

عقیدۂ آخرت ایک مسلمان بلکہ پوری انسانیت پر انتہائی اثر انداز ہونے والا عقیدہ ہے، لہٰذا مبلغ کے منصب کا تقاضا ہے کہ وہ درج ذیل چیزوں سے واقف ہو:

(1) ایمان بالآخرۃ اور اس سے متعلق تمام اسلامی عقائد مع دلائل جانتا ہو۔

(2) مرنے کے بعد اٹھائے جانے کے عقلی و نقلی دلائل سے واقف ہو۔

(3) جنّت و دوزخ سے متعلق اسلامی نظریات جانتا ہو۔

(4) منکرینِ بعثت کے دلائل اور ان کا علمی و تحقیقی تجزیہ کر سکتا ہو۔

(5) عقیدۂ آخرت کے معاشرے پر کیا اثرات مرتّب ہو سکتے ہیں؛ اس کے علم میں ہو۔

❀❀❀❀❀

حکمت بھری باتیں

- اہلِ علم کا بردبار ہونا علم کی زینت ہے۔
- اچھے طریقے اور عمل صالح کے ساتھ علم حاصل کرنا نبوت کا ایک حصہ ہے۔
- جو اپنے محلے میں اٹھنے بیٹھنے سے پرہیز کرے اس کا علم زیادہ اور عمل پاکیزہ ہو جاتا ہے۔
- دنیا کے سارے علم اور ساری دولت جمع ہو جائیں قرآن پاک کے ایک لفظ کے برابر نہیں۔
- عمل کے ذریعے دی جانے والی نیکی کی دعوت زبانی نیکی کی دعوت سے زیادہ اثر رکھتی ہے۔
- علما زمین پر ایسے ہیں جیسے آسمان پر تارے کہ جب لوگوں پر ظاہر ہوں تو لوگ ان سے رہنمائی حاصل کریں اور اگر وہ چھپ جائیں تو لوگ بھٹک جائیں۔

www.dawateislami.net

مشقی و عملی سوالات

1←مرنے کے بعد اٹھائے جانے پر دو عقلی دلیلیں بیان کیجیے۔
2←قرآنِ کریم سے منکرین بعثت کے شبہات پر دو اقتباس تلاش کیجیے۔
3←سورۂ نوح کی روشنی میں عقیدۂ آخرت پر ایک جامع مضمون پیش کیجیے۔
4←سورۂ یٰسٓ شریف کی روشنی میں مرنے کے بعد اٹھائے جانے پر مکالمہ کیجیے۔
5←منکرین عقیدۂ آخرت کے باطل نظریات کا سورۂ قٓ کی روشنی میں رد کیجیے۔

اہم نوٹ

تیسری فصل: اصلاح اور تربیت

انبیائے کِرام علیہم السّلام کی اہم ذمہ داریوں میں سے ایک مشترک ذمہ داری یہ بھی تھی کہ وہ اپنی قوم کے اخلاق کی درستی، ان کی تعلیم وتربیت اور تزکیۂ نفس پر بھرپور توجہ دیں، کیونکہ کسی بھی طرح کی معاشرتی وانتظامی اصلاح کی اکائی یہی تزکیۂ نفس ہے۔ یہ وہ عظیم چیز ہے جس کی وجہ سے انسان ہر طرح کے دجل وفریب سے پاک ہوجاتا ہے، اس کے اندر حق شناسی کی خواہش پنپنے لگتی ہے اور وہ ایک بامقصد زندگی کی طرف متوجہ ہوجاتا ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

(1) ﴿وَجَعَلْنٰهُمْ اَىٕمَّةً یَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْهِمْ فِعْلَ الْخَیْرٰتِ وَ اِقَامَ الصَّلٰوةِ وَ اِیْتَآءَ الزَّكٰوةِۚ-وَ كَانُوْا لَنَا عٰبِدِیْنَۚۙ(۷۳)﴾ [1]

ترجمہ: اور ہم نے انہیں امام کیا کہ ہمارے حکم سے بلاتے ہیں اور ہم نے انہیں وحی بھیجی اچھے کام کرنے اور نماز برپا (قائم) رکھنے اور زکوٰۃ دینے کی اور وہ ہماری بندگی کرتے تھے۔

(2-3) ﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰىۙ(۱۴) وَ ذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰىؕ(۱۵)﴾ [2]

ترجمہ: بے شک مراد کو پہنچا جو ستھرا ہوا، اور اپنے رب کا نام لے کر نماز پڑھی۔

مبلغ کے لیے راہ نما اصول:

تزکیۂ نفس اسلام کا ایسا حسن ہے جس نے غیر مسلموں کو بھی متأثر کیا ہے، تزکیۂ نفس پر اسلامی تعلیمات کو پڑھ کر بہت سے غیر مسلم حلقہ بگوشِ اسلام ہوجاتے ہیں۔ لہٰذا ایک مبلغ کے منصب کا تقاضا ہے کہ وہ تزکیۂ نفس کے حوالے سے اپنے اندر درج ذیل خصوصیات پیدا کرے:

(1) کتبِ تصوف کا بکثرت مطالعہ کرے۔

(2) ہلاک کرنے والے اعمال سے خود کو بچائے۔

(3) نجات دلانے والے اعمال کو اختیار کرے۔

(4) تصوف کی تعلیمات کو پیشِ نظر رکھے۔

(5) کسی بھی جامع شرائط پیر صاحب کا مرید ہو اور ان کی تعلیمات پر عمل پیرا رہے۔

---

1 ...... پ17، الانبیاء: 73۔ 2 ...... پ30، الاعلیٰ: 14-15۔

www.dawateislami.net

مشقی و عملی سُوالات

1← تزکیۂ نفس کے حوالے سے ایک مبلغ کی کیا ذمہ داریاں ہیں؟

2← امام غزالی رحمۃُ اللہِ علیہ نے مہلکات و منجیات میں کن چیزوں کو شامل فرمایا ہے بنیادی خاکہ پیش کیجیے۔

3← تصوف کی آڑ میں ہونے والی خرابیوں کا جائزہ لیجیے۔

اہم نوٹ

چوتھی فصل: برائی سے روکنا

تمام انبیائے کرام علیہمُ السّلام کی مشترکہ ذمّہ داریوں میں سے ایک ذمہ داری یہ بھی تھی کہ وہ اپنی قوم کو غیر شرعی باتوں، اخلاق سوز رویوں اور زمین میں فساد کا سبب بننے والی چیزوں سے روکیں تاکہ ایک پُر سکون اور پُر امن مُعاشرہ وجود میں آسکے۔ چنانچہ اللہ ربُّ العباد نے قرآنِ کریم میں اپنے برگزیدہ نبی حضرت ہود علیہ السّلام کا وہ کلام ذکر فرمایا جو انہوں نے اپنی قوم سے کیا تھا:

(1)﴿اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِيْعٍ اٰيَةً تَعْبَثُوْنَ ﴿۱۲۸﴾ وَ تَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ ﴿۱۲۹﴾ وَ اِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِيْنَ ﴿۱۳۰﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ ﴿۱۳۱﴾﴾ (1)

ترجمہ: کیا ہر بلندی پر ایک نشان بناتے ہو راہ گیروں سے ہنسنے کو، اور مضبوط محل چنتے ہو اس اُمید پر کہ تم ہمیشہ رہو گے، اور جب کسی پر گرفت کرتے ہو تو بڑی بیدردی سے گرفت کرتے ہو تو اللہ سے ڈرو اور میرا حکم مانو۔

حضرت شعیب علیہ السّلام نے اپنی قوم کی کن خطوط پر تربیت فرمائی اور کس طرح فساد فی الارض سے روکنے کی کوشش کی؛ اس کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

(2)﴿وَ اِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَ الْمِيْزَانَ وَ لَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَ لَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ وَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَ اذْكُرُوْۤا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا فَكَثَّرَكُمْ ۪ وَ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۸۶﴾﴾ (2)

ترجمہ: اور مدین کی طرف ان کی برادری سے شعیب کو بھیجا کہا اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں بے شک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے روشن دلیل آئی تو ناپ اور تول پوری کرو اور لوگوں کی چیزیں گھٹا کر نہ دو اور زمین میں انتظام کے بعد فساد نہ پھیلاؤ یہ تمہارا بھلا ہے اگر ایمان لاؤ، اور ہر راستے پر یوں نہ بیٹھو

1 ......پ19، الشعراء:128 تا 131۔

2 ......پ8، الاعراف:85-86۔

www.dawateislami.net

کہ راہ گیروں کو ڈراؤ اور اللہ کی راہ سے انہیں روکو جو اس پر ایمان لائے اور اس میں کجی چاہو (ٹیڑھا راستہ ڈھونڈو) اور یاد کرو جب تم تھوڑے تھے اس نے تمہیں بڑھا دیا اور دیکھو فسادیوں کا کیسا انجام ہوا۔

مبلغ کے لیے راہ نما اصول:

مبلغین کی ایک اہم ذمہ داری مُنکَرات کی نشاندہی اور فساد فی الارض کی فضا کو ختم کرنا ہے، لہٰذا مبلغ کے لیے ضروری ہے کہ وہ درج ذیل امور کی تیاری کر کے رکھے:

(1) جس مقام پر نیکی کی دعوت کا سلسلہ شروع کرنا ہو پہلے وہاں کے قوانین اور عرف وعادات معلوم کر لے۔

(2) جو چیزیں معاشرے میں فساد کا باعث بن سکتی ہوں ان کے بارے میں مکمل معلومات حاصل کرے اور ان کا مناسب حل تلاش کرے۔

(3) بولنے کا ملکہ پیدا کرے اور حکمت ودانائی کے ساتھ اپنی بات سمجھانے بلکہ سامنے والے کے دل میں اتارنے کی صلاحیت کو پروان چڑھائے۔

(4) اہم شخصیات سے تعلقات قائم کرے اور انہیں نیکی کی دعوت کا حصہ بنانے کی کوشش کرے۔

(5) حاضر جوابی کی مشق کرتا رہے۔

❀❀❀❀❀

تین فرامینِ مصطفٰے

❀ جو کسی مالدار کی اِس کے مالدار ہونے کے سبب آؤ بھگت کرے اُس کا دوتہائی دِین جاتا رہا۔

(شعب الایمان، باب فی حسن الخلق، 6/298، حدیث:8232)

❀ بدترین ہیں وہ لوگ جن کی عزت ان کی زبان کے شر سے بچنے کے لیے کی جاتی ہے۔

(ابوداود، کتاب الادب، باب فی حسن العشرۃ، 4/330، حدیث:4793)

❀ جس نے کسی کو علم سکھایا اسے اس علم پر عمل کرنے والے کا ثواب بھی ملے گا اور اس عمل کرنے والے کے ثواب میں بھی کمی نہ ہوگی۔ (ابن ماجہ، کتاب السنۃ، باب ثواب معلم الناس الخیر، 1/156، حدیث:240)

مشقی و عملی سُوالات

1←حضرتِ ہود اور حضرت شعیب علیہما السلام کی قومیں کن خرابیوں میں مبتلا تھیں؟ آیات کی روشنی میں واضح کیجیے۔

2←فساد فی الارض کو ختم کرنے کے لیے اللہ کے آخری نبی صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے اعلان نبوت سے پہلے کیا کردار ادا فرمایا؟

3←امن و استحکام کی کیا اہمیت ہے؟ اس سے معاشرے پر پڑنے والے اثرات کا جائزہ لیجیے۔

4←امر بالمعروف و نہی عن المنکر سے متعلق مبلغینِ اسلام میں سے کسی ایک کا واقعہ بیان کیجیے۔

5←معاشرتی برائیوں میں سے کسی ایک برائی کی نشاندہی کیجیے اور اس کو ختم کرنے کے لیے اپنا لائحہ عمل بتائیے۔

اہم نوٹ

پانچویں فصل: انبیائے کرام کی مشترکہ عبادات

اللہ تعالیٰ نے جتنے انبیائے کرام علیہمُ السّلام کو بھیجا ان سب کے دین کی اصل اور بنیاد مشترک تھی یعنی توحید، نبوت و رسالت، عقیدۂ آخرت اور بنیادی اَخلاقیات، البتہ مقصدِ حیات پانے کا ذریعہ اور معرفتِ الٰہی کے حصول کا طریقہ یعنی عبادات میں کچھ فرق تھا۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

(1) ﴿شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّیْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّ الَّذِیْۤ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْكَ وَ مَا وَصَّیْنَا بِهٖۤ اِبْرٰهِیْمَ وَ مُوْسٰى وَ عِیْسٰۤى اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ وَ لَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْهِؕ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِیْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَیْهِؕ اَللّٰهُ یَجْتَبِیْۤ اِلَیْهِ مَنْ یَّشَآءُ وَ یَهْدِیْۤ اِلَیْهِ مَنْ یُّنِیْبُ(۱۳)﴾ (1)

ترجمہ: تمہارے لیے دین کی وہ راہ ڈالی جس کا حکم اس نے نوح کو دیا اور جو ہم نے تمہاری طرف وحی کی اور جس کا حکم ہم نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا کہ دین ٹھیک رکھو اور اس میں پھوٹ نہ ڈالو مشرکوں پر بہت ہی گراں ہے وہ جس کی طرف تم انہیں بلاتے ہو اور اللہ اپنے قریب کے لیے چن لیتا ہے جسے چاہے اور اپنی طرف راہ دیتا ہے اُسے جو رجوع لائے۔

(2) ﴿لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّ مِنْهَاجًاؕ وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّ لٰكِنْ لِّیَبْلُوَكُمْ فِیْ مَاۤ اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَیْرٰتِؕ﴾ (2)

ترجمہ: ہم نے تم سب کے لیے ایک ایک شریعت اور راستہ رکھا اور اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی اُمّت کر دیتا مگر منظور یہ ہے کہ جو کچھ تمہیں دیا اس میں تمہیں آزمائے تو بھلائیوں کی طرف سبقت چاہو۔

حضرتِ سَیِّدُنا علیُّ المرتضیٰ رضی اللہُ عنہ فرماتے ہیں: ایمان حضرت آدم علیہ السّلام کے زمانہ سے یہی ہے کہ ”لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ“ کی شہادت اور جو اللہ کی طرف سے آیا اس کا اقرار کرنا، جبکہ شریعت ہر اُمت کی خاص ہے۔ (3)

اصولِ دین کے علاوہ بعض اصولِ عبادات بھی انبیائے کرام علیہمُ السّلام کے درمیان مشترک تھے جن کی یہ حضرات تبلیغ فرماتے رہے۔ مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ۔ اس حوالے سے قرآنی آیات ملاحظہ کیجیے:

1- روزہ: سابقہ امتوں کی خبر دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الصِّیَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَۙ(۱۸۳)﴾ (4)

ترجمہ: اے ایمان والو تم پر روزے فرض کیے گئے جیسے اگلوں پر فرض ہوئے تھے کہ کہیں تمہیں پرہیزگاری ملے۔

---

1 ...... پ25، الشوریٰ:13۔ 2 ...... پ6، المائدۃ:48۔ 3 ...... تفسیر خازن، پ6، المائدۃ، تحت الآیۃ:48، 1/501۔
4 ...... پ2، البقرۃ:183۔

2 تا 4- حج، طواف کعبہ اور اعتکاف: حضرت ابراہیم علیہ السّلام سے ارشاد فرمایا:

﴿وَ اِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِیْمَ مَكَانَ الْبَیْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِیْ شَیْــٴًـا وَّ طَهِّرْ بَیْتِیَ لِلطَّآىٕفِیْنَ وَ الْقَآىٕمِیْنَ وَ الرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۲۶﴾ وَ اَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّ عَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ یَّاْتِیْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ ﴿۲۷﴾﴾ (1)

ترجمہ: اور جب کہ ہم نے ابراہیم کو اس گھر کا ٹھکانا ٹھیک بتادیا اور حکم دیا کہ میرا کوئی شریک نہ کر اور میرا گھر ستھرا رکھ طواف والوں اور اعتکاف والوں اور رکوع سجدے والوں کے لیے۔ اور لوگوں میں حج کی عام ندا کردے وہ تیرے پاس حاضر ہوں گے پیادہ اور ہر دُبلی اونٹنی پر کہ ہر دُور کی راہ سے آتی ہیں۔

5 تا 7- نماز، زکوٰۃ اور اخلاقیات: حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے بارے میں ارشاد فرمایا:

﴿قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ ﳴ اٰتٰىنِیَ الْكِتٰبَ وَ جَعَلَنِیْ نَبِیًّا ﴿۳۰﴾ وَّ جَعَلَنِیْ مُبٰرَكًا اَیْنَ مَا كُنْتُ ۪ وَ اَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوةِ وَ الزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَیًّا ﴿۳۱﴾ وَّ بَرًّۢا بِوَالِدَتِیْ ۫ وَ لَمْ یَجْعَلْنِیْ جَبَّارًا شَقِیًّا ﴿۳۲﴾﴾ (2)

ترجمہ: بچہ نے فرمایا میں ہوں اللہ کا بندہ اس نے مجھے کتاب دی اور مجھے غیب کی خبریں بتانے والا (نبی) کیا، اور اس نے مجھے مبارک کیا میں کہیں ہوں اور مجھے نماز و زکوٰۃ کی تاکید فرمائی جب تک جیوں۔ اور اپنی ماں سے اچھا سلوک کرنے والا اور مجھے زبردست بدبخت نہ کیا۔

8- اہل خانہ کی تربیت: حضرت اسماعیل علیہ السّلام کے بارے میں فرمایا:

﴿وَ كَانَ یَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَ الزَّكٰوةِ ۪ وَ كَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِیًّا ﴿۵۵﴾﴾ (3)

ترجمہ: اور اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتا اور اپنے رب کو پسند تھا۔

خلاصہ بحث:

انبیائے کرام علیہم السّلام کی نیکی کی دعوت میں مذکورہ پانچ اُمور مشترک تھے اور ہر نبی نے ان کی دعوت دی، لیکن اس دعوت کو قبول کرنے والے خوش نصیب لوگ بہت کم تھے، بلکہ ان میں سے اکثر انبیائے کرام علیہم السّلام کی دعوت قبول کرنے والوں کی تعداد تو اتنی بھی نہ ہو سکی جسے "کثیر" کہا جاسکے! مثلاً حضرت نوح علیہ السّلام نے ساڑھے نو سو برس

1 ...... پ17، الحج:26-27۔ 2 ...... پ16، مریم:30 تا 32۔ 3 ...... پ16، مریم:55۔

www.dawateislami.net

نیکی کی دعوت دی[1] لیکن اس پر لبیک کہنے والوں کی تعداد سو بھی نہ ہو سکی![2] اسی سے ملتا جلتا معاملہ دیگر انبیائے کرام کے ساتھ بھی رہا کہ حق واضح ہونے کے باوجود لوگ اس سے منہ پھیرتے رہے؛ کبھی تثلیث کے قائل ہوئے کبھی بت پرستی کی آفت میں مبتلا ہوئے تو کبھی، چاند، سورج ستاروں اور آگ کو پوجنے لگے اور اگر قسمت سے ان خرابیوں سے بچے بھی تو اپنے حسب نسب پر غرور و فخر کرتے ہوئے دیگر قوموں کو جانوروں کی مثل سمجھنا شروع کر دیا اور خود کو اس درجہ افضل سمجھنے لگے کہ یہی "مخدومِ انسانیت ہیں" جو چاہیں کریں ان سے کسی دوسرے انسان پر کیے گئے ظلم و ستم کا کچھ حساب نہیں لیا جائے گا! اور یوں یہ لوگ حق کے پیغام کو فراموش کر کے دائمی ذلت کے مستحق قرار پائے۔

مبلغ کے لیے راہ نما اصول:

عبادت دینِ اسلام کا ایک سنہرا باب ہے اور عام طور پر مسلمانوں کو اسی کی دعوت دی جاتی ہے، لہٰذا مبلغ کے منصب کا تقاضا ہے کہ وہ درج ذیل ہدایات پر عمل کرے:

(1) فرض علوم کے ساتھ ساتھ مسائلِ عبادت کے جزئیات یاد کرے۔

(2) عبادت کے فضائل و مسائل پر احادیثِ مبارکہ متن کے ساتھ یاد کرے۔

(3) طریقۂ عبادت پر جہاں تک ہو سکے مستند ماخذ کا حوالہ ذہن نشین کرے۔

(4) خاص عبادت کے ایام میں ان سے متعلق لازمی مطالعہ کرے مثلاً روزہ، حج وغیرہ۔

(5) مخصوص علاقے میں ہو تو وہاں سے متعلق احکامِ شرع کو لازمی ملحوظ رکھے اور مفتیانِ کرام سے رابطہ میں رہے۔

❁❁❁❁❁

---

1 ...... پ20، العنکبوت:14۔

2 ...... صاوی، پ12، ہود، تحت الآیۃ:40، 3/913۔

مشقی و عملی سُوالات

1←سابقہ امتوں کی نماز اور روزے کی کیا کیفیت تھی؟ تلاش کر کے استاذ محترم سے تفتیش کروائیے۔

2←ارکانِ حج اور شرائطِ اعتکاف بیان کیجیے۔

3←نماز کے عملی طریقے پر جن نصوص سے استدلال کیا گیا ہے کم ز کم کوئی تین نصوص تلاش کیجیے اور مختصراً بحث کیجیے۔

4←ارکانِ اسلام سے متعلق کم از کم دو دو احادیث عربی متن کے ساتھ یاد کیجیے۔

5←جن ممالک میں نماز روزے کے مخصوص مسائل ہیں ان کی فہرست مرتب کر کے مسائل کا شرعی حل لکھیے۔

اہم نوٹ

www.dawateislami.net

تیسرا باب

حضرت نوح کا منہجِ دعوت

دینِ اسلام نے جو قواعد و اصول مقرر فرمائے ہیں وہ گزشتہ انبیائے کرام علیہمُ السّلام کی نیکی کی دعوت کا ہی ایک تسلسل ہے اور تا قیامت یہی اصول ہر داعی و مبلغ کی راہ نمائی کی بنیاد ہیں۔ چونکہ تمام انبیائے کرام کے دعوتی منہج کو اس کتاب میں سمونا ایک مشکل کام ہے، لہٰذا ذیل میں صرف حضرت نوح علیہ السّلام کے دعوتی منہج کو بیان کیا جارہا ہے ملاحظہ کیجیے:

حضرت نوح علیہ السّلام:

آدمِ ثانی اَوّلُ الرُّسُل حضرتِ نوح علیہ السّلام کا دعوتی منہج اور آپ کی قوم کے آپ کے ساتھ رَوَیّے کا ذکر قرآنِ کریم میں متعدد مقامات پر موجود ہے، اگر اس میں غور و فکر کیا جائے تو ایک داعی اور مصلحِ قوم مبلغ کے لیے راہ نمائی کے بہت سے پنہاں گوشے سامنے آتے ہیں۔ آیئے حضرت نوح کے دعوتی منہج کو آیاتِ قرآنیہ کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہاں پر حضرت نوح علیہ السلام کے منہجِ دعوت کو تین فصلوں میں بیان کیا جارہا ہے ملاحظہ کیجیے:

پہلی فصل: دعوتِ نوح کی اساس

دعوتِ نوح کی اساس تین چیزوں پر ہے:

﴿1﴾ دعوتِ توحید ﴿2﴾ ردِّ شرک ﴿3﴾ اخوت و مساوات

﴿1﴾ دعوتِ توحید:

سابقہ اوراق میں بیان کیا جاچکا کہ تمام انبیائے کِرام علیہمُ السّلام نے اپنی اپنی قوم کو توحید کی دعوت دی، لیکن حضرت نوح علیہ السّلام کی قوم نے دعوتِ توحید پر جو طوفان بد تمیزی اور حق سے منہ موڑنے کا انداز اختیار کیا اور اس پر آپ نے جس طرح ان کو سمجھانے کی کوشش فرمائی اس میں دردمند اور حق شناس مبلغ کے لیے رنگا رنگ پھول کھلے ہوئے ہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام 40 برس کی عمر میں مبعوث فرمائے گئے،[1] چونکہ آپ کی قوم بُت پرست تھی تو نبوت کی ذمہ داریاں ملتے ہی آپ نے اپنی قوم کو معبودانِ باطلہ سے منہ موڑنے اور ایک معبودِ حقیقی کی عبادت کی طرف آنے کی دعوت دی اور دعوت قبول نہ کرنے پر عذابِ الٰہی سے ڈرایا۔

چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

1 ...... مستدرک، کتاب تواریخ المتقدمین...الخ، ذکر نوح النبی، 3/412، حدیث: 4059۔

www.dawateislami.net

(1) ﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗؕ اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ(۵۹)﴾ (1)

ترجمہ: بیشک ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا تو اس نے کہا اے میری قوم اللہ کو پوجو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں بے شک مجھے تم پر بڑے دن کے عذاب کا ڈر ہے۔

(2-3) ﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖۤ٘ اِنِّیْ لَكُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌۙ(۲۵) اَنْ لَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّا اللّٰهَؕ اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ اَلِیْمٍ(۲۶)﴾ (2)

ترجمہ: اور بے شک ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا کہ میں تمہارے لیے صریح ڈر سنانے والا ہوں کہ اللہ کے سوا کسی کو نہ پوجو بے شک میں تم پر ایک مصیبت والے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔

توحید کے ساتھ ساتھ تقویٰ کی دعوت:

حضرت نوح علیہ السّلام نے اپنی قوم کو دعوتِ توحید کے ساتھ ساتھ تقویٰ اختیار کرنے اور اللہ کے بھیجے ہوئے رسول کی اطاعت کرنے کا حکم بھی فرمایا، جیسا کہ قرآنِ کریم میں ہے:

(4 تا 6) ﴿اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ نُوْحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَۚ(۱۰۶) اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌۙ(۱۰۷) فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوْنِۚ(۱۰۸)﴾ (3)

ترجمہ: جب کہ ان سے ان کے ہم قوم نوح نے کہا کیا تم ڈرتے نہیں بے شک میں تمہارے لیے اللہ کا بھیجا ہوا امین ہوں تو اللہ سے ڈرو اور میرا حکم مانو۔

(7 تا 9) ﴿اِنَّاۤ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖۤ اَنْ اَنْذِرْ قَوْمَكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ(۱) قَالَ یٰقَوْمِ اِنِّیْ لَكُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌۙ(۲) اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ اتَّقُوْهُ وَ اَطِیْعُوْنِۙ(۳)﴾ (4)

ترجمہ: بے شک ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا کہ ان کو ڈرا اس سے پہلے کہ ان پر دردناک عذاب آئے، اس نے فرمایا اے میری قوم میں تمہارے لیے صریح ڈر سنانے والا ہوں کہ اللہ کی بندگی کرو اور اس سے ڈرو اور میرا حکم مانو۔

﴿2﴾ ردِّ شرک:

قرآنِ حکیم کی روشنی میں معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے شرک کا ارتکاب حضرت نوح علیہ السّلام کی قوم نے کیا تھا، (5) جس پر آپ نے سخت تنقید فرمائی اور انہیں بُت پرستی سے باز رہنے کا حکم فرمایا۔ بجائے اس کے کہ یہ قوم خدا کے سب سے

---

1 پ8، الاعراف:59۔ 2 پ12، ھود:25-26۔ 3 پ19، الشعراء:106 تا 108۔ 4 پ29، نوح:1 تا 3۔

5 تفسیر خازن، پ29، نوح، تحت الآیۃ:23، 4/314۔

پہلے رسول کی بات مانتی انہوں نے ہَٹ دھرمی کی انتہا کر دی اور ان کے بڑوں نے عوام کو بُت پرستی چھوڑنے سے منع کر دیا، بالآخر انہیں سخت عذاب کا مزہ چکھنا پڑا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی بات کو یوں نقل فرمایا:

﴿وَ قَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَ لَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّ لَا سُوَاعًا ۙ۬ وَّ لَا یَغُوْثَ وَ یَعُوْقَ وَ نَسْرًا ۚ۝۲۳﴾ (1)

ترجمہ: اور بولے ہرگز نہ چھوڑنا اپنے خداؤں کو اور ہرگز نہ چھوڑنا وَدّ اور نہ سُوَاع اور یَغوث اور یَعوق اور نَسر کو۔

﴾3﴿ اخوت و مساوات:

انسان کی فلاح و کامیابی اور آخرت میں سُرخ روئی کے لیے نہایت ضروری ہے کہ وہ خود کو دوسرے سے برتر نہ جانے بلکہ باہمی مساوات، اخوت و بھائی چارگی کا ماحول قائم کرے تاکہ کسی بھی قسم کے انتشار و افتراق سے محفوظ رہ سکے، کیونکہ انسانی زندگی میں فساد اور عنادِ حق کا باعث اکثر ”اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ یعنی میں اس سے بہتر ہوں!“ کی شیطانی رَوِش ہوتی ہے اب چاہے یہ رَوِش شخصی لحاظ سے ہو، قومی لحاظ سے ہو یا لسانی لحاظ سے، بہر صورت اس کا نقصان شدید اور خمیازہ نہایت کرب ناک ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرات انبیائے کِرام علیہمُ الصّلوٰۃُ والسّلام نے اپنی اپنی قوموں کو اس رَوِش سے دور رہنے اور فضیلت کا معیار صرف ایمان اور تقویٰ کو بنانے کی تلقین فرمائی۔

حضرت نوح علیہ السّلام کی قوم کے حق سے دور رہنے اور کفر پر اڑے رہنے کی ایک وجہ بھی یہی شیطانی رَوِش بنی کہ وہ کہتے رہے: ”اے نوح! آپ پر ایمان لانے والے تو بڑے خسیس قسم کے لوگ ہیں، ہم ان کے ساتھ ایک مجلس میں کیسے بیٹھ سکتے ہیں؟ پہلے آپ انہیں خود سے دور کریں، بلکہ بات صرف آپ کے پیروکاروں تک ہی محدود نہیں، ہم تو آپ کو بھی خود سے بہتر نہیں سمجھتے!“ اپنی قوم کی اس بد تمیزی اور کفر پر ہَٹ دھرمی کے باوجود حضرت نوح نے انہیں سمجھایا، اپنے خلوص و للّٰہیت کی یقین دہانی کروانے کی سعی فرمائی اور ان کی جہالت پر تنبیہ کی، لیکن جب کوئی اپنی حالت خود ہی بہتر نہ کرنا چاہے تو کوئی اور کتنی ہی کوشش کر لے ان میں تبدیلی نہیں لا سکتا۔ اس سارے معاملے کو اللہ پاک نے قرآنِ حکیم میں بیان فرمایا:

﴿فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَ مَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِیْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِیَ الرَّاْیِ ۚ وَ مَا نَرٰى

1 ...... پ29، نوح:23۔

لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍۭ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِيْنَ ﴿۲۷﴾ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ ؕ
اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَيٰقَوْمِ لَاۤ اَسْــَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا ؕ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ وَمَاۤ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا
رَبِّهِمْ وَلٰكِنِّيْۤ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ﴿۲۹﴾ وَيٰقَوْمِ مَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ طَرَدْتُّهُمْ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۳۰﴾ (1)

ترجمہ: تو اس کی قوم کے سردار جو کافر ہوئے تھے بولے ہم تو تمہیں اپنے ہی جیسا آدمی دیکھتے ہیں اور ہم نہیں دیکھتے کہ تمہاری پیروی کسی نے کی ہو مگر ہمارے کمینوں نے سرسری نظر سے اور ہم تم میں اپنے اوپر کوئی بڑائی نہیں پاتے بلکہ ہم تمہیں جھوٹا خیال کرتے ہیں، بولا اے میری قوم بھلا بتاؤ تو اگر میں اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل پر ہوں اور اس نے مجھے اپنے پاس سے رحمت بخشی تو تم اس سے اندھے رہے کیا ہم اسے تمہارے گلے چپیٹ دیں اور تم بیزار ہو، اور اے قوم میں تم سے کچھ اس پر مال نہیں مانگتا میرا اجر تو اللہ ہی پر ہے اور میں مسلمانوں کو دور کرنے والا نہیں بے شک وہ اپنے رب سے ملنے والے ہیں لیکن میں تم کو نِرے جاہل لوگ پاتا ہوں، اور اے قوم مجھے اللہ سے کون بچالے گا اگر میں انہیں دور کروں گا تو کیا تمہیں دھیان نہیں۔

مبلغ کے لیے راہ نما اصول:

نیکی کی دعوت کے مبلغین کا اولین ہدف دینِ اسلام کی ترویج و اِشاعت اور بانی اسلام کے پیغام کو بنی نوع انسان کے ہر فرد تک پہنچانا ہے، لہٰذا دعوتِ نوح کے مذکورہ نکات کی روشنی میں مبلغ کے لیے اہم اصول بیان کیے جارہے ہیں:

(1) مبلغ کو چاہیے عقیدۂ توحید اپنے مدعوین کے دل و دماغ میں ایسا پختہ کردے کہ وہ اس کی حفاظت کی خاطر کسی بھی حد تک جانے سے دریغ نہ کریں۔

(2) عقیدۂ توحید کے ساتھ ساتھ تقویٰ و پارسائی اختیار کرنے کی دعوت بھی دیتا رہے۔

(3) شرک کے حوالے سے مکمل تربیت کرے اور شرک کے ہر پہلو پر آگاہی فراہم کرے۔

(4) حسب نسب پر فخر کرنے سے گریز کرے اور بلا امتیاز سب کو نیکی کی دعوت کے دائرے میں شامل کرے۔

(5) عذابِ الٰہی سے ڈراتا رہے اور موقع کی مناسبت سے رحمتِ الٰہی کا ذکر کرے اور ابدی نعمتوں کا شوق دلائے۔

1 ...... پ 12، ھود: 27 تا 30۔

www.dawateislami.net

مشقی و عملی سُوالات

1←حضرت نوح علیہ السلام کو آدمِ ثانی کیوں کہا جاتا ہے؟
2←قومِ نوح اور کفارِ مکہ کے بتوں میں کیا مماثلت تھی اور یہ کس طرح کے تھے؟ تلاش کے بعد لکھیے۔
3←شرک کی تعریف اور اقسام بیان کیجیے نیز قوموں کے شرک میں مبتلا ہونے کے اسباب بتائیے۔
4←فساد اور عنادِ حق کا باعث کیا چیز ہے اور حضرت نوح علیہ السلام نے اس کو ختم کرنے کے لیے کیا کوشش کی؟
5←اخوت و مساوات کے معاشرے پر اثرات کا جائزہ لیجیے۔

اہم نوٹ

www.dawateislami.net

دوسری فصل: دعوتِ نوح کا اسلوب

دعوتِ نوح کا اسلوب تین چیزوں پر مشتمل ہے:

﴿1﴾ شفقت بھرا انداز ﴿2﴾ اندازِ دعوت میں وسعت ﴿3﴾ غور و فکر کی ترغیب

﴿1﴾ شفقت بھرا انداز:

نیکی کی دعوت اور تبلیغِ دین میں دلائل کے ساتھ ساتھ مبلغ کا اندازِ دعوت بہت اہمیت کا حامل ہے کیونکہ نیکی کی دعوت کا مقصد سامنے والے کو صرف اپنی بات پر قائل کرلینا ہی نہیں ہوتا بلکہ اسے اپنی طرف مائل کرنا اور دل سے دعوت قبول کرنے کے لیے تیار کرنا ہوتا ہے، یہ چیز اسی وقت حاصل ہو سکتی ہے جب مبلغ کا انداز نرم، مشفقانہ اور ہمدردانہ ہو کہ کہا جاتا ہے: "زبان شیریں ملک گیری، زبان ٹیڑھی ملک بانکا" یعنی نرم زبان سے بہت کام نکل جاتے ہیں، سخت کلامی سب کو دشمن بنا دیتی ہے۔

حضرت نوح علیہ السّلام کی قوم انتہائی اَکھڑ اور ہَٹ دھرم تھی حتّٰی کے آپ کی شخصیت پر الفاظ کے تیر برسانے سے بھی نہیں چوکتی تھی، اس کے باوجود حضرت نوح نے انہیں انتہائی شفقت و محبت، نرم خوئی اور واضح دلائل کے ساتھ دعوت دی، سمجھایا اور اپنا فرضِ منصبی پورا فرمایا، لیکن ان بدبختوں نے آپ کی دعوت قبول نہ کی اور عذابِ الٰہی کا شکار ہوئے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿قَالَ یٰقَوْمِ لَیْسَ بِیْ ضَلٰلَةٌ وَّ لٰكِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۶۱﴾ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَ اَنْصَحُ لَكُمْ وَ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۲﴾ اَوَ عَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِیُنْذِرَكُمْ وَ لِتَتَّقُوْا وَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۶۳﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاَنْجَیْنٰهُ وَ الَّذِیْنَ مَعَهٗ فِی الْفُلْكِ وَ اَغْرَقْنَا الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَاؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِیْنَ ﴿۶۴﴾﴾ [1]

ترجمہ: کہا اے میری قوم مجھ میں گمراہی کچھ نہیں میں تو ربُّ العالمین کا رسول ہوں، تمہیں اپنے رب کی رسالتیں پہنچاتا اور تمہارا بھلا چاہتا اور میں اللہ کی طرف سے وہ علم رکھتا ہوں جو تم نہیں رکھتے۔ اور کیا تمہیں اس کا اچنبھا (تعجب) ہوا کہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک نصیحت آئی تم میں کے ایک مرد کی معرفت کہ وہ تمہیں ڈرائے اور تم ڈرو اور کہیں تم پر رحم ہو، تو انہوں نے اسے جھٹلایا تو ہم نے اسے اور جو اس کے ساتھ کشتی میں تھے نجات دی اور اپنی

1 ...... پ8، الاعراف: 61 تا 64۔

www.dawateislami.net

آیتیں جھٹلانے والوں کو ڈبو دیا بے شک وہ اندھا گروہ تھا۔

﴿2﴾ اندازِ دعوت میں وسعت:

انسان کی طبیعت وُسعت پسند ہے یہ ہر بار ایک ہی چیز کو ملاحظہ کرتے کرتے یا تو تھک جاتا ہے یا اس کا عادی ہو جاتا ہے اور یہ دونوں چیزیں ہی نیکی کی دعوت قبول کرنے میں رکاوٹ ہیں، لہٰذا حکمت و دانائی کا تقاضا ہے کہ مبلغ نیکی کی دعوت میں تنوّع پیدا کرے اور کوشش کر کے ہر وہ جائز طریقہ اختیار کرے جس سے لوگ اس کی طرف متوجہ ہوں۔

حضرت نوح علیہ السّلام کی دعوت میں تنوّع تھا، آپ نے اپنی قوم کو سمجھانے اور حق کی طرف مائل کرنے کے لیے کوئی کسر نہیں چھوڑی؛ رات دن اجتماعی و انفرادی کوشش کر کے انہیں حق کی طرف مائل ہونے کی دعوت دیتے رہے لیکن وہ بدنصیب قوم ہمیشہ راہِ فرار اختیار کرتی۔ چنانچہ آپ کے اس اسلوبِ دعوت کو قرآنِ حکیم میں یوں بیان کیا گیا:

﴿قَالَ رَبِّ اِنِّیْ دَعَوْتُ قَوْمِیْ لَیْلًا وَّ نَهَارًا ۙ۵ فَلَمْ یَزِدْهُمْ دُعَآءِیْۤ اِلَّا فِرَارًا ۶ وَ اِنِّیْ كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوْۤا اَصَابِعَهُمْ فِیْۤ
اٰذَانِهِمْ وَ اسْتَغْشَوْا ثِیَابَهُمْ وَ اَصَرُّوْا وَ اسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا ۚ۷ ثُمَّ اِنِّیْ دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ۙ۸ ثُمَّ اِنِّیْۤ اَعْلَنْتُ لَهُمْ وَ اَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا ۙ۹﴾ (1)

ترجمہ: عرض کی اے میرے رب میں نے اپنی قوم کو رات دن بلایا تو میرے بلانے سے انہیں بھاگنا ہی بڑھا اور میں نے جتنی بار انہیں بلایا کہ تو ان کو بخشے انہوں نے اپنے کانوں میں انگلیاں دے لیں اور اپنے کپڑے اوڑھ لیے اور ہٹ (ضد) کی اور بڑا غرور کیا پھر میں نے انہیں علانیہ بلایا پھر میں نے ان سے بَاعلان بھی کہا اور آہستہ خفیہ بھی کہا۔

﴿3﴾ غور و فکر کی ترغیب:

اللہ پاک نے انسان کو سب سے عظیم نعمت "عقل" عطا فرمائی ہے جس کا درست استعمال انسان کی زندگی میں انقلاب برپا کر سکتا ہے، یہی وجہ ہے کہ قرآنِ حکیم نے جگہ جگہ مختلف الفاظ کے ساتھ غور و فکر کرنے اور عقل سے کام لینے کی ترغیب ارشاد فرمائی بلکہ کفار و معاندین خصوصاً مشرکین کو کائنات میں غور و فکر کا حکم فرمایا تاکہ وہ اس بے مثال کائنات میں خدا کی قدرت و ندرت اور اس کی انوکھی نعمتوں کو ملاحظہ کریں اور ایک اچھی سوچ کے حامل شخص کی طرح ان کے خالق کا اعتراف کر سکیں۔

---

1 ...... پ29، نوح: 5 تا 9۔

www.dawateislami.net

فطرت کے اسی قانون کے تحت حضرت نوح علیہ السّلام نے بھی اپنی قوم کو اس کی دعوت دی کہ وہ غور کریں ان کی پیدائش کیسے ہوئی؟ بغیر ستونوں کے یہ آسمان کیسے قائم ہے کہ گرتا ہی نہیں؟ زمین کیسے ہموار کی گئی کہ اس پر بآسانی سفر کیا جاسکتا ہے؟ یقیناً یہ سب اسی خدا نے کیا ہے جس نے مجھے تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجا تو اب کیا وجہ رہ جاتی ہے انکار کی؟ چنانچہ ارشاد فرمایا:

﴿مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا ۝١٣ وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا ۝١٤ اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ۝١٥ وَّجَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا ۝١٦ وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ۝١٧ ثُمَّ يُعِيْدُكُمْ فِيْهَا وَيُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًا ۝١٨ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًا ۝١٩ لِّتَسْلُكُوْا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا ۝٢٠﴾ (1)

ترجمہ: تمہیں کیا ہوا اللہ سے عزت حاصل کرنے کی امید نہیں کرتے۔ حالانکہ اس نے تمہیں طرح طرح بنایا۔ کیا تم نہیں دیکھتے اللہ نے کیونکر سات آسمان بنائے ایک پر ایک، اور اُن میں چاند کو روشنی کیا اور سورج کو چراغ اور اللہ نے تمہیں سبزے کی طرح زمین سے اگایا پھر تمہیں اسی میں لے جائے گا اور دوبارہ نکالے گا اور اللہ نے تمہارے لیے زمین کو بچھونا بنایا کہ اس کے وسیع راستوں میں چلو۔

مبلغ کے لیے راہ نما اصول:

حضرت نوح علیہ السلام کے اسلوبِ دعوت کی روشنی میں مبلغ کو درج ذیل اصولوں کو اختیار کرنا چاہیے:

(1) نیکی کی دعوت میں متنازع اُسلوب سے بچے اور قائل کرنے سے زیادہ مائل کرنے کو فوقیت دے۔

(2) اپنے لہجے میں خیر خواہی کا عُنصُر غالب رکھے۔

(3) انفرادی و اجتماعی بنیادوں پر نیکی کی دعوت کا اہتمام کرے۔

(4) نیکی کی دعوت کو پیش کرنے کے مختلف طریقے اختیار کرے۔

(5) مدعو کو مائل کرنے کے لیے قدرت کے عجائبات کو زیرِ بحث لائے اور مدعو کو غور و فکر کی دعوت دے۔

---

1 ...... پ29، نوح:13 تا20۔

مشقی و عملی سُوالات

1←حضرت نوح علیہ السلام نے کتنا عرصہ نیکی کی دعوت دی اور کتنے لوگ مشرف بہ ایمان ہوئے؟

2←قرآنِ کریم میں آفاقِ عالم پر غور و فکر کی بھرپور ترغیب موجود ہے، آپ ان میں سے تین مقامات کی نشاندہی کیجیے۔

3←نرم اور مشفقانہ انداز میں نیکی کی دعوت دینے کے کیا فوائد ہیں؟

4←دعوت دین میں تنوّع کے لیے فی زمانہ کون کون سے ذرائع موجود ہیں؟ اَہَم فَالْاَہَم کی بنیاد پر فہرست مع تعارف مرتب کیجیے، نیز یہ بھی غور کیجیے کہ آپ کی دلچسپی کس ذریعہ دعوت میں ہے؟

اہم نوٹ

تیسری فصل: حضرت نوح کی ثابت قدمی

دعوتِ نوح میں ثابت قدمی کا عنوان تین چیزوں پر مشتمل ہے:

﴿1﴾ مسلسل کوشش ﴿2﴾ معاملہ اللہ کے سپرد کر دینا ﴿3﴾ اللہ پر توکل

﴿1﴾ مسلسل کوشش:

مقصد کے حصول کے لیے سب سے بنیادی چیز ثابت قدمی اور مسلسل کوشش کرنا ہے اس کے بغیر منزل ہمیشہ دور ہی نظر آئے گی اور ہَنُوز دِلّی دُور اَست [1] کی مایوسی کبھی ختم نہیں ہوگی! نیکی کی دعوت کا مقصد سب سے عظیم مقصد ہے، اس کے لیے ثابت قدمی کے ساتھ اپنی کوششوں کو جاری رکھنا بے حد ضروری ہے کیونکہ اس مقصد کا حصول دو ایک دن میں ہونا آسان نہیں، یہ وہ مقصد ہے جس کے لیے حضرت نوح علیہ السّلام نے ساڑھے نو سو برس کوشش فرمائی پھر بھی آپ کی قوم نے دعوت قبول نہیں کی بلکہ جس عذاب سے آپ انہیں ڈراتے رہے انہوں نے اسی عذاب کے لانے کا مطالبہ کر دیا! چنانچہ قرآنِ حکیم میں ہے:

﴿قَالُوْا یٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ۝۳۲﴾ [2]

ترجمہ: بولے اے نوح! تم ہم سے جھگڑے اور بہت ہی جھگڑے تو لے آؤ جس کا ہمیں وعدہ دے رہے ہو اگر سچے ہو۔

﴿2﴾ معاملہ اللہ کے حوالے کر دینا:

صاحبِ ایمان شخص کی ایک اعلیٰ صفت یہ ہے کہ وہ مقصد پورا کرنے کے لیے اسباب اختیار کرتا ہے اور معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیتا ہے نیز اپنی خوشی و رضا کو اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے تابع کر دیتا ہے، اب چاہے اسباب کا نتیجہ اس کی خواہش کے مطابق آئے یا خلاف وہ اللہ کی رضا پر راضی رہتا ہے کیونکہ اس کا اصل مقصود اللہ پاک کی رضا ہوتا ہے۔

حضرت نوح علیہ السّلام نے بھی اپنی قوم کو بساط بھر سمجھانے اور ہر طرح کی کوشش کرنے کے بعد ان تمام امور کو اللہ پاک کی رضا کے تابع کر دیا کہ اگر اللہ چاہے گا تو میری نصیحت تم پر اثر انداز ہوگی، اگر وہ تمہاری گمراہی چاہتا ہے تو میرا لاکھ سمجھانا بھی تمہارے حق میں فائدے مند نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ قرآنِ حکیم میں ہے:

﴿وَ لَا یَنْفَعُكُمْ نُصْحِیْۤ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ یُرِیْدُ اَنْ یُّغْوِیَكُمْؕ هُوَ رَبُّكُمْ۫ وَ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝۳۴﴾ [3]

ترجمہ: اور تمہیں میری نصیحت نفع نہ دے گی اگر میں تمہارا بھلا چاہوں جب کہ اللہ تمہاری گمراہی چاہے وہ تمہارا

---

1 ...... اردو محاورہ یعنی ابھی منزل دور ہے یا مقصد کا حاصل ہونا ابھی دسترس میں نہیں۔ اگر مسلسل کوشش نہ کی جائے تو مقصد کا حاصل ہونا مشکل ہو جاتا ہے۔ (مصنف) 2 ...... پ12، ھود:32۔ 3 ...... پ12، ھود:34۔

www.dawateislami.net

رب ہے اور اسی کی طرف پھرو گے۔

﴿3﴾ اللہ پر توکّل:

نیکی کی دعوت ایک ایسا کام ہے جس میں اللہ پر توکّل کیے بغیر کوئی چارہ نہیں! کیونکہ کسی کے بھی دل کو مبلغ کی دعوت کی طرف مائل کرنا اسی کے دستِ قدرت میں ہے، یہی توکّل ایک مبلغ کے لیے حوصلے اور ہمت کا ذریعہ بنتا ہے کیونکہ مبلغ کے مخاطبین طرح طرح کے لوگ ہوسکتے ہیں جن میں موافقین و محبین کے علاوہ معاندین و مخالفین اور دنیاوی جاہ و حشمت کے حامل افراد بھی شامل ہیں، لہٰذا اللہ پر توکل ہی ایک مبلغ کو مرعوب ہوئے بغیر دعوتِ حق پہنچانے میں معاون ہوسکتا ہے، یہی توکّل اس کے دل و دماغ میں یہ یقین پیدا کرتا ہے کہ میں جس کی دعوت کا داعی اور مبلغ ہوں وہ انتہائی قدرت و طاقت والا ہے اس کے مقابلے پر کسی کو کوئی مجال نہیں، وہی میری مشکل کو دور کرنے والا ہے بلکہ میرا حقیقی رزاق اور موت و حیات کا مالک وہی ہے۔

حضرت نوح علیہ السّلام کی قوم نے جب آپ کے خلاف سازش رچانا چاہی تو آپ نے اللہ پر توکّل کا جس خوب صورت انداز میں ذکر فرمایا وہ قرآنِ حکیم میں یوں بیان ہوا:

﴿وَ اتْلُ عَلَیْهِمْ نَبَاَ نُوْحٍۘ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ یٰقَوْمِ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَیْكُمْ مَّقَامِیْ وَ تَذْكِیْرِیْ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ فَاَجْمِعُوْۤا اَمْرَكُمْ وَ شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ لَا یَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَیْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوْۤا اِلَیَّ وَ لَا تُنْظِرُوْنِ(۷۱)﴾ (1)

ترجمہ: اور انہیں نوح کی خبر پڑھ کر سناؤ جب اس نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم اگر تم پر شاق (ناگوار) گزرا ہے میرا کھڑا ہونا اور اللہ کی نشانیاں یاد دلانا تو میں نے اللہ ہی پر بھروسہ کیا تو مل کر کام کرو اور اپنے جھوٹے معبودوں سمیت اپنا کام پکا کرلو پھر تمہارے کام میں تم پر کچھ گنجلک (اُلجھن و پوشیدگی) نہ رہے پھر جو ہوسکے میرا کرلو اور مجھے مہلت نہ دو۔

مبلغ کے لیے راہ نما اصول:

نیکی کی دعوت میں سب سے اہم کردار ثابت قدمی کا ہوتا ہے، دعوتِ نوح کے اس عنوان کے تحت مبلغ کے لیے راہ نمائی کے اہم اصول درج ذیل ہیں:

(1) مبلغ کو چاہیے نیکی کی دعوت پر ثابت قدم رہے، شیطان کی لاکھ کوششوں کے باوجود ہرگز دل برداشتہ نہ ہو۔

(2) حوصلہ شکنی کرنے والوں کی طرف توجہ نہ دے اور اپنی نظر رحمتِ الٰہی پر رکھے۔

(3) اپنی کوششوں پر بھروسے اور اعتماد سے زیادہ توکّل کا دامن تھامے رہے۔

(1) پ11، یونس: 71۔

www.dawateislami.net

مشقی و عملی سُوالات

1←توکّل علی اللہ کا مبلغ کی زندگی پر کیا اثر پڑتا ہے؟

2← تفویضِ امر الی اللہ اور توکّل علی اللہ کے درمیان فرق واضح کیجیے۔

3←"مبلغ کے لیے جُہدِ مسلسل کس قدر ضروری ہے؟" تین تین طلبا کے گروپ اس موضوع پر استاذ صاحب کے سامنے مکالمہ کریں۔

اہم نوٹ

www.dawateislami.net

چوتھا باب

آخری پیغمبر کی دعوتِ دین / نیکی کی دعوت

حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم اس کائناتِ رنگا رنگ میں ہادیِ خلق اور سب کے رسول بن کر تشریف لائے، آپ نے اپنی اعلیٰ صفات، عمدہ اخلاق اور بہترین تدبیر کے ساتھ رسالت کی تمام ذمہ داریاں اس خوش اسلوبی سے پوری فرمائیں کہ 23 برس کے قلیل عرصے میں اپنے مشن کو نقطۂ آغاز سے کامیابی کے عروج تک پہنچا دیا، بلکہ بعد والوں کی ایسی تربیت فرمائی کہ انہوں نے آپ کے پیغام کو خود تک محدود رکھنے کے بجائے اسے نہایت محتاط طریقے سے ایمان داری اور بلند ہمتی کے ساتھ آگے منتقل کیا، یہی وجہ ہے کہ آپ کی دعوت و تبلیغ کا فیض ڈیڑھ ہزار برس گزرنے کے بعد بھی جاری ہے اور تا قیامت جاری رہے گا۔ ایک مبلغ کے لیے ضروری ہے کہ وہ نیکی کی دعوت کے لیے داعیِ اعظم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے مبارک ”منہج“ کو پیشِ نظر رکھے، اس پر مختلف جہات سے غور و فکر کرتا رہے اور اس کی روشنی میں اپنے دعوتی اہداف متعین کرے اِن شاءَ اللہ کامیابی اس کے قدم چومے گی۔

داعیِ اعظم کا منہجِ دعوت:

داعیِ اعظم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم آخری نبی ہیں جن کو تمام مخلوق کی طرف مبعوث کیا گیا ہے، آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا بلکہ قیامت تک آپ ہی کی شریعت قائم رہے گی، لہٰذا اس عظیم بعثت کی اہم ذمہ داریوں کا تقاضا تھا کہ ایسا دعوتی منہج اختیار کیا جائے جس کی بنیاد مضبوط و مستحکم ہونے کے ساتھ ساتھ اس قدر شاندار ہو کہ رہتی دنیا تک آنے والوں کے لیے مشعل راہ بن جائے۔ آیئے! اس عظیم دعوتی منہج کو قرآنِ کریم، احادیثِ طیبہ اور سیرتِ مبارکہ کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ بنیادی طور پر دعوتِ محمدیہ کے منہج کو دو مباحث کے تحت بیان کیا جا رہا ہے ملاحظہ کیجیے:

پہلا مبحث: تدریج

تدریج کا معنٰی ہے: ”کسی چیز کا مرحلہ وار آگے بڑھنا“ یہ قدرت کا ایک ایسا متفقہ اصول ہے جو عالمِ تخلیق میں بھی جاری ہے اور عالمِ تشریع میں بھی، بلکہ دنیا کی ہر چیز اسی اصول کے تابع ہے۔[1] تجربہ شاہد ہے کہ ”جو چیز اصول تدریج

1 یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ ”تدریج“ از خود شریعت کا کوئی اصول نہیں ہے، بلکہ رب تعالیٰ کی حکمتِ بالغہ سے واقع ہونے والا ایک امر ہے جو عالمِ تکوین میں پہلو بپہلو موجود ہے، لیکن عالمِ تشریع میں اس امر کی جلوہ گری ہر جگہ نہیں ہے بلکہ شرعی احکام میں باعتبار نزول اصولِ تدریج موجود ہے کہ یہ نزول میں اہم فالاہم کی بنیاد پر جاری رہا، لیکن اجرائے احکام و ادائیگی کے لحاظ سے اس کا معاملہ مختلف ہے کہ بعض احکام میں تدریج پائی جاتی ہے، مثلاً شراب کی حرمت تدریجاً نازل ہوئی۔ بعض میں تدریج نہیں پائی جاتی کہ دفعتاً حکم نازل ہوا اور بغیر کسی تبدیلی کے جاری رہے گا، مثلاً چوری کی سزا وغیرہ۔ اور بعض اوقات تدریج بالعکس بھی جاری ہوئی! یعنی عام طور پر اصول تدریج کا مقصد آسان حکم سے مشقت تک لے جانا ہوتا ہے لیکن تدریج بالعکس میں مشقت سے آسانی کی طرف لایا گیا، مثلاً روزہ کی ادائیگی۔ (مصنف)

کے تحت ارتقا پائے اور بتدریج مراحل کو عبور کرے وہ اس کے مقابلے میں زیادہ پائے دار اور مضبوط ہوتی ہے جو تدریج کے بغیر پروان چڑھی ہو! "حضور صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے منہجِ دعوت کا سب سے نمایاں اور اہم ترین پہلو یہی "تدریج" ہے۔ ذیل میں تدریج کے تحت دعوتِ محمدیہ دو فصلوں پر مشتمل ہے:

پہلی فصل: دعوتِ دین میں تدریج

اللہ احکم الحاکمین کی طرف سے جب دعوتِ دین کا حکم ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے اصولِ تدریج کو اختیار فرمایا کیونکہ آپ کو جس خطۂ زمین پر بھیجا گیا تھا وہ کفر و شرک کا گڑھ اور بُت پرست قوموں کا مرکز بن چکی تھی حتّٰی کہ سرزمینِ ہندوستان میں بسنے والے مشرک بھی مکہ کو اپنی عبادتوں کا مرکز سمجھتے اور وہاں عبادت کے لیے جانے کو اپنی خوش قسمتی گردانتے تھے![1] معاملہ صرف کفر و شرک تک ہی محدود نہیں تھا بلکہ وہ قوم عصبیت پرستی، اخلاقی پستی اور قبائلی جنگوں کا بھی شکار تھی اس پر طرّہ یہ کہ قبائلی سردار مکہ پر اپنی حاکمیت جمائے بیٹھے تھے جو ان کو اپنی جانوں سے بھی زیادہ عزیز تھی۔

ایسے حالات میں جب ربِ جلیل کی طرف سے حکمِ تبلیغ ہوا تو داعیِ اعظم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے اپنی خداداد فہم و فراست اور کمالِ عقل و دانش سے اپنے تبلیغی و دعوتی مشن کا آغاز فرمایا۔ چونکہ آپ کے دعوتی تسلسل میں دو بڑی چیزیں رکاوٹ بن سکتی تھیں: "بُت پرستوں کا اپنے خود ساختہ معبودوں کی خاطر لڑنے مرنے کے لیے تیار ہو جانا۔" اور "سرداروں کا اپنی کرسی بچانے کے لیے کسی بھی حد تک جانے کے لیے تیار رہنا!" اس طرح کے اور کئی حقائق آپ کے پیشِ نظر تھے، لہٰذا آپ نے حسنِ تدبیر اور اصولِ تدریج کے ساتھ اپنی ذمہ داری کو نبھانے اور ربِ حکیم کے حکم کی بجا آوری کے لیے جو کوششیں فرمائیں ان کے دعوتی پہلوؤں کو یہاں مختلف ادوار کے تحت بیان کیا جا رہا ہے۔

دعوتِ دین کا پہلا دور:

مدبرِ اعظم حبیبِ مکرم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے ابتداءً تین سال تک قابل بھروسا افراد کو خفیہ طور پر نیکی کی دعوت پیش فرمائی جس کا سلسلہ آپ کے کاشانۂ اقدس سے اَرْقَم بن ابو اَرْقَم کے گھر[2] منتقل ہو گیا۔[3] اس حکمتِ عملی کا

---

1. تاریخ فرشتہ، 4/655۔
2. اسلام کا سب سے پہلا مرکز بننے والا یہی بقعہ نور تاریخ میں "دارِ اَرْقَم" کے نام سے مشہور ہے۔
3. السیرۃ الحلبیۃ، باب استخفائہ واصحابہ فی دار ارقم...الخ، 1/402۔

www.dawateislami.net

فائدہ یہ ہوا کہ آپ کی دعوت پر 40 مرد و عورت دامنِ اسلام سے وابستہ ہو گئے "گویا تین سال میں دعوتِ حق کے 40 مبلغ تیار ہو گئے"۔[1] دعوت کے اس سنہری دور کو "مرحلۂ ارقمیہ" بھی کہا جا سکتا ہے۔ اس دور کی ابتدا درج ذیل آیات کے نزول کے بعد ہوئی:

﴿یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۙ قُمْ فَاَنْذِرْ ۙ﴾[2] ترجمہ: اے بالاپوش اوڑھنے والے، کھڑے ہو جاؤ پھر ڈر سناؤ۔

دعوتِ دین کا دوسرا دور:

پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے علانیہ دعوت کا حکم ہوا، اس کی بجاآوری کے لیے داعیِ اعظم منبعِ حِکم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے پہلے اپنے قرابت داروں اور پھر دیگر افرادِ مکہ کو نیکی کی دعوت پیش کرنے کا سلسلہ شروع فرمایا، اس سے کئی خوش نصیبوں نے بُت پرستی سے منہ موڑ کر پیغامِ حق قبول کر لیا اور آپ کے دامنِ کرم میں پناہ لی، لیکن ایک بڑی تعداد اب بھی آشیانۂ رحمت کے ٹھنڈے سائے سے محروم رہی۔ اپنی قوم کی اس ہٹ دھرمی اور حق عدولی سے آپ کے دل کو تکلیف ہوئی تو کریم رب نے آپ کی دلی تسکین فرمائی؛ اس دور کو درج ذیل آیات کے تناظر میں دیکھا جا سکتا ہے:

(1) ﴿وَ اَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ ۙ﴿۲۱۴﴾ وَ اخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ۚ﴿۲۱۵﴾ فَاِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ۚ﴿۲۱۶﴾ وَ تَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِیْزِ الرَّحِیْمِ ۙ﴿۲۱۷﴾﴾[3]

ترجمہ: اور اے محبوب اپنے قریب تر رشتہ داروں کو ڈراؤ، اور اپنی رحمت کا بازو بچھاؤ اپنے پیرو (تابع) مسلمانوں کے لیے، تو اگر وہ تمہارا حکم نہ مانیں تو فرمادو میں تمہارے کاموں سے بے علاقہ (لاتعلق) ہوں، اور اس پر بھروسہ کرو جو عزت والا مہر والا ہے۔

(2) ﴿فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۹۴﴾﴾[4]

ترجمہ: تو علانیہ کہہ دو جس بات کا تمہیں حکم ہے اور مشرکوں سے منہ پھیر لو۔

دعوتِ دین کا تیسرا دور:

جس طرح سورج کے چمکتے وقت اس کی کرنوں کو روکنا آسان نہیں ایسے ہی پیغامِ حق کی نورانی کرنوں کو محدود کرنا

---

1 ...... السیرۃ الحلبیۃ، باب الہجرۃ الاولی الی الحبشۃ... الخ، 1/472۔

2 ...... پ29، المدثر:1-2۔ 3 ...... پ19، الشعراء:214تا217۔ 4 ...... پ14، الحجر:94۔

بھی ممکن نہیں، کچھ ایسا ہی معاملہ اس وقت پیش آیا جب کفارِ مکہ نے بنو ہاشم کا سوشل بائیکاٹ کر دیا اور یہ حضرات شِعبِ ابی طالب میں تین سال تک محصور کر دیئے گئے، [1] لیکن خدا کی شان کہ اب حضور کی غیر موجودگی میں دعوت رسانی کا سلسلہ انسانی تجسس کی بنیاد پر غیر لفظی اِبلاغ کے ذریعے جاری رہا! جو لوگ حج یا تجارت وغیرہ کے لیے مکہ پہنچتے ان کو اس بائیکاٹ کی خبر مل جاتی اور وہ انسانی فطرت "تجسس" کے زیرِ اثر اس دعوت اور صاحبِ دعوت کے بارے میں معلومات کرتے تو ان کو دینِ اسلام کے بنیادی عقائد، انقلابی تعلیمات، داعیِ اعظم کی دل نواز سیرت، آپ کے ساتھ کیے گئے کفارِ مکہ کے نازیبا سلوک کا علم ہو جاتا، اور آلام و مصائب کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں حامیانِ دین کی ثابت قدمی کی داستانیں انہیں متاثر ہوئے بغیر نہ رہنے دیتیں۔ لہٰذا بعض لوگ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم تک پہنچ جاتے پھر جن کے مقدر میں شمعِ ایمان کی روشنی ہوتی وہ اس سے فیضیاب ہو جاتا اور جو لوگ اس سے محروم رہتے وہ بھی اپنے اپنے علاقوں اور شہروں میں جا کر اس دعوت کا تذکرہ ضرور کرتے۔ یوں قادرِ مطلق نے اپنے محبوب کی دعوت کو عام فرما دیا۔ [2]

دعوتِ دین کا چوتھا دور:

داعیِ فلاح و نجات صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم 10 سال مکہ والوں کو دعوتِ حق پیش فرماتے رہے لیکن انہوں نے بجائے اسے قبول کرنے کے ظلم و ستم کا بازار گرم کیے رکھا اور جب حضور کے چچا ابو طالب کی وفات ہو گئی تو ان ذلیلوں نے کمینگی کی حد کر دی! اِیذا رسانی کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے اور جب بھی کوئی شخص حضور کی دعوت سنتا، شور مچانا شروع کر دیتے، گویا "کرنی نہ کرتوت پھوہڑ لڑنے کو مضبوط" [3] ان کی یہ ہَٹ دھرمی نیکی کی دعوت کی راہ میں مشکلات کھڑی کر رہی تھی، لیکن جس بلند ہمت و مدبر شخصیت کے ہاتھ میں اس مبارک دعوت کا پرچم تھا اسے اپنی صداقت، اسلام کی حقانیت اور پروردگارِ عالَم کی قوت و قدرت پر پختہ یقین تھا؛ جب آپ نے یہ محسوس فرمایا کہ ان حالات میں یہاں اسلام کے شجرۂ طیبہ کا بار آور ہونا مشکل ہے تو اپنی دعوتی سرگرمیوں کو مکہ سے باہر منتقل کرنے کا ارادہ کر لیا اور عرب کے مشہور شہر طائف تشریف لے گئے۔ [4]

1 ...... سبل الھدیٰ والرشاد، الباب الخامس عشر، 10/59۔
2 ...... السیرۃ النبویۃ لابن ہشام، قصۃ اسلام الطفیل بن عمرو الدوسی، ص151 مفہوماً۔
3 ...... اردو محاورہ یعنی وہ شخص جو کام کچھ نہ کرے مفت کی شیخیاں بگھارے یا بدمزاجی کا اظہار کرے/کسی کے کام میں رکاوٹ ڈالنے والا۔ (مصنف)
4 ...... مواہب اللدنیۃ، المقصد الاول، ہجرتہ، 1/135 ملخصاً۔

www.dawateislami.net

طائف کے باشندوں نے جب یہ دعوت سنی تو بجائے اپنی قسمت پر رشک کرنے کے اس سراپا رحمت، داعیِ باہمت کے لیے نازیبا الفاظ کہے اور اوباش لڑکوں کو مذاق اُڑانے، پتھر برسانے اور اذیتوں سے دوچار کردینے کی تحریک دی جس کے نتیجہ میں آپ کی مبارک نعلین خون آلود ہو گئیں! بالآخر آپ یہاں کچھ دن ٹھہرنے کے بعد واپسی کے لیے روانہ ہوگئے۔[1] ہادیِ انس و جان صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے حق میں طائف کا یہ سفر مستقبل میں ایک بڑی فتح کا پیش خیمہ ثابت ہوا وہ یوں کہ واپسی پر آپ نے مقامِ نخلہ پر کچھ عرصہ قیام فرمایا، ایک روز صبح کے وقت آپ قرآنِ پاک کی تلاوت فرما رہے تھے، جنات نے اس ہادیِ خلق کی دل پذیر آواز میں یہ مسحور کن کلام سنا تو سنتے ہی چلے گئے، پھر آپ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر مشرف بَا اسلام ہوئے اور اپنی قوم کی طرف اس دعوتِ حق کے داعی و مبلغ بن کر پلٹے۔[2]

اس سارے معاملے کو درج ذیل آیات میں بیان کیا گیا:

(1 تا 4)﴿وَ اِذْ صَرَفْنَاۤ اِلَیْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ یَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَۚ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْۤا اَنْصِتُوْاۚ فَلَمَّا قُضِیَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِیْنَ(۲۹) قَالُوْا یٰقَوْمَنَاۤ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ یَهْدِیْۤ اِلَى الْحَقِّ وَ اِلٰى طَرِیْقٍ مُّسْتَقِیْمٍ(۳۰) یٰقَوْمَنَاۤ اَجِیْبُوْا دَاعِیَ اللّٰهِ وَ اٰمِنُوْا بِهٖ یَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَ یُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ(۳۱) وَ مَنْ لَّا یُجِبْ دَاعِیَ اللّٰهِ فَلَیْسَ بِمُعْجِزٍ فِی الْاَرْضِ وَ لَیْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِیَآءُؕ اُولٰٓىٕكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ(۳۲)﴾[3]

ترجمہ: اور جب کہ ہم نے تمہاری طرف کتنے جن پھیرے کان لگا کر قرآن سنتے پھر جب وہاں حاضر ہوئے آپس میں بولے خاموش رہو پھر جب پڑھنا ہوچکا اپنی قوم کی طرف ڈر سناتے پلٹے، بولے اے ہماری قوم ہم نے ایک کتاب سُنی کہ موسیٰ کے بعد اُتاری گئی اگلی کتابوں کی تصدیق فرماتی حق اور سیدھی راہ دکھاتی، اے ہماری قوم اللہ کے منادی کی بات مانو اور اس پر ایمان لاؤ کہ وہ تمہارے کچھ گناہ بخش دے اور تمہیں دردناک عذاب سے بچالے، اور جو اللہ کے منادی کی بات نہ مانے وہ زمین میں قابو سے نکل کر جانے والا نہیں اور اللہ کے سامنے اس کا کوئی مددگار نہیں وہ کھلی گمراہی میں ہیں۔

(2)﴿فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَ لَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْؕ كَاَنَّهُمْ یَوْمَ یَرَوْنَ مَا یُوْعَدُوْنَۙ لَمْ یَلْبَثُوْۤا اِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍؕ بَلٰغٌۚ فَهَلْ یُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ۠(۳۵)﴾[4]

1 ...... مواہب اللدنیۃ، المقصد الاول، ہجرتہ، 1/136 ملخصاً۔ 2 ...... شرح الزرقانی علی المواہب، ذکر الجن، 2/62 ملخصاً۔

3 ...... پ26، الاحقاف: 29 تا 32۔ سبل الھدیٰ والرشاد، الباب الثانی والثلاثون، 2/443 ملخصاً۔ 4 ...... پ26، الاحقاف: 35۔

www.dawateislami.net

ترجمہ: تو تم صبر کرو جیسا ہمت والے رسولوں نے صبر کیا۔ اور اُن کے لیے جلدی نہ کرو۔ گویا وہ جس دن دیکھیں گے جو انہیں وعدہ دیا جاتا ہے دنیا میں نہ ٹھہرے تھے مگر دن کی ایک گھڑی بھر یہ پہنچانا ہے تو کون ہلاک کیے جائیں گے مگر بے حکم لوگ۔

دعوتِ دین کا پانچواں دور:

داعیِ حق صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے اپنا تبلیغی دورہ مکمل فرما کر حرمِ خلیل میں مبارک قدم رکھے تو حج کے مہینے شروع ہو چکے تھے، آپ نے اس بار بھی دور دراز سے حج کے لیے آنے والوں کو دعوتِ حق دینے کا ارادہ فرمایا اور صاحبانِ عظمت مآب جناب ابو بکر صدیق اور مولیٰ علی رضی اللہ عنہما کو ہمراہ لے کر مختلف قبائل کی قیام گاہ کی جانب تشریف لے گئے، انہیں قرآن سناتے نیکی کی دعوت پیش فرماتے، لیکن انہوں نے اپنے بختِ خفتہ کے باعث اسلام کی دعوت پر لبیک نہیں کہا! پھر آپ نے حج کے مہینوں میں لگنے والے بازاروں اور میلوں میں جا کر اسلام کی دعوت پیش فرمائی، لیکن یہاں بھی گوہرِ مراد ہاتھ نہ آیا۔[1] البتہ مختلف علاقوں سے آنے والوں کے ذریعے یہ پیغامِ حق برائے دعوت نہ سہی لیکن حیرت و تجسس کی بدولت ان علاقوں تک پہنچ ہی گیا۔ کتبِ سِیَر و تواریخ میں غور و فکر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس تجسس کے تحت ہونے والی تشہیر کا اسلام کو مستقبل میں فائدہ ہی ہوا۔

دعوتِ دین کا چھٹا دور:

دس سال کی تدریجی جدو جُہد کے بعد گمراہی کی ظلم آشام رات کا اختتام قریب ہے، بادِ نسیم غنچۂ دل کو شاداب کرنا چاہتی ہے، فتح کا سورج چمکنے کی تیاری کر چکا ہے، سحر کی ان ٹھنڈی ہواؤں کی ابتدا نبوت کے گیارہویں سال منیٰ میں عقبہ کے مقام سے ہوتی ہے کہ جب بشیر و نذیر آقا صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم حج کے لیے آنے والوں کو دعوتِ اسلام پیش فرمانے کی غرض سے منیٰ میں تشریف لے جاتے ہیں؛ اس مقام پر مدینۂ منورہ کے رہنے والے خوش بختوں کا چھ نفوسِ قدسیہ پر مشتمل قافلہ خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر حلقہ بگوشِ اسلام ہو جاتا ہے۔[2]

مدینۂ منورہ کی ان مُقَدَّس ہستیوں نے اپنے خاندان والوں اور رشتہ داروں کو بھی دعوتِ اسلام دی جس کا ثمرہ یہ

1 ...... سیرۃ النبویۃ لابن کثیر، 2/163 ملخصاً۔ شرح زرقانی علی المواہب، ذکر عرض رسول اللہ... الخ، 2/73۔

2 ...... مواہب اللدنیۃ، المقصد الاول، ہجرتہ، 1/141 ملخصاً۔

ظاہر ہوا کہ اگلے سال حج کے موقع پر مدینۂ منورہ کے 12 افراد مِنٰی کے اسی مقام پر مشرف بَاسلام ہوئے اور حضور کی بیعت فرمائی۔[1] واپسی پر ان مخلصین نے اسلام کی روشن تعلیمات سے مکمل آگاہی کے لیے ایک معلم ساتھ بھیجنے کی درخواست کی تو حضور نے اپنے تربیت یافتہ صحابی حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو ان کے ہمراہ روانہ فرمایا اور انہیں مدینۂ منورہ کا سب سے پہلا معلم و مبلغ ہونے کا شرف حاصل ہوا۔[2]

حضرت مصعب بن عمیر نے مدینۂ منورہ میں اسلامی تعلیمات اور تبلیغِ دین کا آغاز فرمایا، پوری تن دہی کے ساتھ قبائلِ مدینہ میں اسلام کا پیغام پہنچاتے رہے، آپ کی کوششوں سے قبیلے کے سرداران نے اسلام قبول کیا ان کو دیکھ کر قبیلے کے افراد دامنِ امن میں داخل ہوئے اور ایک سال بعد نبوت کے تیرہویں برس بیعتِ عقبۂ اولیٰ کے اسی مقام پر 72 اشخاص نے حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کے دستِ اقدس پر اسلام قبول کیا اور بیعت کی۔[3]

مدینۂ منورہ کی فضا مسلمانوں کے حق میں ساز گار ہو گئی اور مسلمانوں کی تعداد میں کافی اضافہ ہو گیا تو حضور صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے مکی مسلمانوں کو ہجرت کی عام اجازت عطا فرمائی[4] اور کچھ عرصہ بعد ماہِ نبوت شمعِ رسالت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے مدینۂ منورہ کو عاشقوں کے لیے بیتُ المعمور بنا دیا۔[5]

اُن کے قدم پہ میں نثار جن کے قدومِ ناز نے
اُجڑے ہوئے دیار کو رشکِ چمن بنا دیا

مبلغ کے لیے راہ نمائی:

مبلغ کی دعوت میں تدریج کا عنصر جگمگا تا رہے تو اس کی دعوت انقلابی اور صدیوں باقی رہنے والی ہوتی ہے، لہٰذا تدریج کے تحت بیان کیے گئے نبی مکرم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے دعوتی ادوار کی روشنی میں چند باتیں پیشِ خدمت ہیں:

1. مواہب اللدنیۃ، المقصد الاول، ہجرتہ، 1/141 ملخصاً۔
2. مواہب اللدنیۃ، المقصد الاول، ہجرتہ، 1/142 ملخصاً۔
3. شرح الزرقانی علی المواہب، ذکر عرض رسول اللہ... الخ، 2/85 ملتقطاً۔
4. السیرۃ النبویۃ لابن ہشام، نزول الامر لرسول اللہ فی القتال، ص 186۔
5. بذل القوۃ، القسم الاول، الفصل الثالث عشر، ص 299 ملخصاً۔

www.dawateislami.net

(1) مبلغ کو چاہیے اپنی دعوت و تبلیغ کو مختلف مراحل میں ڈھال کر اہداف کا تعین کرے۔

(2) ہدف مقرر کرتے وقت اپنی قوت برداشت اور مدعوین کے انکار کی صورتوں کا تجزیہ ضرور کرلے۔

(3) ہدف کے حصول کے لیے جلد بازی ہرگز نہ کرے بلکہ صورتِ حال کو دیکھتے ہوئے اپنے ہدف میں لچک رکھے۔

(4) نیکی کی دعوت پیش کرنے کے لیے دل جیت لینے والا انداز اختیار کرے۔

(5) مبلغ نیکی کی دعوت میں جمود نہ آنے دے بلکہ مقامِ دعوت اور اسلوبِ دعوت وغیرہ میں سے کوئی چیز ہدف کے حصول میں رکاوٹ بن رہی ہو تو اس کا جائزہ لے اور ضرورتاً اس میں تبدیلی لے آئے۔

(6) مدعوین کی نفسیات کو پرکھے نیز کتبِ سیرت اور کتبِ نفسیات کا اس نظر سے مطالعہ کرتا رہے۔

(7) نیکی کی دعوت قبول کرنے والوں کی تربیت پر توجہ دے اور انہیں اپنی دعوت کا مبلغ بنانے کی کوشش کرے۔

(8) مدعوین سے محبت بھرا برتاؤ رکھے، ان کے مشورے یا جائز مطالبات حتَّی الامکان پورے کرنے کی کوشش کرے۔

(9) مایوسی کو قریب بھی نہ آنے دے، توکل اور دعا کو ہمیشہ تھامے رہے کہ یہ کسی بھی مبلغ کا مضبوط ہتھیار ہے۔

(10) مبلغ کا برف سے زیادہ ٹھنڈا، شہد سے زیادہ میٹھا اور سمندر سے زیادہ وسیع ظرف ہونا ضروری ہے، لہٰذا ہر مشکل و پریشانی پر صبر صبر اور صبر کرے، غصہ ہو کر شیطان کے ہاتھ کا کھلونا ہرگز نہ بنے!

❀❀❀❀❀

دین سمجھنے کا بنیادی اُصول

آیات و احادیث کا مرادی معنیٰ وہی ہے جو پہلے کے بزرگانِ دین نے سمجھا کہ وہ حضرات دین کے زیادہ زبان دان اور قرائن و مواقعِ استعمال سے واقف ہونے کی بنا پر شریعت کی مراد بہتر جاننے والے ہیں؛ اگرچہ ہمیں ظاہری معنیٰ اس کے خلاف ہی محسوس ہوتا ہو اور یہ چیز قرآن و حدیث کو سمجھنے اور مراد کی تعیین کے بارے میں بہت بڑا اور جامع ضابطہ ہے۔ (اشعۃ اللمعات، کتاب الایمان، 1/ 40)

مشق و عملی سُوالات

1←تدریج کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟

2←بعثتِ نبوی کے وقت مکہ کی کیا صورتِ حال تھی اور اس کے لیے کیا حکمتِ عملی اختیار کی گئی؟

3←بنو ہاشم کے سوشل بائیکاٹ پر تفصیلی بحث کیجیے۔

4←حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی دعوتِ مدینہ کے لیے حکمتِ عملی واضح کیجیے۔

5←جنّات کے حلقہ بگوشِ اسلام ہونے کا واقعہ کتبِ سیرت سے پڑھ کر کلاس میں بیان کیجیے اور بتائیے کہ ایسے واقعات کتنی دفعہ ہوئے؟

6←انسانی تجسس کے دعوتِ محمدیہ پر کیا اثرات مرتب ہوئے؟ اور ایک مبلغ کے لیے انسانی تجسس کس قدر مفید یا نقصان دہ ہو سکتا ہے؟ جائزہ لیجیے۔

اہم نوٹ

www.dawateislami.net

دوسری فصل: احکامِ شرع میں تدریج

جس طرح شارعِ محترم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے سلسلۂ دعوتِ دین میں اصولِ تدریج کی جلوہ گری نظر آتی ہے اسی طرح یہ اصول بعض احکامِ شرع کے نزول واِجرا میں بھی جگمگاتا دکھائی دیتا ہے؛ اسلام کی دعوت پر لبیک کہنے والوں کو یک بارگی تمام احکامِ شرع کا مکلف نہیں کیا گیا بلکہ ان کی نفسیات، فطری تقاضوں، معاشرتی صورتِ حال اور مقاصدِ شرع کی بنیاد پر احکام نازل ہوتے رہے اور دین ان تمام مراحل سے گزر کر مکمل ہوا۔

یہاں یہ بات قابلِ غور ہے کہ تدریج کس طرح کے اعمال میں جاری ہوئی؟ تو غور و فکر کرنے اور نزولِ احکام کی مدت وزمانے کا جائزہ لینے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ تدریج محض ایسے احکام کے نزول میں کارفرما رہی جو عبادات کے قبیل سے تھے تاکہ لوگوں کو آہستہ آہستہ ان کا عادی بنایا جائے مثلاً نماز، روزہ وغیرہ یا اس وقت کے لوگ ان اعمال کے اتنے عادی ہوچکے تھے کہ ان کے لیے ایک دم اپنی عادت کو ترک کردینا خاصا مشکل معاملہ تھا مثلاً شراب کی عادت، لہٰذا آہستہ آہستہ ان کی وہ بری عادات ترک کروائی گئیں۔ ان کے علاوہ ضروریاتِ دین جو از قبیلِ عقائد ہیں ان میں تدریج واقع نہیں ہوئی بلکہ ابتدائی دعوت ہی ان بنیادی عقائد و نظریات کو قبول کرنے کے لیے تھی مثلاً اللہ تعالیٰ کو وحدہٗ لاشریک اور مستحقِ عبادت تسلیم کرنا، مرنے کے بعد اٹھنے پر ایمان لانا اور نبی کی نبوت پر ایمان لانا وغیرہ۔ اسی طرح وہ امور جن کا تعلق حقوقُ العباد سے ہے ان کے لیے بیک وقت حکم نازل ہوا کہ یہ کام کرنا ہے اور یہ کام نہیں کرنا مثلاً صلۂ رحمی کا حکم بیک وقت نازل ہوا، نیز زنا، چوری، ڈکیتی اور اولاد کے قتل وغیرہ سے یک بارگی منع کردیا گیا وغیرہ۔

شرعی احکام میں اِجرائے تدریج کو کماحقہ سمجھنے کے لیے ذیل میں چند احکام کے تدریجی مراحل بیان کیے جارہے ہیں، انہیں نہایت توجہ سے سمجھنے کی کوشش کیجیے:

نماز کے تدریجی احکام:

نماز کی فرضیت دو مرحلوں پر مشتمل ہے:

پہلا مرحلہ: جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کو دعوتِ دین کا حکم فرمایا اسی کے ساتھ قیامِ لیل کا حکم بھی دیا۔[1] قرآن پاک میں ہے:

1 ...... تفسیر خازن، پ15، الاسراء، تحت الآیۃ:78، 3/185۔

﴿یٰۤاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُۙ(۱) قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًاۙ(۲)﴾ [1] ترجمہ: اے جھرمٹ مارنے والے رات میں قیام فرما سوا کچھ رات کے۔

دوسرا مرحلہ: معراج کی رات دوسرا مرحلہ ہے اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو پانچ نمازوں کا تحفہ عطا فرمایا۔[2] قرآن پاک میں ہے:

﴿اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّیْلِ وَ قُرْاٰنَ الْفَجْرِؕ-اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا(۷۸)﴾ [3]

ترجمہ: نماز قائم رکھو سورج ڈھلنے سے رات کی اندھیری تک اور صبح کا قرآن بے شک صبح کے قرآن میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔

ابتدا میں اگرچہ نماز کے ارکان یہی تھے جو موجودہ صورت میں ہیں لیکن دورانِ نماز کلام کرنے کی ممانعت نہیں تھی، یہ ممانعت ہجرت کے بعد ہوئی، گویا جس طرح نماز کی فرضیت مرحلہ وار ہوئی اسی طرح اس کی ادائیگی بھی تدریجی مراحل سے گزر کر موجودہ صورت میں سامنے آئی، جیسا کہ درج ذیل آیت اور حدیث شریف سے سمجھا جاسکتا ہے:

﴿وَ قُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِیْنَ(۲۳۸)﴾ [4] ترجمہ: اور کھڑے ہو اللہ کے حضور ادب سے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم نبیِ کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کو حالتِ نماز میں سلام کرلیا کرتے تھے اور آپ ہمیں جواب بھی دیتے تھے۔ لیکن جب ہم نجاشی کے پاس سے لوٹے تو ہم نے آپ کو (حالتِ نماز میں) سلام کیا تو آپ نے ہمیں جواب نہیں دیا۔ پھر ہم نے عرض کی: یَارسولَ اللہ! ہم آپ کو نماز میں سلام کرتے تھے اور آپ اس کا جواب بھی دیتے تھے (اس بار جواب نہ دینے میں کیا حکمت ہے؟) فرمایا نماز میں مشغولیت ہے۔[5]

روزہ کے تدریجی احکام:

آیتِ صیام کی ترتیب اور اس پر مفسرین کی آراء کو ملحوظ رکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے روزہ کی فرضیت، اس کی ادائیگی کا وقت اور دورانیہ بھی تدریج پذیر رہا۔ مجموعی طور پر فرض روزوں کی موجودہ صورت تین مراحل سے گزر کر بنی ہے:

پہلا مرحلہ: جب مختارِ کُل سَیِّدُ الرُّسُل صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم جب مدینۂ منورہ تشریف لائے تو ہر ماہ تین دن اور دس محرم الحرام کے دن کا روزہ رکھتے تھے۔

---

1 پ29، المزمل: 1-2۔ 2 بخاری، کتاب مناقب الانصار، باب المعراج، 2/586، حدیث: 3887۔ 3 پ15، الاسراء: 78۔
4 پ2، البقرۃ: 238۔ 5 بخاری، کتاب مناقب الانصار، باب ہجرۃ الحبشۃ، 2/581، حدیث: 3875۔

www.dawateislami.net

دوسرا مرحلہ: یہ روزے مسلمانوں پر فرض کر دیئے گئے لیکن انہیں روزہ رکھنے یا اس کا فدیہ ادا کرنے کا اختیار دیا گیا، جو چاہے روزہ رکھے جو چاہے ان کا فدیہ ادا کر دے، البتہ روزہ رکھنا افضل تھا۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الصِّیَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۳﴾ اَیَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِیْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَیَّامٍ اُخَرَؕ وَ عَلَى الَّذِیْنَ یُطِیْقُوْنَهٗ فِدْیَةٌ طَعَامُ مِسْكِیْنٍؕ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَیْرًا فَهُوَ خَیْرٌ لَّهٗؕ وَ اَنْ تَصُوْمُوْا خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۴﴾﴾ (1)

ترجمہ: اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے جیسے اگلوں پر فرض ہوئے تھے کہ کہیں تمہیں پرہیز گاری ملے گنتی کے دن ہیں تو تم میں جو کوئی بیمار یا سفر میں ہو تو اتنے روزے اور دنوں میں اور جنہیں اس کی طاقت نہ ہو وہ بدلہ دیں ایک مسکین کا کھانا پھر جو اپنی طرف سے نیکی زیادہ کرے تو وہ اس کے لیے بہتر ہے اور روزہ رکھنا تمہارے لیے زیادہ بھلا ہے اگر تم جانو۔

تیسرا مرحلہ: اس مرحلے میں رمضان شریف کے روزے فرض کر دیئے گئے اور فدیہ کا اختیار صرف شیخِ فانی[2] تک محدود کر دیا گیا، البتہ مریض اور مسافر کو صحت اور اقامت کے دنوں میں روزہ رکھنے کی رخصت دی گئی۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْۤ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ بَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَ الْفُرْقَانِۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْیَصُمْهُؕ وَ مَنْ كَانَ مَرِیْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَیَّامٍ اُخَرَؕ یُرِیْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْیُسْرَ وَ لَا یُرِیْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ٘ وَ لِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۸۵﴾﴾ (3)

ترجمہ: رمضان کا مہینہ جس میں قرآن اترا لوگوں کے لیے ہدایت اور رہنمائی اور فیصلہ کی روشن باتیں تو تم میں جو کوئی یہ مہینہ پائے ضرور اس کے روزے رکھے اور جو بیمار یا سفر میں ہو تو اتنے روزے اور دنوں میں، اللہ تم پر آسانی چاہتا ہے اور تم پر دشواری نہیں چاہتا، اور اس لیے کہ تم گنتی پوری کرو اور اللہ کی بڑائی بولو اس پر کہ اس نے تمہیں ہدایت کی

1. پ2، البقرۃ: 183-184۔
2. وہ بوڑھا جس کی عمر ایسی ہو گئی کہ اب روز بروز کمزور ہی ہوتا جائے گا۔
3. مسند احمد، مسند الانصار، 8/264، حدیث: 22185۔ پ2، البقرۃ: 185۔

www.dawateislami.net

اور کہیں تم حق گزار ہو۔

ان تین مراحل سے ہو کر روزہ کی فرضیت موجودہ صورتِ حال اختیار کر گئی، البتہ اس کی ادائیگی کا دورانیہ ابتداءً بہت طویل تھا یعنی افطار کے بعد سونے سے پہلے پہلے تک جو کھانا ہوتا کھا لیا جاتا، ایک بار آنکھ لگنے کے بعد دوبارہ روزہ شروع ہو جاتا تھا، پھر بعد میں اس حکم میں تخفیف کر دی گئی۔[1]

شراب کی تدریجی حرمت:

طبیعت کسی چیز کی عادی ہو جائے تو اسے ترک کرنے میں فطرتاً مشکل پیش آتی ہے اور اگر وہ لت کسی نشہ آور چیز کی ہو تو اس کا چھوڑنا آسان نہیں ہوتا، اس کے لیے خود پر مکمل کنٹرول ہونے کے ساتھ ساتھ دل و دماغ پر اس نشہ کی طلب کو حاوی ہونے سے روکنا بھی ضروری ہوتا ہے، بعض اوقات جسمانی اذیت و تکلیف بھی برداشت کرنا پڑتی ہے۔ اس پر مزید یہ کہ وہ چیز قوم کا ذریعۂ معاش بن چکی ہو اور معاشرے کے ہر فرد کا اس کی تجارت میں کسی نہ کسی طرح حصہ شامل ہو تو ایسی چیز کو چھوڑنے کے لیے ایمان کی مضبوطی بھی انتہائی اہم کردار ادا کرتی ہے۔ انسان کی اسی نازک طبیعت، ذہنی اذیت اور معاشی وابستگی کی بنا پر حکیمِ مطلق جل و علا نے شراب کی حرمت کا حکم دلوں میں ایمان کی پختگی کے بعد اتارا اور بتدریج تین مراحل میں اسے حرام فرمایا، تاکہ عقل کو ضائع کر دینے والی اس بری چیز سے مسلمانوں کا دامن ہمیشہ کے لیے بآسانی پاک ہو سکے۔[2]

پہلا مرحلہ: ابتداءً اللہ تعالیٰ نے شراب کے فوائد و نقصانات کا تجزیہ پیش فرمایا اور بتایا کہ شراب کی تجارت کے ذریعے جو نفع حاصل ہو رہا ہے یا طبیعت میں ایک سرور کی سی کیفیت پیدا ہو رہی ہے اس ظاہری نفع سے زیادہ اس کے پوشیدہ نقصانات ہیں جس میں سب سے زیادہ خطرناک یہ ہے کہ بندے کی عقل جیسی عظیم نعمت ہی زائل ہو جاتی ہے اور وہ اچھے برے کی تمیز کھو بیٹھتا ہے۔ اس تنبیہ کے بعد بعض حضرات نے شراب سے ہاتھ روک لیے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ یَسْــٴَـلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَ الْمَیْسِرِؕ-قُلْ فِیْهِمَاۤ اِثْمٌ كَبِیْرٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ٘-وَ اِثْمُهُمَاۤ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَاؕ ﴾[3]

ترجمہ: تم سے شراب اور جوئے کا حکم پوچھتے ہیں تم فرمادو کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے کچھ دنیوی نفع بھی اور ان کا گناہ ان کے نفع سے بڑا ہے۔

---

1 بخاری، کتاب الصوم، باب قول اللہ جل ذکرہ احل لکم...الخ، 1/631، حدیث: 1915۔

2 تفسیر کبیر، پ2، البقرۃ، تحت الآیۃ: 219، 2/395 مفہوماً۔ 3 پ2، البقرۃ: 219۔

www.dawateislami.net

دوسرا مرحلہ: جو حضرات اب تک شراب نوشی میں مصروف تھے، ان میں سے ایک نے نماز کے دوران سورۂ کافرون کی تلاوت کی اور لَاۤ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ کو اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ کر کے پڑھا تو حکیم رب نے نشے کی حالت میں نماز کے قریب جانے سے منع فرمادیا اور لوگ نماز کے اوقات میں شراب سے باز رہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ﴾[1]

ترجمہ: اے ایمان والو نشہ کی حالت میں نماز کے پاس نہ جاؤ جب تک اتنا ہوش نہ ہو کہ جو کہو اسے سمجھو۔

تیسرا مرحلہ: نشے کی حالت میں نماز پڑھنے سے رکنے کا حکم آیا تو بعض حضرات کہ جنہوں نے اب تک شراب نہیں چھوڑی تھی وہ بھی اس سے باز آگئے کہ وہ چیز جو ہمیں نماز سے دور کرنے کا سبب بن رہی ہے اب ہم اس کے قریب نہیں جائیں گے، البتہ بعض لوگ وہ تھے جنہوں نے نماز کے اوقات میں شراب نوشی چھوڑ دی تھی؛ وہ عشا اور فجر کی نماز کے بعد شراب پیتے تھے کہ اگلی نماز تک وقفہ طویل ہونے کی وجہ سے خُمار اتر جائے۔ لیکن اس دوران شراب نوشی کی وجہ سے ہی ایک واقعہ رونما ہوا جس میں ایک صحابیِ رسول شدید زخمی ہوگئے اور اللہ تعالیٰ نے اس آیتِ مبارکہ میں شراب کی حرمت نازل فرمادی:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَیْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۹۰﴾ اِنَّمَا یُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّوْقِعَ بَیْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَ الْبَغْضَآءَ فِی الْخَمْرِ وَ الْمَیْسِرِ وَ یَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ عَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ﴿۹۱﴾﴾[2]

ترجمہ: اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بُت اور پانسے ناپاک ہی ہیں شیطانی کام تو ان سے بچتے رہنا کہ تم فلاح پاؤ۔ شیطان یہی چاہتا ہے کہ تم میں بیر اور دشمنی ڈلوادے شراب اور جوئے میں اور تمہیں اللہ کی یاد اور نماز سے روکے، تو کیا تم باز آئے۔[3]

مبلغ کے لیے راہ نما اصول:

تدریج اگرچہ احکامِ شرع کا اصلُ الاصول نہیں ہے، لیکن بہت سے مقامات پر اس کا پایا جانا اس کی اہمیت و افادیت کا واضح ثبوت ہے، لہٰذا تدریج کے تحت بیان کیے گئے مذکورہ کلام کی روشنی میں مبلغ کے لیے راہ نمائی کی چند باتیں بیان کی

---

1 ...... پ5، النساء: 43۔ 2 ...... پ7، المائدۃ: 90-91۔

3 ...... تفسیر بغوی، پ2، البقرۃ، تحت الآیۃ: 219، 1/ 140- تفسیر کبیر، پ2، البقرۃ، تحت الآیۃ: 219، 2/ 395- تفسیر خازن، پ2، البقرۃ، تحت الآیۃ: 219، 1/ 156۔

www.dawateislami.net

جارہی ہیں ملاحظہ کیجیے:

(1) مبلغ کو چاہیے مدعو کی مذہبی و ذہنی کیفیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے ترجیحی بنیادوں پر دعوت پیش کرے۔

(2) مدعو سے ابتدا میں ہی سو فیصد قبولیت کی امید نہ لگائے بلکہ اس کو وقت دے اور اپنی کوشش جاری رکھے۔

(3) تمام تر دعوتی معاملات میں اپنی ذاتی ضد و فہم کو ترجیح دینے کے بجائے شرعی تقاضوں کو سامنے رکھے۔

(4) اگر مدعو کسی خلافِ شرع کام کا مرتکب ہو تو حکمتِ عملی کا دامن تھامے اس کی بری عادت کا اندازہ کرکے مُداہَنَت[(1)] و عُجلت سے بچتے ہوئے موقع دیکھ کر اصلاح کی کوشش کرے۔ یاد رکھیے! کسی کی بری عادات چھڑوانا آسان نہیں بعض مبلغ اس موقع کی حکمتِ عملی سے لاعلم اور جذباتی ہونے کی وجہ سے بجائے اصلاح کرنے کے فساد کا باعث بن جاتے ہیں!

(5) مبلغ کا واسطہ اکثر نسلی مسلمان سے پڑتا ہے لیکن بعض اوقات ایسے مسلمان کی تربیت کا موقع بھی مل جاتا ہے جس نے ابھی ابھی اسلام قبول کیا ہو؛ ان نئے مسلمانوں کی تربیت ایک حساس معاملہ ہے جو پیاز کے ان پرتوں کی مانند ہے جو تہہ در تہہ ہوتے ہیں کہ نیچے والا پرت اوپر والے کو کھولے بغیر نہیں کھل سکتا اگر اس کی کوشش بھی کی گئی تو اس کا حسن متأثر ہو جائے گا۔ لہٰذا نئے مسلمانوں کی تربیت سے پہلے خود تربیت حاصل کرے اس کے بعد ان کی تربیت کا بیڑا اٹھائے۔

❁❁❁❁❁

کارخانۂ الٰہی کے مختارِ کل

احکامِ شریعت رسولُ اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سپرد ہیں؛ جس بات میں جو چاہیں، اپنی طرف سے حکم فرمائیں وہی شریعت ہے؛ جس پر جو چاہیں حرام فرمادیں اور جس کے لیے جو چاہیں حلال کردیں اور جو فرض چاہیں معاف فرمادیں وہی شریعت ہے، حقیقت یہ ہے کہ وہ کارخانۂ الٰہی پر مکمل اختیار رکھنے والے ہیں اور دنیا کے بادشاہ ان کے محتاج ہیں۔ (فتاویٰ رضویہ، 29/348 بتصرف)

1 ...... تصوف کی اصطلاح یعنی ناجائز اور گناہ والے کام دیکھ کر روکنے پر قادر ہونے کے باوجود نہ روکنا اور دینی معاملے کی مدد و نصرت میں کمزوری و کم ہمتی کا مظاہرہ کرنا مداہنت کہلاتا ہے یا کسی بھی دنیوی مفاد کی خاطر دینی معاملے میں نرمی یا خاموشی اختیار کرنا مداہنت ہے۔

(الحدیقۃ الندیۃ، الخلق التاسع والاربعون...الخ، 2/154۔ تفسیر صاوی، پ ۱۲، ہود، تحت الآیۃ: 113، 3/936۔)

www.dawateislami.net

مشق و عملی سُوالات

1← شرعی احکام میں تدریج کے حوالے سے آپ نے کیا سیکھا؟

2← نماز اور روزے کی فرضیت و ادائیگی میں تدریجی مراحل کو اپنے الفاظ میں بیان کیجیے۔

3← شرعی احکام سے دور مسلمان کی تربیت کے لیے آپ کی کیا حکمتِ عملی ہو گی؟ استاذِ محترم سے اظہارِ خیال کیجیے۔

4← شراب کی حرمت کے تناظر میں بتائیے گناہوں میں مبتلا مسلمانوں کی تربیت کے لیے کیا حکمتِ عملی ہونی چاہیے؟

5← حقوق العباد کے حوالے سے اسلامی نقطۂ نظر کا جائزہ لیجیے۔

اہم نوٹ

www.dawateislami.net

دوسرا مبحث: تعلیم و تربیت

تخلیقِ انس و جان کا بنیادی مقصد خداوندِ قدوس کی معرفت ہے،[1] مبلغ کی ذمہ داری ہے وہ مدعو کو اس مقصد کی تکمیل میں معاون امور اور رکاوٹ بننے والے کاموں سے حکمت و تدبر کے ساتھ آگاہی فراہم کرے۔ گویا مبلغ کا اصل مقصد یہ ہے کہ "مخلوق کو حق کا راستہ دکھا کر اس پہ چلنے کا طریقہ سکھائے، ان کی مکمل تربیت کرے اور انہیں زیورِ علم سے آراستہ کرے تاکہ اس کی دعوت کا نور دیر تک باقی رہ سکے۔" یہی وجہ ہے کہ معلمِ کائنات نبی اُمّی صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے گمراہیت کے اندھیروں میں بھٹکنے والوں کو نورِ ہدایت سے چمکایا، انہیں قربِ خداوندی کی عظیم نعمت سے سرفراز فرمانے کے لیے راہِ علم و معرفت کا مسافر بنایا اور اخلاقی پستیوں میں گرے ہوؤں کی روحانی، قلبی، عقلی اور اخلاقی تربیت فرمائی، ان کے درجۂ احساس، قوتِ فکر اور بصارت و بصیرت کو پختگی عطا فرما کر انہیں ایسا مینارۂ نور بنا دیا کہ انسانیت ہر دور میں اپنی فکری و علمی صلاحیت کو پروان چڑھانے، حکومتی دبدبے کو بحال کرنے اور اخلاق کی چوٹیاں سر کرنے کے لیے اسی نور کی محتاج نظر آتی ہے۔

نبی اُمّی، مکی مدنی صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے فیضانِ نبوت کو عام فرمانے کے لیے تعلیم و تربیت اور فروغِ علمِ دین کا جو منہج عطا فرمایا وہ نہایت عمدہ ہے! ذیل میں اس بے نظیر منہجِ تعلیم کو اجمالاً دو فصلوں کے تحت بیان کیا جا رہا ہے۔

پہلی فصل: غیر مستقل تعلیم و تربیت

معلمِ انسانیت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے دور دراز علاقوں میں بسنے والے افراد کو چشمۂ نبوت سے سیراب کرنے اور ان کی تعلیم و تربیت کرنے کا یہ انداز اختیار فرمایا کہ مختلف قبائل کے لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے، چند دن دولت خانے پر قیام فرماتے اور بارگاہِ رسالت سے فیض یاب ہو کر اپنے اپنے علاقوں اور قبیلوں کی طرف معلم ہو کر لوٹتے۔[2] جیسا کہ درج ذیل احادیثِ مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ

(1) حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ہم چند لڑکے نبی پاک صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی بارگاہ میں حاضر

1. تفسیر خازن، پ27، الذٰریٰت: 56، 4/185۔
2. نظامِ تعلیم کی اس صنف سے وابستگی اختیار کرنے والے افراد کو "بیعتِ اعرابی" کرنے والا کہا جاتا ہے۔

(مشکل الآثار، باب بیان مشکل ماروی عن رسول اللہ فی بیعۃ المہاجر وفی بیعۃ الاعرابی، 2/204، تحت الحدیث: 1872)

www.dawateislami.net

ہوئے اور 20 دن تک وہیں ٹھہرے، آپ بڑے شفیق اور مہربان تھے، جب آپ نے محسوس فرمایا کہ ہمیں گھر والے یاد آرہے ہیں تو ہم سے ان کے بارے میں پوچھا جو ہم نے عرض کر دیا۔ پھر آپ نے ارشاد فرمایا: اپنے گھروں کو لوٹ جاؤ اور وہاں جاکر نماز ادا کرتے رہنا، دیگر لوگوں کو بھی سکھانا اور اس کی تلقین کرنا۔ نماز ایسے پڑھنا جیسے مجھے پڑھتے ہوئے دیکھا ہے؛ جب نماز کا وقت آجائے تو تم میں سے کوئی شخص اذان کہے اور جو بڑا ہو وہ نماز پڑھائے۔[1]

(2) عبدُ القیس کا وفد نبی پاک صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے پاس آیا تو آپ نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے عرض کیا "ہم قبیلۂ ربیعہ سے ہیں" تو حضور نے انہیں خوش آمدید کہا اور فرمایا: یہ لوگ رسوائی اور شرمندگی کے بغیر آئے" پھر ان لوگوں نے حضور کی خدمت میں عرض کی: "یَا رسولَ اللہ! ہماری رہائش ایک ایسے علاقے میں ہے جس کے راستے میں کفارِ مضر کا محلہ آتا ہے، ہم ان کی وجہ سے حرمت والے مہینوں کے علاوہ آپ کی خدمت میں حاضر نہیں ہو سکتے، لہٰذا ہمیں ایسے اہم امور کے بارے میں بتادیجیے جو ہم اپنے علاقے والوں کو بھی بتائیں اور ان پر عمل کرکے جنت میں داخل ہو سکیں۔" انہوں نے ساتھ ساتھ پینے کے برتنوں کے بارے میں بھی پوچھا۔ "کریم آقا صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے انہیں چار باتوں کا حکم دیا: "(1) اللہ وحدہ لاشریک پر ایمان لائیں، (2) نماز ادا کرتے رہیں، (3) زکوٰۃ دیتے رہیں، (4) رمضان کے روزے رکھیں۔ یہ بھی فرمایا کہ غنیمتوں میں سے خمس ادا کریں" اور پوچھا کیا تمہیں معلوم ہے ایمان کیا ہے؟ انہوں نے عرض کی اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں، ارشاد فرمایا: "اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں۔" اور چار چیزوں سے منع فرمایا: (1) حَنْتَم (2) دُبّاء (3) نَقِیر (4) مُزَفَّت، کبھی مُقَیَّر فرمایا۔[2] اس کے بعد فرمایا: یہ سب یاد کرلو اور اپنے علاقے والوں کو بھی بتاؤ۔[3]

---

1 ...... بخاری، کتاب الاذان، باب الاذان للمسافر...الخ، 1/ 228، حدیث: 631۔

2 ...... حَنْتَم: شراب رکھنے کے لیے استعمال ہونے والا لال یا سبز رنگ کا مٹی کا گھڑا۔ دُبّاء: ایک کدو نامی سبزی کا خول جس کا گودا نکال لیا جاتا تھا اور کھوکلا کرکے جگ کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ نَقِیر: درخت کی جڑ جس کو کھوکلا کرکے اس میں شراب رکھی جاتی تھی۔ مُزَفَّت: شراب پینے کا ایسا پیالہ جس پر تارکول لگا ہوا ہوتا ہے۔ اس دور میں یہ برتن شراب پینے کے لیے استعمال ہوتے تھے، چونکہ اس وقت شراب نئی نئی حرام ہوئی تھی، اگر یہ برتن استعمال ہوتے رہتے تو ممکن تھا کہ انہیں چھوٹی ہوئی شراب پھر یاد آجاتی، اس لئے ان برتنوں کا استعمال بھی حرام کر دیا گیا، پھر کچھ عرصہ بعد یہ حرمت منسوخ ہو گئی۔ (مرقاۃ، کتاب الایمان، الفصل الاول، 1/ 172-173، تحت الحدیث: 17۔)

3 ...... بخاری، کتاب الایمان، باب اداء الخمس من الایمان، 1/ 33، حدیث: 53۔

www.dawateislami.net

مشقی و عملی سُوالات

1←حضور صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی تعلیم و تربیت سے صحابۂ کرام علیہمُ الرّضوان کو کیا مقام و مرتبہ ملا؟ چند لفظوں میں بتائیے۔

2←بیعتِ اعرابی کا پسِ منظر احادیث کی روشنی میں بیان کیجیے۔

3←بارگاہِ رسالت میں آنے والے مسلمان وُفود کی فہرست مرتب کیجیے اور مدینہ میں ان کی نقل و حرکت تلاش کیجیے۔

4←شراب کے برتنوں کی وقتی ممانعت اور پھر اس کے منسوخ ہو جانے پر آپ نے کیا غور کیا؟

اہم نوٹ

www.dawateislami.net

دوسری فصل: مستقل تعلیم و تربیت

مستقل تعلیم و تربیت کا نظام بہت وسیع تھا جس میں اصحابِ صفہ، دیگر علاقوں سے ہجرت کر کے جوارِ حبیب کو اپنا مسکن بنانے والے [1] اور مدینۂ منورہ کے خوش نصیب باشند گان؛ مرد و عورت سب شامل تھے۔ چنانچہ

مَردوں کی تعلیم وتربیت کا نظام:

معلمِ انسانیت صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم نے مَردوں کی تعلیم و تربیت کے لیے اپنے دور کے تقاضوں کے تحت ایک عمدہ نظام قائم فرمایا؛ اصحابِ صُفَّہ اور حوالیِ مدینہ کے رہائشی اسی نظام کے تحت تعلیم و تربیت حاصل کرتے تھے، جس میں تعلیمِ قرآن اور مسائل و احکام کے ساتھ ساتھ باقاعدہ لکھنا پڑھنا بھی سکھایا جاتا تھا اور نظام کو چلانے کے لیے رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم کے ساتھ ساتھ دیگر معلمین مقرر تھے۔ اس ضمن میں درج ذیل احادیث وسِیَر کے حوالہ جات ملاحظہ کیجیے:

(1) ایک دن حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ آئے تو دیکھا کہ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم اصحابِ صُفَّہ کو کھڑے قرآن پڑھا رہے ہیں، آپ نے بھوک کی وجہ سے پیٹ پر پتھر باندھا ہوا تھا تاکہ کمر سیدھی ہو جائے۔ [2]

(2) رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم جب تعلیم و نصیحت سے فارغ ہو کر تشریف لے جاتے تو حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ حلقہ میں بیٹھ کر تعلیم کے سلسلہ کو اسی طرح جاری رکھتے پھر جب رسولُ اللہ دوبارہ تشریف لاتے تو لوگ خاموش ہو جاتے، آپ تشریف فرما ہونے کے بعد فرماتے کہ اسی عمل میں مشغول رہیں اور اس کو جاری رکھیں۔ ایک روایت ہے کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بھی تعلیمی حلقہ سنبھالتے تھے۔ [3]

(3) حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کا بیان ہے: میں نے اصحابِ صُفَّہ میں سے چند لوگوں کو قرآن مجید کی تعلیم دی اور لکھنا سکھایا، ان میں سے ایک شخص نے مجھے ہدیہ میں کمان پیش کی۔ [4]

---

1 ...... محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم ہجرتِ مدینہ کے بعد دور دراز رہنے والے قبائلی مسلمانوں کو یہ دعوت دیتے تھے کہ مدینۂ منورہ کو اپنا مسکن بنالیں تاکہ کفار کی شر انگیزیوں سے محفوظ رہ سکیں اور بارگاہِ رسالت میں رہ کر تعلیم و تربیت حاصل کر سکیں، ان میں سے جو اپنے قبائلی علاقے سے ہجرت کر کے جوارِ حبیب کو اپنا مسکن بنانے کے لیے تیار ہو جاتا آپ اس سے بیعتِ ہجرت لیا کرتے تھے۔ لیکن فتحِ مکہ کے بعد مسلمانوں کے لیے عرب کی فضا مکمل طور پر سازگار ہوگئی تو بیعتِ ہجرت کا یہ سلسلہ ختم ہو گیا، اب مختلف وفود آتے اور تعلیم و تربیت حاصل کر کے واپس چلے جاتے تھے۔ (مصنف)

2 ...... حلیۃ الاولیاء، ذکر اہل الصفۃ، 1/ 419، رقم: 1208۔ 3 ...... قوت القلوب، الفصل الحادی والثلاثون، ذکر وصف العلم... الخ، 1/ 259۔

4 ...... ابو داود، کتاب الاجارۃ، باب فی کسب المعلم، 3/ 362، حدیث: 3416۔

(4) حضرت عبد اللہ بن سعید رضی اللہ عنہ خوش خط تھے اور زمانۂ جاہلیت میں بھی کاتب کی حیثیت سے مشہور تھے، اصحابِ صفہ کو لکھنا سکھاتے تھے۔[1]

خواتین کی تعلیم و تربیت کا نظام:

معلمِ انسانیت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے مَردوں کی تعلیم کے ساتھ ساتھ عورتوں کی تعلیم و تربیت کو بھی لازمی قرار دیا اور اس کے لیے باقاعدہ ایک نظام قائم فرمایا؛ خواتینِ اسلام مسجدِ نبوی شریف میں صفۃ النساء کے مقام پر پیارے آقا کے وعظ و نصیحت میں حاضر ہوتیں، اس کے علاوہ آپ نے خواتین کی تربیت کے لیے ہفتے کا ایک دن مخصوص فرمایا، نیز ازواجِ مطہرات جو آپ سے تعلیم حاصل کرتیں وہ دیگر خواتین کو سکھاتی تھیں۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے:

عورتوں نے بارگاہِ رسالت میں عرض کی: حضور مردوں نے آپ سے (علم و حکمت کے حصول میں) ہم سے زیادہ حصہ لیا ہے، آپ ہماری (تعلیم و تربیت کے لیے) کوئی دن مخصوص فرمادیجیے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے ان سے ایک دن کا وعدہ کرلیا جس میں آپ ان سے ملے اور انہیں نصیحت فرمائی اور انہیں مناسب احکام دیئے۔[2]

مبلغ کے لیے راہ نما اصول:

نیکی کی دعوت کے دُور رَس نتائج حاصل کرنے کا ایک بہترین ذریعہ تعلیم و تربیت ہے، یہی وجہ ہے کہ دینِ اسلام میں اس پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے، لہٰذا تعلیم و تربیت کے تحت بیان کیے گئے مذکورہ کلام کی روشنی میں مبلغ کے لیے راہ نمائی کی چند باتیں بیان کی جارہی ہیں ملاحظہ کیجیے:

(1) مبلغ کو چاہیے مدعو کو حصولِ علمِ دین پر ابھارے اور موقع کی مناسبت سے اس کے فضائل بیان کرتا رہے۔

(2) مدعو کے حسبِ حال اور اس کی دینی ضرورت کے مطابق تربیت کرے۔

(3) دور دراز علاقوں کے رہائشی مسلمانوں کی تربیت کے لیے وقتاً فوقتاً اجتماعات وغیرہ کا اہتمام کرے۔

(4) قرآن و سُنَّت کی تعلیم کو ترجیح دے اور اس کے لیے حسبِ استطاعت تعلیم و تربیت کا ہمہ گیر نظام قائم کرے۔

(5) اپنے نظامِ تعلیم میں معاشی و معاشرتی تقاضوں کو لازمی پیشِ نظر رکھے۔

(6) خواتین کی تربیت کا حکیمانہ نظام ترتیب دے، ممکن ہو تو ایسی خاتون سے نکاح کرے جس کے ذریعے خواتین کی تعلیم و تربیت کا سلسلہ ہو سکے۔

---

1 ...... اسد الغابۃ، عبد اللہ بن سعید، 3/266، رقم: 2978۔ 2 ...... بخاری، کتاب العلم، باب ہل یجعل للنساء... الخ، 1/54، حدیث: 101۔

www.dawateislami.net

مشقی و عملی سوالات

1←اصحابِ صُفَّہ کی فہرست مرتب کیجیے اور معلم صحابۂ کرام کے اسماء تلاش کیجیے۔

2←زمانۂ نبوی میں خواتین کی تعلیم کا کیا انداز تھا؟

3←مدنی دور میں بیعتِ ہجرت کیوں لی جاتی تھی اور پھر منسوخ کیوں کر دی گئی؟

4←اپنے دور کے تعلیمی تقاضوں کا جائزہ لیجیے اور بتایئے آپ اس میں کس حد تک اپنا کردار ادا کر سکتے ہیں؟

اہم نوٹ

پانچواں باب

صحابۂ کِرام کا مَنہجِ دعوت

داعیِ اعظم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے جس گلستان کو اپنے خون سے سینچا تھا حجۃ الوداع کے موقع پر وہ گلشن ہرا بھرا لہلہارہا تھا؛ آج اس باغ میں صدیقِ اکبر کی صداقت کا پھول بھی تھا، فاروقِ اعظم کی عدالت کے گلاب سے فضا معطر ہورہی تھی، عثمانِ غنی کی سخاوت کے رنگ ہر طرف بکھرے ہوئے تھے، شیرِ خدا کی شجاعت نے سب کو اپنے حصار میں لے رکھا تھا! علیہم الرّضوان۔ اس پُر بہار موقع پر نبیِ آخر الزمان صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے جامع خطبہ ارشاد فرمایا جو تاریخ میں حجۃ الوداع کے نام سے مشہور ہے؛ اس خطبہ کو اسلامی تعلیمات کا نچوڑ کہا جاسکتا ہے۔ اس جامع ترین خطبہ میں خاتم الانبیاء والرُّسل نے تمام حاضرین سے پوچھا: کیا میں نے اللہ تعالیٰ کا پیغام تم تک پہنچادیا؟ حاضرین کے اقرار پر آپ نے اللہ پاک کو گواہ بنایا اور نیکی کی دعوت اور تبلیغِ دین کی ذمہ داری اپنی امت کو سونپتے ہوئے ارشاد فرمایا: لِيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الغَائِبَ، فَإِنَّ الشَّاهِدَ عَسَى أَنْ يُبَلِّغَ مَنْ هُوَ أَوْعَى لَهُ مِنْهُ[1] یعنی جو لوگ موجود ہیں ان کی ذمہ داری ہے کہ وہ غائب تک پہنچا دیں، عین ممکن ہے کہ وہ پیغامِ حق کی زیادہ حفاظت کرنے والا ہو۔

صحابۂ کِرام علیہمُ الرّضوان کی زندگی پر اس خطبہ کا بہت گہرا اثر ہوا، چونکہ اس خطبہ کے اولین مخاطب یہی حضرات تھے لہٰذا اپنی جان سے زیادہ عزیز محبوب صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے حکم پر انہوں نے نیکی کی دعوت اور حمایتِ اسلام کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا، اگرچہ حضور کی حیاتِ طیبہ میں ہی صحابۂ کِرام آپ کے قدم بقدم خدمتِ دین میں مشغول تھے، لیکن وصالِ ظاہری کے بعد یہ ذمہ داری براہِ راست ان کے کندھوں پر آگئی اور انہوں نے حضور کی عطا کردہ اس ذمہ داری کو ہر چیز پر فوقیت دی حتّٰی کہ اپنی جان کی بازی لگاکر اشاعتِ اسلام اور حمایتِ دین میں حصہ لیا۔ نیکی کی دعوت کے لیے صحابۂ کِرام کا جذبہ کیسا تھا درج ذیل حدیث شریف سے اندازہ کیجیے:

وَقَالَ اَبُوْ ذَر لَوْ وَضَعْتُمُ الصَّمْصَامَةَ عَلٰى هٰذِهٖ وَاَشَارَ اِلٰى قَفَاهُ ثُمَّ ظَنَنْتُ اَنِّیْ اُنْفِذُ كَلِمَةً سَمِعْتُهَا مِنَ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَبْلَ اَنْ تُجِيْزُوْا عَلَیَّ لَاَنْفَذْتُهَا۔[2]

یعنی: حضرت ابوذر غفاری فرماتے ہیں: اگر تم میری گردن پر تلوار رکھ دو اور مجھے یقین ہو کہ رسول اللہ سے سنا ہوا ایک کلمہ بھی ادا کرلوں گا تو تلوار کے اپنا کام دکھانے سے پہلے میں اسے ادا کردوں گا۔

1 ...... بخاری، کتاب العلم، باب قول النبی: رب مبلغ اوعی من سامع، 1/ 41، حدیث: 67۔
2 ...... بخاری، کتاب العلم، باب العلم قبل القول والعمل، 1/ 42۔

صحابۂ کِرام علیہمُ الرِّضوان کے نیکی کی دعوت کے منہج کو دو مباحث کے تحت مختصراً بیان کیا جارہا ہے ملاحظہ کیجیے:

پہلا مبحث: اشاعتِ قرآن

قرآنِ کریم تعلیماتِ اسلامیہ کا سرچشمہ ہونے کے ساتھ ساتھ حقانیتِ اسلام کی قیامت تک باقی رہنے والی مضبوط دلیل اور نبیِ آخرُ الزمان کے معجزات میں سے ایک بے مثل معجزہ ہے، جس کی حفاظت کا ذمہ اللہ کریم نے لیا اور اس کا اولین ذریعہ صحابۂ کِرام علیہمُ الرِّضوان ہوئے، جنھوں نے اپنے عزیز از جان محبوب صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے اس ورثہ کی حفاظت، اشاعت اور نفاذ کی خاطر کسی بھی طرح کے ضروری اقدام سے گریز نہیں کیا۔ اشاعتِ قرآن کے لیے صحابۂ کِرام کی طرف سے کی گئیں کوششوں کو درج ذیل فصول کے تحت بیان کیا جارہا ہے:

پہلی فصل: جمعِ قرآن

قرآنِ کریم اللہ کا کلام اور رُشد و ہدایت کا ایسا سرچشمہ ہے جس کی عظمت و حقانیت ہیرے کی چمک سے زیادہ روشن ہے، چونکہ حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے وصالِ ظاہری تک قرآنِ کریم یا تو چند حفاظ صحابہ کے سینوں میں محفوظ تھا یا آپ کے ارشاد پر جو لکھا گیا تھا وہ مختلف چیزوں میں بکھرا ہوا تھا؛ جب یَمامہ کے مقام پر کذاب مدعیِ نبوت اور اس کے حمایتیوں سے جنگ ہوئی اور اس میں حفاظ صحابہ کی کثیر تعداد شہید ہوگئی تو صحابہ کِرام علیہمُ الرِّضوان کو یہ خدشہ لاحق ہوا کہ اگر حفاظ صحابہ اسی طرح شہید ہوتے رہے تو قرآنِ کریم ضائع نہ ہو جائے!

ان حضرات نے قرآنِ کریم کو جمع کرنے کا فیصلہ کیا اور اسلام کے پہلے خلیفہ امیر المومنین حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں ہی قرآنِ کریم پختہ اصولوں کی بنیاد پر جمع کر لیا گیا جو بعد میں اسلام کے دوسرے خلیفہ حضرت عمر فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے پاس محفوظ رہا اور آپ کی شہادت کے بعد اُم المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس آگیا۔(1) جب اسلام کے تیسرے خلیفہ حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کے دور میں اسلام کافی پھیل گیا اور مختلف لہجوں کے حامل افراد اور اقوام دامنِ اسلام سے وابستہ ہوئیں تو قرآن کی قِرأت میں اختلاف رونما ہونے لگا، مستقبل میں اس کے سنگین نتائج کو بھانپتے ہوئے آپ نے سیدہ حفصہ سے وہ جمع شدہ قرآنِ کریم منگوایا اور جس لہجہ و لغت پر صاحبِ قرآن نے یہ کلام مجید عطا فرمایا تھا اسی لغتِ قریش پر اس کے دیگر نسخے تیار کروائے اور بلادِ اسلامیہ میں بھجوا دیئے یوں آپ کی دور

1 ...... بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب جمع القرآن، 3/398، حدیث:4986۔

www.dawateislami.net

اندیشی سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اختلاف امت کا سبب بننے والا ایک وحشت ناک دروازہ بند ہو گیا۔[1]

دوسری فصل: تعلیمِ قرآن

صحابۂ کِرام علیہمُ الرِّضوان کے دور میں جہاں قرآنِ کریم کی حفاظت کے اقدامات اٹھائے گئے وہیں تعلیمِ قرآن کو عام کرنے کے لیے وسیع پیمانے پر کوششیں بھی کی گئیں، البتہ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی ظاہری وفات کے بعد کئی فتنوں اور دشمنانِ دین و ملت نے سر اٹھایا لہٰذا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہُ عنہ کا دورِ خلافت مختصر ہونے کی وجہ سے ان فتنوں کی سرکوبی میں ہی گزر گیا اور جمعِ قرآن کے بعد تعلیمِ قرآن کی طرف توجہ نہ دی جا سکی، لیکن حضرت عمر فاروق رضی اللہُ عنہ کے دورِ خلافت میں وسیع پیمانے پر تعلیمِ قرآن کا اہتمام ہوا؛ آپ نے مختلف علاقوں کی طرف معلمینِ قرآن کو روانہ فرمایا تاکہ ریاستِ اسلامیہ کے سائے میں سانس لینے والے مسلمانوں کی علمی پیاس بجھائی جا سکے اور انہیں قرآن کی ابدی کامیابی کی ضامن تعلیمات سے سرفراز کیا جائے۔

معلمینِ قرآن کی تقرریاں:

حضرت عمر فاروقِ اعظم رضی اللہُ عنہ کے دورِ خلافت میں تعلیمِ قرآن کو عام کرنے کے زبردست اقدامات کیے گئے مثلاً مفتوحہ علاقوں، نئے آباد ہونے والے شہروں اور مسلمان ہونے والی پوری پوری آبادیوں کے انتظامی معاملات سنبھالنے کے لیے ایسے باوقار اصحاب کو مقرر کیا گیا جو عصری بصیرت کے ساتھ ساتھ قرآنِ حکیم کے عالم بھی تھے؛ یہ حضرات ان اضلاع و صوبوں میں ریاستی امور کی انجام دہی کا فریضہ بھی نبھاتے اور وہاں کے لوگوں کو قرآن و سُنَّت اور فقہ کی تعلیم بھی دیتے۔

چنانچہ صحابیِ رسول حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہُ عنہ بصرہ کے گورنر مقرر ہوئے تو اہلِ بصرہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: بَعَثَنِيْ اِلَيْكُمْ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ لِاُعَلِّمَكُمْ كِتَابَ رَبِّكُمْ وَسُنَّتَكُمْ یعنی مجھے حضرت عمر بن خطاب نے تمہارے پاس اس لیے بھیجا ہے کہ میں تمہیں قرآنِ کریم اور سُنَّت سکھاؤں۔[2]

جب ملکِ شام اور اس سے ملحقہ علاقے فتح ہوئے تو حضرت عمر نے وہاں کے نئے مسلموں کو قرآن کی تعلیم دینے کے لیے مختلف صحابۂ کِرام کو روانہ فرمایا، اس حوالے سے درج ذیل روایت ملاحظہ کیجیے:

1 ...... بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب جمع القرآن، 3/399، حدیث:4987۔

2 ...... دارمی، باب البلاغ عن رسول اللہ و تعلیم السنن، 1/149، حدیث:560۔

وَكَانَ عُبَادَةُ يُعَلِّمُ اَهْلَ الصُّفَّةِ الْقُرْآنَ وَلَمَّا فَتَحَ الْمُسْلِمُونَ الشَّامَ اَرْسَلَهُ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ وَاَرْسَلَ مَعَهُ مُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ وَاَبَا الدَّرْدَاءِ لِيُعَلِّمُوا النَّاسَ الْقُرْآنَ بِالشَّامِ وَيُفَقِّهُوْاهُمْ فِي الدِّيْنِ وَاَقَامَ عُبَادَةُ بِحِمْصٍ وَاَقَامَ اَبُو الدَّرْدَاءِ بِدِمِشْقٍ وَمَضٰى مُعَاذٌ اِلٰى فِلَسْطِيْنَ ثُمَّ صَارَ عُبَادَةُ بَعْدَ اِلٰى فِلَسْطِيْنَ۔ (1)

یعنی حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ اصحابِ صفہ کو تعلیمِ قرآن دیتے تھے، جب مسلمانوں نے سرزمینِ شام کو فتح کیا تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت عبادہ بن صامت، حضرت معاذ بن جبل اور حضرت ابو الدرداء علیہم الرضوان کو اہلِ شام کی طرف روانہ فرمادیا تاکہ یہ اصحاب ان کو قرآن کی تعلیم دیں اور دین کی سمجھ بوجھ پیدا کریں؛ ان میں سے حضرت عبادہ ملکِ شام کے شہرِ حمص میں ٹھہر گئے، حضرت ابو الدرداء دمشق میں قیام پذیر ہوئے جبکہ حضرت معاذ بن جبل نے فلسطین کا رخ کیا اور بعد میں حضرت عبادہ بھی فلسطین روانہ ہوگئے۔

تنخواہوں کا تقرر

عہدِ فاروقی میں جہاں تعلیمِ قرآن کو عام کیا گیا وہیں معلمین کی تنخواہوں کا سلسلہ بھی شروع ہوا، (2) بلکہ معلمین کے علاوہ طلبا کی حوصلہ افزائی کرنے اور حصولِ علم میں آسانی کے لیے ان کے وظائف مقرر کیے گئے۔ (3) اور یہی سلسلہ خلیفۂ چہارم امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بھی رہا۔ (4)

تعلیمِ قرآن کا التزام:

تعلیمِ قرآن کے لیے جہاں ریاست کی طرف سے معلمین کا انتظام کیا گیا تھا وہیں رعایا کے لیے اس کا حصول ضروری قرار پایا اور اس کو یقینی بنانے کے لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حکمتِ عملی بہت زبردست تھی کہ ریاستی عہدوں مثلاً گورنری اور وزارت وغیرہ پر ایسے لوگوں کا تقرر کیا جاتا جو حکومتی بصیرت کے حامل ہونے کے ساتھ ساتھ عالم وفقیہ بھی ہوتے۔ چنانچہ حضرت عمر نے ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا: اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ أُشْهِدُكَ عَلٰى أُمَرَاءِ الْأَمْصَارِ وَإِنِّيْ إِنَّمَا بَعَثْتُهُمْ عَلَيْهِمْ لِيَعْدِلُوْا عَلَيْهِمْ وَلِيُعَلِّمُوْا النَّاسَ دِيْنَهُمْ وَسُنَّةَ نَبِيِّهِمْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيَقْسِمُوْا فِيْهِمْ فَيْئَهُمْ وَيَرْفَعُوْا إِلَيَّ مَا أَشْكَلَ عَلَيْهِمْ مِنْ أَمْرِهِمْ۔ (5)

1. اسد الغابۃ، باب العین والباء، عبادۃ بن الصامت، 3/159، رقم:2789۔
2. شعب الایمان، باب فی تعظیم القرآن، 2/536، حدیث:2634۔
3. کنز العمال، کتاب الاذکار، باب فی القرآن، جزء:2، 1/146، حدیث:4175۔
4. شعب الایمان، باب فی تعظیم القرآن، فصل فی تنویر موضع القرآن، 2/556، حدیث:2705۔
5. مسلم، کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ، باب نہی من اکل ... الخ، ص224، حدیث:567۔

www.dawateislami.net

یعنی اے اللہ! میں تجھے گواہ کرکے کہتا ہوں: میں نے شہروں میں افسروں کو اسی لیے مقرر کیا تاکہ وہ لوگوں کے درمیان انصاف کریں، انہیں دین کی باتیں سکھائیں، نبی علیہ السلام کی سنت کی تعلیم دیں، مال (غنیمت) ان میں تقسیم کریں اور جس مسئلہ میں انہیں دشواری ہو اس میں مجھ سے رجوع کریں۔

امام ابنِ اثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: كَانَ عُمَرُ اِذَا اجْتَمَعَ اِلَيْهِ جَيْشٌ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ اَمَّرَ عَلَيْهِمْ اَمِيْرًا مِنْ اَهْلِ الْعِلْمِ وَالْفِقْهِ۔[1] یعنی جب حضرت عمر کے پاس مسلمانوں کی فوج جمع ہو جاتی تو آپ صاحبِ علم شخص کو ان کا امیر مقرر فرمادیتے۔

حضرت عمر نے مسلمانوں کے لیے حکم نامہ جاری فرمایا کہ قرآن کے اعراب اسی طرح سیکھے جائیں جس طرح اس کو حفظ کیا جاتا ہے۔ چنانچہ ارشا فرمایا: تَعَلَّمُوْا اِعْرَابَ الْقُرْآنِ كَمَا تَعَلَّمُوْنَ حِفْظَهٗ[2] یعنی جس طرح لگن کے ساتھ قرآن حفظ کرتے ہو اسی طرح اس کے اعراب بھی سیکھو۔

عہدِ فاروقی میں مسلمانوں کے لیے قرآن کی قرأت کے علاوہ، تعلیماتِ قرآن کے لیے ایک نصاب بھی مقرر تھا۔ چنانچہ حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت عمر کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ سورۂ بقرۃ، سورۂ نساء، سورۂ مائدہ، سورۂ حج، اور سورۂ نور لازمی سیکھو کہ اللہ تعالیٰ کے فرض کردہ تمام احکام ان میں موجود ہیں۔[3]

تعلیمِ قرآن کا یہ خوبصورت نظام صرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے تک ہی محدود نہیں تھا بلکہ آپ کی شہادت کے بعد بھی یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہا، کیونکہ اس نظام کی تشکیل میں تنہا حضرت عمر کا ہی حصہ شامل نہیں تھا بلکہ دیگر اجل صحابۂ کرام علیہم الرّضوان بھی اس نظام کی تشکیل و تنفیذ میں شریک تھے۔

مبلغ کے لیے راہ نما اصول:

صحابۂ کرام علیہم الرّضوان کی بیان کردہ خدمات کے تناظر میں ایک مبلغ کے لیے چند اصول پیشِ خدمت ہیں:

(1) مبلغ کو چاہیے اپنی قرأت اور خوش الحانی پر خصوصی توجہ دے۔

(2) نیکی کی دعوت کے سلسلے میں تعلیمِ قرآن کو بھی شامل کرے۔

(3) نیکی کی دعوت کی بنیاد قرآن کریم کو بنائے اور موقع کی مناسبت سے اپنی گفتگو میں قرآنی آیات شامل کرے۔

(4) مدعوین کو حقوقِ قرآن سے آگاہ کرے اور انہیں ادا کرنے کی ترغیب دیتا رہے۔

(5) مدعوین کو مخصوص سورتیں یاد کرنے کی ترغیب دے، ممکن ہو تو اپنی جانب سے اس کا اہتمام کرے۔

1 ...... الکامل فی التاریخ لابن اثیر، سنۃ ثلاث و عشرین، ذکر خبر سلمۃ...الخ، 2/445۔ 2 ...... کتاب ایضاح الوقف والابتداء، ص35۔

3 ...... شعب الایمان للبیہقی، باب فی تعظیم القرآن، 2/477، حدیث:2451۔

www.dawateislami.net

مشقی و عملی سُوالات

1←خطبۃ الوداع کی روشنی میں امتِ محمدیہ کی ذمہ داریاں بیان کریں۔

2←عہدِ صدیقی میں تعلیمِ قرآن کے فروغ کا باقاعدہ نظام نہ بن سکا! اسباب و وجوہات کیا تھیں؟ مع دلائل بیان کریں۔

3←جمعِ قرآن کے ادوار بیان کریں اور بتائیں جامعِ قرآن کس صحابی کا لقب ہے اور کیوں ہے؟

4←امیرُ المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ریاستی عہدوں کی تقرری میں کس چیز کو پیشِ نظر رکھا؟

5←حضرت عمر نے کن سورتوں کا سیکھنا لازمی قرار دیا اور اس کی وجہ کیا ہے؟

6←اشاعتِ قرآن کے لیے کون کون سے اسباب مفید ہیں؟ فہرست مرتب کیجیے اور اپنی حکمت عملی استاذِ محترم کو بتائیے۔

اہم نوٹ

دوسرا مبحث: تبلیغِ دین

داعیِ اعظم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے بعد میراثِ نبوی کے محافظ و مبلغ، اَوّل دستے کے اُمَّتی صحابۂ کِرام علیہمُ الرّضوان تھے؛ان حضرات نے جس طرح نیکی کی دعوت کی ذمہ داریوں کو پورا کیا اور اسلام کا پرچم بلند کیا اس کی مثال نہیں ملتی؛ تربیتِ نبوی کی جھلک نے ان کے کردار میں ایسی جاذبیت و کشش پیدا کر دی تھی کہ غیر مسلم ان کی حیات گزاری کو دیکھ کر ہی دامنِ اسلام سے وابستہ ہو جاتے تھے؛ یہ تعلیمِ نبوی ہی کا اثر تھا کہ دورِ صحابہ میں ہی علم و شعور دنیا بھر میں عام ہو گیا۔ فیضِ نبوی سے بلاواسطہ سرشار ہونے والوں کی محکم تدبیر اور کمالِ فکر سے سحابِ اسلام دنیا پر سایہ فگن ہو گیا۔

اصحابِ رسول کے دعوتی کارنامے نہایت متنوع ہیں جن کے شمار کرنے کی کوشش ہی جوئے شیر لانے کے مترادف ہے، لہٰذا ذیل میں صرف دو فصلوں کے تحت چند چیزوں کو بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے ملاحظہ کیجیے:

پہلی فصل: صحابہ کِرام کا کردار

مبلغ کا شخصی کردار مدعو کے ذہنی رویوں کو بدلنے میں اہم رول ادا کرتا ہے، کیونکہ دعوتِ دین یا دعوتِ عمل دونوں ہی گویا کردار سازی کرنا ہے؛ مبلغ کا کردار ہی مدعو کے لیے نمونہ نہیں ہو گا تو اس کی دعوت بے فیض اور رسمی ہو کر رہ جائے گی۔ صحابۂ کِرام علیہمُ الرّضوان کی کامیاب دعوتی زندگی کے بارے میں غور و فکر کیا جائے تو تاریخ میں جگمگاتی کامیابیوں کے پیچھے ان کی عظیم شخصیات، بلند کردار اور اخلاقِ کریمانہ کی مضبوط و مستحکم فصیل کھڑی نظر آتی ہے؛ وہ جو کہتے تھے وہی کرتے بھی تھے، ان کے قول و فعل میں اتحاد تھا، وہ دوہری زندگی نہیں گزارتے تھے، انہیں کھرا مسلمان بننا نصیب ہوا تھا، ان کے معاشی و معاشرتی، خانگی و بیرونی تمام معاملات اسلامی تعلیمات کے تابع تھے، انہوں نے اسلام کو اپنی ذات پر نافذ کر کے اسلامی تعلیمات میں ایسی کشش پیدا کر دی تھی کہ لوگ دامنِ اسلام میں پناہ لینے میں ہی عافیت سمجھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ دامنِ اسلام میں پناہ لینے والوں کی بڑی تعداد وہ ہے جو مسلمانوں کے کردار سے متأثر ہو کر حلقہ بگوشِ اسلام ہوئی۔ چنانچہ صحابۂ کِرام علیہمُ الرّضوان کے کردار اور اس کی تاثیر کے حوالے سے چند حوالہ جات پیشِ خدمت ہیں:

(1) حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے مزمار (یعنی باجہ بجانے) کی آواز سنی تو اپنے کانوں میں انگلیاں ڈال لیں اور راستے سے ہٹ کر چلنے لگے پھر ساتھ موجود خادم سے پوچھا کیا اب آواز سنائی دے رہی ہے؟ (وہ جواب دیتے رہے حتّٰی کہ جب اس کی آواز آنا بند ہو گئی تو انہوں نے بتایا کہ اب آواز آنا بند ہو گئی ہے) تب آپ نے کانوں سے انگلیاں نکالیں اور فرمایا: كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ فَسَمِعَ مِثْلَ هٰذَا فَصَنَعَ مِثْلَ هٰذَا یعنی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے ساتھ تھا جب آپ

نے اس طرح کی آواز سنی تو ایسا ہی کیا۔[1]

(2) ایک بار حضرت صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہ بڑے برتن میں کھانا لائے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے رکھ دیا، انہوں نے فقیروں اور غلاموں کو بلایا اور سب کو اپنے ساتھ کھلانے کے بعد فرمایا: لَحَا اللّٰہُ قَوْمًا یَرْغَبُوْنَ عَنْ اَرِقَّائِہِمْ اَنْ یَّاکُلُوْا مَعَھُمْ یعنی اللہ ان لوگوں کو اپنی رحمت سے دور کرے جو غلاموں کے ساتھ کھانے کو برا سمجھیں۔[2]

(3) صحابیِ رسول فاتحِ مصر حضرت عَمرو بن عاص رضی اللہ عنہ مصر کی فتح کے بعد جب اس کے والی بنائے گئے تو مصر کا مشہور رئیس "شَطَا بن ہاموک" اسلام کی شہرت اور مسلمانوں کے اخلاق و کردار کی خبریں سن کر اسلام کا گرویدہ ہو گیا اور اپنے دو ہزار افراد کے ساتھ مُشَرَّف بَاسلام ہوا۔[3]

دوسری فصل: نفسیات کا لحاظ

بیج کو تناور درخت بنانے کے لیے ضروری ہے کہ اس کی فطری صلاحیتوں پر توجہ دی جائے ساتھ ساتھ اس زمین کو بھی خوب پرکھ لیا جائے جس میں بیج بویا جارہا ہے؛ آیا وہ زمین اس قابل بھی ہے کہ بیج سے درخت بنا سکے؟ یا ابھی اسے مزید نرم کرنے کی ضرورت ہے؟ جس جگہ وہ زمین موجود ہے وہاں کی فصل اور موسم کا اس بیج پر کیا اثر ہوگا؟ اسی طرح دعوتِ دین میں بھی یہ ساری چیزیں ملحوظ رکھنا ضروری ہیں، کیونکہ زمینوں کی طرح روحوں اور دلوں کے بھی موسم ہوتے ہیں، محض دعوتِ حق کی فطری خوبیوں پر اعتماد کرلینا اور مدعوین کی نفسیات، مزاج اور ان کی مذہبی سوچ و فکر کو پرکھے بغیر دعوت پیش کرنا ایک ذہین اور تربیت یافتہ مبلغ کا طریقہ نہیں۔

نیکی کی دعوت حقیقتاً انسان سازی کا نام ہے جس کا براہِ راست تعلق نفسیات سے ہے، صحابۂ کِرام علیہم الرضوان نے نیکی کی دعوت میں اسے ہر محاذ پر سرِ فہرست رکھا جس کی بدولت ان کی دعوت کے ایسے نتائج برآمد ہوئے جن کے آثار ہمیشہ باقی رہیں گے۔ صحابۂ کِرام نے نیکی کی دعوت کے لیے نفسیات کے متعدد پہلوؤں کو استعمال فرمایا ان میں سے ایک اہم پہلو ملاحظہ کیجیے:

دلیل اور شائستگی

انسان ویسے تو طبعاً جھگڑالو واقع ہوا ہے، لیکن کوئی بات دلیل اور شائستگی سے بیان کی جائے تو نہ چاہتے ہوئے بھی وہ اس کے دل پر اثر انداز ہوتی ہے اور اس کے دل میں موجود ایک احساس شائستگی اور دلیل کے ساتھ کان میں پڑنے والی

1 ...... ابو داود، کتاب الادب، باب کراہیۃ الغناء والزمر، 4/367، حدیث:4924۔

2 ...... الادب المفرد، باب ہل یجلس خادمہ معہ اذا اکل، ص60، حدیث:201۔ 3 ...... المواعظ والاعتبار، ذکر شطا، 1/629۔

www.dawateislami.net

بات کو قبول کرنے پر ابھارتا رہتا ہے، اس موقع پر مبلغ کے لیے ضروری ہے وہ اپنی دلیل پختہ اور انداز سمجھانے والا اور شائستہ رکھے۔ صحابۂ کِرام علیہمُ الرّضوان نے اس انداز کو نیکی کی دعوت دیتے ہوئے استعمال فرمایا اور وقت کے بادشاہوں کو بھی مجالِ انکار نہ ہو سکی، ذیل میں اس حوالے سے ایک واقعہ ملاحظہ کیجیے:

حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ جب داعیِ اعظم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کا گرامی نامہ مقوقسِ مصر کے پاس لے کر پہنچے تو دونوں کے درمیان حسب ذیل مکالمہ ہوا:

مقوقس: مجھ سے اپنے صاحب کی حالت بیان کرو، کیا وہ نبی ہیں؟

حاطب: ہاں! بے شک وہ اللہ کے نبی اور رسول ہیں۔

مقوقس: ایذا رسانی کے باوجود انہوں نے اپنی قوم پر بد دعا کیوں نہ کی؟ حتّٰی کہ ان کی قوم نے انہیں شہر بدر کر دیا۔

حاطب: جناب عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے بارے میں آپ لوگ خود کہتے ہیں: ”وہ اللہ کے رسول ہیں“ جب ان کی قوم نے ان کو سولی دینے کا ارادہ کیا انہوں نے کیوں اپنی قوم کے لیے بد دعا نہ کی؟ حتّٰی کہ اللہ نے انہیں آسمان پر اٹھالیا۔

مقوقس: تم نے اچھا جواب دیا۔ تم حکیم ہو اور حکیم کے پاس سے آئے ہو۔ [1]

مبلغ کے لیے راہ نما اصول:

صحابۂ کِرام علیہمُ الرّضوان کی خدماتِ دین کی تفصیل کے لیے کتاب متحمل نہیں ہے، لہٰذا اختصار کے ساتھ مبلغ کی راہ نمائی پر مشتمل دو جہات کو اوپر بیان کیا گیا ہے، اس کی روشنی میں چند راہ نما اصول پیشِ خدمت ہیں:

(1) مبلغ کو چاہیے اپنے کردار کی پاکیزگی پر پوری توجہ دے اور ایسا کوئی کام نہ کرے جو انگشت نمائی کا باعث بنے۔

(2) اپنی گفتگو میں ٹھہراؤ اور طبیعت میں برداشت پیدا کرے۔

(3) بغیر دلیل کے دعویٰ کرنے کی حماقت ہرگز نہ کرے، بلکہ وہی بات کرے جس کی دلیل اس کے پاس موجود ہو۔

(4) سلسلۂ دعوت شروع کرنے سے پہلے مدعوین کی نفسیات کا تجزیہ کرلے اور ہر ممکنہ پریشانی کی فہرست ترتیب دے کر ان کے حل کی تیاری کر کے رکھے۔

(5) مدعو اگر کسی دوسرے مذہب سے تعلق رکھتا ہو تو اس کے ممکنہ سوالات کے جوابات سوچ کر رکھے۔

(6) مدعو کے ساتھ شفقت بھرا برتاؤ کرے اور شرعی حدود میں رہتے ہوئے اپنے مال کو تالیفِ قلوب کا ذریعہ بنائے۔

1 ...... اسد الغابۃ، حاطب بن ابی بلتعۃ، 1/ 529، رقم: 1011۔

www.dawateislami.net

مشقی و عملی سُوالات

1←صحابۂ کِرام علیہمُ الرّضوان کے اندازِ دعوت پر معترضین کا جواب دیجیے۔

2←نیکی کی دعوت دیتے ہوئے نفسیات کا لحاظ رکھنا کس قدر ضروری ہے، مثال کے ذریعے واضح کیجیے؟

3←صحابۂ کِرام علیہمُ الرّضوان کے اندازِ دعوت میں نفسیات کے پہلوؤں پر بحث کیجیے۔

4←نیکی کی دعوت میں نرم لہجہ اور شائستگی کی اہمیت پر ہم درجہ طلبا کے ساتھ اظہار خیال کیجیے۔

اہم نوٹ

چھٹا باب

مجددین کا منہج دعوت

صحابۂ کرام علیہمُ الرِّضوان کے بعد خدمتِ دین اور حفاظتِ ملت کی ذمہ داری تابعین، علما اور صالحین کے سپرد ہوئی؛ وارثانِ علومِ نبویہ نے اس ذمہ داری کو نہایت خوش اسلوبی سے پورا فرمایا اور پیغامِ نبوی کو آنے والے لوگوں تک پہنچاتے رہے۔ البتہ قرنِ نبوی سے مسلسل دوری کے باعث شریر طبیعتوں نے اپنا رنگ دکھانا چاہا؛ انعام یافتہ گان کے راستہ سے ہٹ کر دین میں در اندازیوں کی کوششیں کی گئیں، من مانی تشریحات کو دین اور خواہشاتِ نفس کو مباحاتِ شرع کا نام دینے کی ناپاک سازشیں ہونے لگیں تو مردانِ راہِ حق نے ان کا خوب مقابلہ کیا اور ان ذہنی مفلوج لوگوں کو دیوار سے لگادیا، نیز جو اپنے منافقانہ رویوں کی مدد سے ناپاک عزائم میں کامیاب ہونے لگے مجددینِ اسلام نے ان کی ساری قلعی کھول کر رکھ دی اور دین کی درست ترجمانی فرما کر اس کو دوبارہ نکھار دیا۔

ہادیِ اعظم منبعِ حکم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے آنے والے وقتوں میں اسلام اور اہلِ اسلام کی اس مذہبی آزمائش اور اس پر خدا کے فضل کی خبر دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: اِنَّ اللّٰہَ یَبْعَثُ لِھٰذِہِ الْاُمَّۃِ عَلٰی رَأْسِ کُلِّ مِائَۃِ سَنَۃٍ مَنْ یُّجَدِّدُ لَھَا دِیْنَھَا[1] یعنی اللہ اس امت کے لیے ہر صدی کے اختتام پر مجدد بھیجے گا جو ان کے دین کو تازہ کرے گا۔

مجددین نے اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق دین کی خدمت کی؛ یہاں پر ہر ایک کا الگ سے تفصیلی تذکرہ بہت زیادہ طوالت کا باعث ہوگا لہٰذا مجددین کی چند تجدیدی خدمات اور ان کے طرزِ دعوت کو بیان کیا جارہا ہے ملاحظہ کیجیے:

پہلی فصل: عقائد و نظریات کی تجدید

عقائد و نظریات میں آجانے والی خرابیوں کو دور کرنے کے لیے مجددین نے عام طور پر تین ذرائع استعمال فرمائے اور اپنی انتھک محنتوں سے تمام خرابیوں کو ختم فرمادیا:

(1) تحریر و تصنیف:

مجددین نے تحریر و تصنیف، خط و کتابت اور فتویٰ نویسی کو خدمتِ دین کا ذریعہ بنایا جو نہایت کار آمد ثابت ہوا۔ چنانچہ

حضرت عمر بن عبد العزیز: آپ رحمۃُ اللہِ علیہ اسلام کے سب سے پہلے مجدد ہیں،[2] آپ کا زمانۂ خلافت عالَمِ اسلام کے لیے تاریخی زمانہ تھا، آپ سے پہلے مختلف حکمرانِ اِسلام کے دیئے ہوئے نظامِ مذہب و اَخلاق اور سیاست و حکومت میں طرح

1. ابو داود، کتاب الملاحم، باب ما یذکر فی قرن المائۃ، 4/148، حدیث: 4291۔
2. تاریخ ابن عساکر، محمد بن ادریس شافعی، 51/339، رقم: 6071۔

www.dawateislami.net

طرح کی آمیزش کر رہے تھے، آپ نے اُن سب خرابیوں سے حکومت و معاشرے کو پاک کرنے کی کوششیں کیں؛ حکمرانوں کی اِمتیازی خصوصیات مٹانے کی پوری کوشش کی، امیر غریب کے اِمتیازات، جَبر و اِستِبداد کے نشانات اور حکمرانوں کے ظُلم و سِتَم کو ختم کرکے اِسلام کا نظامِ عَدل دوبارہ قائم کیا۔ حضرتِ سیِّدنا عمر بن عبد العزیز کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ وہ خلافتِ اِسلامیہ کو خلافتِ راشِدہ کی طرز پر قائم کرکے عہدِ صِدّیقی اور عہدِ فاروقی کو دُنیا میں پھر واپس لے آئے تھے! تجدید واِصلاح کے اِسی کارنامہ کی بدولت آپ کا زمانہ خلافتِ راشِدہ میں شُمار کیا جاتا ہے۔[1]

حجۃُ الاسلام امام محمد بن محمد غزالی: آپ رحمۃُ اللہِ علیہ پانچویں صدی ہجری کے مجدد ہیں،[2] آپ کے دور میں فلاسفہ نے اسلامی عقائد و نظریات میں خرابی پیدا کرنے کی کوشش کی اور مختلف اعتراضات کرکے مسلمانوں کو شک و شبہ میں مبتلا کر دیا تو آپ نے ردِ فلسفہ پر مختلف کتب تصنیف فرمائیں، فلاسفہ کے نظریات کا مدلل جواب دیا اور ان کی پھیلائی ہوئی غلط فہمیوں کا پردہ چاک کیا جس کے نتیجے میں وہ مسلمان جو اسلامی اصولوں کو کمزور سمجھ کر گمراہیت کا شکار ہو گئے تھے وہ تائب ہوئے اور کئی لوگ گمراہیت سے محفوظ ہو گئے۔

امام جلالُ الدین عبد الرحمن بن ابو بکر سیوطی: آپ رحمۃُ اللہِ علیہ نویں صدی ہجری کے مجدد ہیں،[3] آپ کے دور میں بعض لوگوں نے نبیِ آخرُ الزمان صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے والدینِ کریمین کے ایمان پر انگلی اٹھانے کی کوشش کی اور امت کو گمراہ کرنے کی راہ نکالنا چاہی تو آپ نے ایمانِ اَبَوَیْن کے ثبوت پر چھ کتابیں تصنیف فرمائیں۔

(2) مناظرہ:

عقائد و نظریات کی حفاظت کا ایک ذریعہ مناظرہ بھی ہے جس سے مخالف کو سخت رسوائی کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور شریروں کے چنگل میں آجانے والوں کی اصلاح کا بہترین ذریعہ ہے، مجددینِ اسلام نے اس ذریعہ کو بھی نہایت خوش اسلوبی سے استعمال کیا اور گمراہوں کو دھول چٹائی! چنانچہ

امام ابو العباس عمر بن سریج شافعی: آپ رحمۃُ اللہِ علیہ تیسری صدی ہجری کے مجدد ہیں،[4] آپ نے فرقۂ ظاہریہ کے رد کے

1 ...... حضرت سیدنا عمر بن عبد العزیز کی 125 حکایات، ص110۔ 2 ...... التنبئة بمن يبعثه الله على رأس كل مائة، ص30۔
3 ...... حواشی علی مقاصد الحسنۃ الامام احمد رضا خان، ص2 مخطوطہ۔ 4 ...... التنبئة بمن يبعثه الله على رأس كل مائة، ص31۔

www.dawateislami.net

لیے محمد بن داوٗد ظاہری سے مناظرے کیے اور اس کو خاموش کر دیا۔[1]

امام فخرُ الدین ابو عبداللہ محمد بن عمر رازی: آپ رحمۃُ اللہِ علیہ چھٹی صدی ہجری کے مجدد ہیں،[2] آپ کے دور میں گمراہ فرقوں نے ہر جانب سے اسلامی عقائد و نظریات پر حملے شروع کیے اور اسلام کے مُسَلَّمہ عقائد میں شکوک و شبہات پیدا کرنے کی کوشش کی تو آپ نے ان کا ہر میدان میں مقابلہ کیا خصوصاً معتزلہ فرقہ کے سرخیلوں سے مناظرے کیے اور انہیں ایسی شکستِ فاش دی کہ ان کی پوری جماعت پر اکیلے غالب رہے اور انہیں حالتِ بِسْمِل تک پہنچادیا۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان: آپ رحمۃُ اللہِ علیہ چودھویں صدی ہجری کے مجدد ہیں،[3] آپ کے زمانے میں تاریخ کے عجیب و غریب فتنوں اور فرقوں نے جنم لیا ذاتِ باری تعالیٰ کے بارے میں کفریہ نظریات پھیلائے گئے، شانِ رسالت کی تنقیص کے لیے کوششیں کی گئیں، اولیائے کرام کی عظمت و شان کو مجہول کیا گیا، نبیِ آخرُ الزمان کے منصبِ جلیل ختمِ نبوت کی غلط اور من مانی تشریحات کی گئیں حتّٰی کہ وہ کچھ ہوا جو گزشتہ صدیوں میں کسی باطل فرقہ نے نہیں کیا! آپ نے ان تمام گمراہوں بلکہ گمراہ گروں کا زبردست تعاقب فرمایا، بارہا مناظروں کی دعوت دی لیکن کسی میں بھی اس سرخیلِ اسلام کا مقابلہ کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی سیرت میں مناظروں کے چیلنج ضرور ملتے ہیں لیکن فریقِ مخالف کے نہ آنے کی وجہ سے باقاعدہ مناظرہ کرنے کا ذکر نہیں ملتا، لیکن آپ نے اس میدان کو خالی نہیں رہنے دیا بلکہ ایسے افرادِ کار تیار فرمائے جنہوں نے اسلام کے راہزنوں اور غیر مسلموں کا ایسے ڈٹ کر مقابلہ کیا کہ تمام دشمنانِ دین و ملت کو منہ کی کھانی پڑی۔

(3) تقریر:

عقائد و نظریات کے تحفظ، گمراہیت پھیلانے والوں کی نشاندہی اور مسلمانوں کو ان کے شر سے محفوظ رکھنے کا ایک بہترین اور مؤثر ترین ذریعہ تقریر ہے، اس سے ہر خاص و عام مستفید ہوتا ہے اور گمراہوں کے چنگل میں پھنسنے سے محفوظ ہوجاتا ہے۔ مجددینِ اسلام نے عوامُ النّاس کی اصلاح کے لیے تقریر کو بھی ذریعہ بنایا اور اس کی مدد سے عقائد کے تحفظ کی بھرپور کوشش فرمائی۔

1 ...... وفیات الاعیان، حرف الھمزۃ، ابن سریج، 1/89۔ 2 ...... التنبئۃ بمن یبعثہ اللہ علی رأس کل مائۃ، ص 62۔

3 ...... حیات اعلیٰ حضرت، 3/143۔

www.dawateislami.net

خاتَمُ المحدثین شیخ عبد الحق محدثِ دہلوی: آپ رحمۃُ اللہِ علیہ دسویں صدی ہجری کے مجدد ہیں،[1] جب آپ ہندوستان تشریف لائے تو یہاں مختلف فتنے رونما ہو چکے تھے، اسلامی عقائد و نظریات میں خرابی پیدا ہو گئی تھی آپ نے تحریر و تصنیف کے ساتھ ساتھ تقریر کے ذریعہ بھی ان فتنوں کی نشان دہی کر کے امت کی راہ نمائی فرمائی۔

دوسری فصل: احوالِ مسلمین کی تجدید

مجددینِ اسلام نے اپنے زمانے کے عوام کی مذہبی حالت کو پرکھا، انہیں بے عملی یا بد عملی کا شکار پایا اور احکامِ شرع میں سستی کو محسوس کیا تو ان کی اصلاح کی جانب توجہ فرمائی، انہیں نفس و شیطان کے حملوں سے آگاہی فراہم کی، شریعت وسُنّت کی پابندی کا ذہن دیا اور محبتِ الٰہی و عشقِ رسول کے خوب جام پلا کر مسلمانوں کی مذہبی حالت کو مضبوط کر دیا۔

احوالِ مسلمین کو درست کرنے کے لیے مجددینِ اسلام نے عام طور پر دو ذرائع اختیار فرمائے اور اپنے پُر خلوص جذبہ سے ان کو انعام یافتہ لوگوں کے راستہ پر چلا دیا۔

(1) تحریر و تصنیف:

مجددینِ اسلام نے جہاں عقائد و نظریات کی حفاظت کے لیے تصنیفات فرمائیں وہیں مسلمانوں کی مذہبی حالت کو بہتر سے بہترین کرنے کے لیے بھی کتب تحریر کیں، فروغِ علم کے لیے تحریری خدمات انجام دیں، مسلم معاشرے میں درآمد برائیوں کی نشاندہی فرمائی اور اپنی کتب و خطوط کے ذریعہ اصلاحِ احوال کا انتظام فرمایا۔ چنانچہ

حضرت عمر بن عبد العزیز: آپ رحمۃُ اللہِ علیہ اپنے دورِ خلافت میں جہاں کوئی بُرائی دیکھتے یا اسلامی اصولوں پر عمل میں کوتاہی معلوم ہوتی تو وہاں کے عُمّال کو خط لکھ کر اصلاح فرماتے اور اس سے باز رہنے کی تنبیہ کرتے۔ آپ کے دور میں کچھ لوگ نماز میں سستی کرنے لگے تو آپ نے عُمّال کے نام خط جاری کیا اور انہیں نماز کے اوقات کی پابندی کا حکم دیا۔[2]

آپ ہی نے سب سے پہلے تدوینِ حدیث کا کام شروع فرمایا اور احادیثِ طیبہ کو تحریری بندشوں میں اتارنے کا انتظام کیا، کئی محدثین کو احادیث لکھنے اور ان کی ترویج و اشاعت پر ابھارا، یوں ان کے ذریعے سے علومِ نبویہ کا خزانہ امت تک پہنچا۔[3]

1 حواشی علی مقاصد الحسنۃ لامام احمد رضا خان، ص 2 مخطوطہ۔

2 حلیۃ الاولیاء، عمر بن عبد العزیز، 5/349، رقم: 7351۔

3 فتح الباری لابن حجر، کتاب العلم، باب کیف یقبض العلم، 2/176- جامع بیان العلم و فضلہ، باب بیان الرخصۃ فی کتاب العلم، ص 107۔

www.dawateislami.net

مجددِ الفِ ثانی شیخ احمد سرہندی: آپ رحمۃُ اللہِ علیہ گیارہویں صدی ہجری کے مجدد ہیں،[1] آپ کے دور میں فتنۂ ارتداد اور دینِ اکبری کے علاوہ عملی ابتری بھی بہت زیادہ ہوگئی تھی آپ نے مسلمانوں کی روحانی تربیت فرمائی اور ان کو بدعات و منکرات سے بچانے کے لیے مختلف موضوعات پر کتب و رسائل تحریر فرمائے نیز خط و کتابت کے ذریعہ بھی امت مسلمہ کی راہ نمائی فرماتے رہے۔

(2) وعظ و نصیحت:

امت کو برائیوں سے بچانے اور صراطِ مستقیم پر قائم رکھنے کا سب سے بہترین ذریعہ وعظ و نصیحت ہے اور یہی وجہ ہے کہ مجددینِ اسلام نے وعظ و نصیحت کو افہام و تفہیم کا ذریعہ بنایا۔ چنانچہ

حضور غوثِ اعظم شیخ عبد القادر جیلانی: آپ رحمۃُ اللہِ علیہ پانچویں صدی ہجری کے مجدد ہیں، آپ نے جہاں تصنیف و تدریس کو اشاعتِ علم کے لیے اختیار فرمایا وہیں وعظ و نصیحت کو عوام الناس کی اصلاح کا ذریعہ بنایا اور خلقِ کثیر آپ کے وعظ و نصیحت سے فیض یاب ہوتی رہی، آپ نے بے علم صوفیوں کے احوال کی بھی اصلاح فرمائی۔

علامہ نورُ الدین علی بن سلطان محمد قاری: آپ رحمۃُ اللہِ علیہ دسویں صدی ہجری کے مجدد ہیں،[2] آپ نے اپنے زمانہ میں اشاعتِ علم و فن کے لیے تحریر و تصنیف کو ذریعہ بنایا اور وعظ و نصیحت سے بدعات و منکرات کا رد کرکے مسلمانوں کی اصلاح فرماتے رہے۔

تاجُ الفحول محبُ الرسول عبد القادر بدایونی: آپ رحمۃُ اللہِ علیہ تیرہویں صدی ہجری کے مجدد ہیں،[3] آپ نے بھی امت کی اصلاح کے لیے وعظ و نصیحت کا اسلوب اختیار فرمایا، آپ کے بیان میں جو اثر آفرینی ہوا کرتی وہ دوسروں کے بیان میں نادر الوجود تھی۔[4]

(3) درس و تدریس:

امت کی اصلاح اور اشاعتِ علم و فن کا ایک متعدی ذریعہ درس و تدریس ہے، اس کے ذریعہ مخاطبین کی نا صرف اپنی اصلاح ہوتی ہے بلکہ اصلاحِ امت کے لیے ایسے مصلحین تیار ہوجاتے ہیں جو مختلف مقامات پر جاکر مجدد کے تجدیدی

---

1 ...... اخبار الاخیار، ص323۔ 2 ...... حیات اعلیٰ حضرت، 3/130۔

3 ...... حواشی علی مقاصد الحسنۃ الامام احمد رضا خان، ص2 مخطوطہ۔ 4 ...... اکمل التاریخ، ص 333 ماخوذاً۔

www.dawateislami.net

کاموں کی دھوم مچا دیتے ہیں، اسی وجہ سے کئی اصحابِ تجدید نے درس و تدریس کو بھی اختیار فرمایا۔ چنانچہ

امامُ المعبرین امام محمد بن سیرین: آپ رحمۃُ اللہِ علیہ پہلی صدی کے مجدد ہیں،(1) آپ کے چشمۂ علم سے کئی تشنگانِ علم و معرفت سیراب ہوئے۔(2)

حضرت عطا ابن ابی رباح: آپ رحمۃُ اللہِ علیہ بھی پہلی صدی ہجری کے مجدد ہیں،(3) آپ نے اپنے استاذ عبد اللہ بن عباس کے وصال کے بعد مسجدِ حرام شریف میں درس و تدریس کا آغاز فرمایا اور کئی طالبانِ علم و معرفت کی تسکین کا سامان کیا۔(4)

حضرت محمد بن عبدالباقی زرقانی: آپ رحمۃُ اللہِ علیہ گیارہویں صدی ہجری کے مجدد ہیں،(5) کثیر طلبۂ علم نے آپ کے چشمۂ علم سے سیرابی کی، دور دراز مقامات سے طلبہ آپ کی خدمت میں حصولِ علم کے لیے حاضر ہوتے، آپ کی درس گاہ علم و تحقیق کا مرکز تھی اور وقت کے بڑے بڑے فضلا اور محققین یہاں سے فارغ ہوئے اور آنے والی نسلوں کے لیے مشعلِ راہ ثابت ہوئے۔

مبلغ کے لیے راہ نما اصول:

مجددینِ اسلام کے تجدیدی کارناموں اور ان کے اختیار کردہ اسلوب میں مبلغین کے لیے زبردست راہ نمائی موجود ہے، مذکورہ کلام کی روشنی میں مبلغین کے لیے چند راہ نما اصول بیان کیے جا رہے ہیں ملاحظہ کیجیے:

(1) مبلغ کو چاہیے نیکی کی دعوت کا باقاعدہ کام شروع کرنے سے پہلے اپنی صلاحیتوں کو جانچ لے، ہر شعبہ میں کام کرنا سب کے بس کی بات نہیں، لہٰذا جس کی صلاحیت ہو اسی شعبہ میں خدمات انجام دے۔

(2) داعیانِ اسلام خصوصاً مجددین کی سیرت کا مطالعہ لازمی کرے اور اپنے کام کے لیے ان کی سیرت سے راہ نمائی لے۔

(3) اپنے زمانے کے لوگوں کی فکری حالت کو پیشِ نظر رکھ کر نیکی کی دعوت کی ابتدا کرے۔

1. التنبئہ بمن یبعثہ اللہ علی رأس کل مائۃ، ص56۔
2. وفیات الاعیان، حرف المیم، ابن سیرین، 4/35۔
3. التنبئہ بمن یبعثہ اللہ علی رأس کل مائۃ، ص55۔
4. حلیۃ الاولیاء، عطاء بن ابی رباح، 3/357، رقم:4261۔
5. حواشی علی مقاصد الحسنۃ الامام احمد رضا خان، ص2 مخطوطہ۔

www.dawateislami.net

مشقی و عملی سُوالات

1←تجدیدِ دین میں کیا حکمت پوشیدہ ہے؟ غور و فکر کے بعد بیان کیجیے۔

2←مجددین کی عقائد و نظریات کی تجدید کے لیے تحریری سرگرمیوں کو مثالوں سے واضح کیجیے۔

3←تحریر و تقریر اصلاحِ معاشرہ کے لیے کس قدر مفید ہے بیان کیجیے۔

4←عقائد و نظریات کی تجدید کے لیے مجددین کی خدمات پر تبصرہ کیجیے۔

5←امام فخرُ الدین رازی رحمۃُ اللہِ علیہ کی تجدیدی خدمات کا جائزہ پیش کیجیے۔

اہم نوٹ

www.dawateislami.net

دوسرا حصہ

نیکی کی دعوت کے طریقوں کے بارے میں

پہلا باب

تحریر کے بارے میں

کہا جاتا ہے: ”دنیا کے معاملات سین اور قاف سے چلتے ہیں؛ سین سے مراد ہے سیف یعنی تلوار اور قاف سے مراد ہے قلم!“ سیف و قلم کا حق فرزندانِ اسلام نے خوب ادا کیا ہے؛ شیطان صفت انسانوں کو لگام ڈالنی ہو یا جہالت کے اندھیروں میں زندگی گزارنے والوں کو شعور و آگاہی فراہم کرنی ہو؛ ہر جگہ سر خیل علما اور مبلغین کی خدمات کے ڈنکے بج رہے ہیں۔ شیطان کے پجاریوں کے فساد سے نظامِ عالَم کی لگامیں اُمت کے ہاتھ میں ڈھیلی ہو سکتی ہیں لیکن لوح و قلم کی طاقت کبھی کمزور نہیں پڑ سکتی کہ جب بھی نوکِ قلم سینۂ قرطاس پر چلنا شروع کرتی ہے تو میدان میں چلنے والی تلوار سے کم نہیں ہوتی! یہی وجہ ہے کہ ہر دور کے اَہلِ علم حضرات و مبلغین نے لوح و قلم کو اپنی خدمات کا ذریعہ بنایا اور علم و آگاہی کے ایسے ایسے گلشن آباد کیے جن کی مثال نہیں ملتی، بلکہ یہ اُمتِ مسلمہ کا خاصہ ہے کہ علم و فن، شعور و آگاہی اور قدیم و جدید علوم کے جتنے شہ پارے انہوں نے انسانیت کو دیئے ہیں حدِّ شمار سے باہر ہیں! آج ان ہی کی بدولت علم و فن کے چراغ روشن ہیں، ان ہی کے عطا کردہ شعور سے انسان شیطانی فکروں سے آزاد ہو کر رحمانی کرنوں سے منور ہے۔

لوح و قلم ایک داعی و مبلغ کے لیے انمول ہتھیار کی مانند ہیں جن کے درست استعمال سے وہ ایسی تحریر کر سکتا ہے جو کفر و جہالت کے قیدیوں کو آزادی کی اَہمیت بتائے، علم و حکمت کی صورت میں موجود میراثِ نبوی کی اِشاعت کا ذریعہ ہو، قرآن و حدیث کے رازوں کو کھول دے، حال کو ماضی سے جوڑ کر مستقبل کے اہداف حاصل کرنے کا سبب بنے اور وہ تحریر نیکی کی دعوت کے سلسلے کو ہمیشہ کے لیے باقی رکھنے کا باعث ہو۔ لہٰذا ایک کامیاب مبلغ کے لیے لوح و قلم کا درست استعمال انتہائی ضروری ہے تاکہ نیکی کی دعوت زیادہ سے زیادہ عام ہو سکے، جس مقام پر اس کا پہنچنا ممکن نہ ہو وہاں اس کی تحریر پہنچ کر آزادی کی شمع روشن کرے؛ کیونکہ لوح و قلم دِلوں کے پیغام پہنچانے کا ذریعہ، ذہین لوگوں کی سواری، دامنِ سلطنت کے بیل بوٹوں کا سبب، پیاسوں کے لیے سیرابی کی جگہ اور ایسا درخت ہے جس کے پھل الفاظ ہیں اور فکر و خیال وہ سمُندر ہے جس کے موتی حکمت ہیں۔

یہاں تحریر اور اس کے طریقوں سے متعلق اُصولی معلومات کو تین فصلوں میں درج کیا جا رہا ہے مُلاحظہ کیجیے:

پہلی فصل: قبل اَز تحریر

کوئی بھی عمدہ تحریر اِتفاقی نہیں ہوتی! بلکہ یہ ایک مسلسل شعوری عمل کا نتیجہ ہوتا ہے جو لکھاری کے خونِ جگر سے معرضِ وجود میں آتا ہے! لٰہذا ایسا نہیں ہو سکتا کہ سوچے سمجھے بغیر کاغذ قلم اٹھایا، لکھتے چلے گئے اور لکھتے لکھتے "لا شعوری طور پر" ایک شاہکار مُنَصَّۂ شہود پر جگمگا اٹھا! تحریر کو اچھا اور کامیاب بنانے کے لیے چار باتوں کو مدِ نظر رکھنا ضروری ہے:

﴿1﴾ مقصد ﴿2﴾ اِنتخابِ موضوع

﴿3﴾ قارئین کا تعین ﴿4﴾ اُسلوبِ تحریر

﴿1﴾ مقصد

بے مقصد لکھی گئی تحریر بے روح جسم کی مانند ہوتی ہے لٰہذا تحریر کے عمل کو شروع کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ لکھنے والا اپنا مقصد معین کر لے اس سے نا صرف تحریر جان دار بن جاتی ہے بلکہ قلم کار کے خیالات و افکار پوری طرح قارئین تک پہنچتے ہیں۔ اللہ تعالٰی کی رِضا اور لوگوں کی اصلاح کے عظیم اِرادے کے بعد درجِ ذیل سُوالات کے ذریعہ اپنی تحریر کا مقصد معین کیا جا سکتا ہے:

(1) یہ تحریر نئی معلومات پر مشتمل ہو گی یا سابقہ کام کا ہی اِعادہ ہو گا؟

(2) اس تحریر سے قارئین کو کیا فائدہ ہو گا؟

(3) اس تحریر کے مثبت نتائج حاصل ہوں گے؟ (وہ نتائج اپنے پاس لکھ لیجیے یہی تحریر کا بنیادی مقصد ہے)

ایک اچھا لکھاری ان تین سُوالات کے مناسب جواب ملنے کے بعد ہی کام کا آغاز کرتا ہے؛ اگر مبتدی محرر نے ان کا لحاظ نہ رکھا تو اس کے گرم جذبات پر ناکامی کی ایسی ٹھنڈی اَوس پڑے گی کہ یہ اپنی اکلوتی کتاب کا ناکام مصنف بن بیٹھے گا!

﴿2﴾ اِنتخابِ موضوع

تحریر کے لیے موضوع کا اِنتخاب ایسے ہی ضروری ہے جیسے عمارت کے لیے زمین! ظاہر ہے بغیر زمین کے عمارت کھڑی کرنا ممکن نہیں ہے اسی طرح بغیر موضوع کے تحریر بھی ممکن نہیں ہے۔ موضوع جتنا شان دار، دلچسپ، جامع، واضح اور بامقصد ہو گا تحریر کی عمر اتنی ہی زیادہ ہو گی!

www.dawateislami.net

عام طور پر مبتدی محررین اِنتخابِ موضوع کے حوالے سے کافی الجھن کا شکار نظر آتے ہیں ان کی یہ الجھن کسی حد تک درست بھی ہے لیکن اس میں الجھ کر تحریر جیسے عظیم کارِ خیر سے ہی محروم ہوجانا اکثر "موضوع" کا درست فہم نہ ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے، حالانکہ موضوع کا انتخاب جس قدر مشکل محسوس ہوتا ہے اس سے کہیں زیادہ آسان ہے؛ ہر انسان کے ذہن میں صبح وشام بے شمار خیالات، فکریں، خواہشات یا خدشات بسیرا کیے رہتے ہیں اگر انسان چاہے تو وہ سب نا سہی لیکن اکثر تحریر کا موضوع بن سکتے ہیں؛ زمین و آسمان اور جو کچھ ان کے درمیان موجود ہے وہ سب ایک قلم کار کے لیے موضوع ہی تو ہے! (شاید نئے لکھاریوں کے لیے موضوع کا اس قدر ظہور ہی اِبہام کا باعث ہو!)۔

انتخابِ موضوع کے اصولوں کی طرف بڑھنے سے پہلے نفسِ موضوع کی تعریف پر خوب غور وخوض کر لیا جائے تو کئی میدانوں میں آسانی ہوسکتی ہے۔ لہٰذا موضوع کا بنیادی مفہوم مُلاحظہ کیجیے اور اس کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیجیے:

موضوع کی تعریف:

مَوْضُوْعُ كُلِّ عِلْمٍ مَا يُبْحَثُ فِيْهِ عَنْ عَوَارِضِهِ الذَّاتِيَّةِ

یعنی کسی بھی علم کا موضوع وہ چیز ہوتی ہے جس کے عوارضِ ذاتیہ سے اس علم میں بَحث کی جائے![1]

وضاحت: اگر آپ موضوع کی اس تعریف کو کم از کم دوبار مزید پڑھ کر غور کریں گے تو یہ بات واضح ہوگی کہ "کسی بھی فن میں اس کے موضوع سے بَحث ہی نہیں ہوتی بلکہ اس موضوع کے عوارضِ ذاتیہ سے بَحث ہوتی ہے!"[2] اس کو دوسرے لفظوں میں یوں سمجھ لیجیے کہ "موضوع" اور "اس کا مرکزی خیال" دو الگ الگ چیزیں ہیں، لیکن ان کا آپس میں اتنا گہرا تعلق ہے کہ بعض اوقات ان کو ایک ہی چیز سمجھ لیا جاتا ہے جس سے موضوع کے انتخاب میں شدید دشواری کھڑی ہوجاتی ہے۔ موضوع اور اس کے عوارضِ ذاتیہ یعنی وہ امور جو براہِ راست اس کی ذات سے متعلق ہیں لیکن اس کی ذات کا حصہ نہیں ہیں یا مرکزی خیال کے فرق کو مثال سے سمجھنے کی کوشش کیجیے:

پہلی مثال

آسمان وزمین پر موجود اشیاء میں سے کسی بھی شی کا تصور کیجیے! وہ جو بھی ہو ایک باصلاحیت قلم کار کا موضوع بن سکتی ہے مثلاً "سورج" کو موضوع بنایا جائے اور اس کے "عوارضِ ذاتیہ" بالفاظ دیگر "مرکزی خیالات" کی ایک فہرست

---

1 ...... التعریفات، ص164۔ 2 ...... التوضیح لمتن التنقیح، 1/ 44۔

www.dawateislami.net

مرتب کرلی جائے تو صورتِ حال کچھ اس طرح ہو گی:

سورج سے متعلق موضوعات:

سورج کا رنگ	مختلف زبانوں میں سورج کے نام
زمین سے سورج کا فاصلہ	حیاتِ انسانی پر سورج کے اثرات
نظامِ شمسی میں سورج کا کردار	سورج گرہن اور اس کی وجوہات

"سورج" کے بعض عوارضِ ذاتیہ یا مرکزی خیالات لکھے گئے ہیں جن پر ایک باصلاحیت رائیٹر بآسانی لکھ سکتا ہے۔ یعنی اس کا موضوع تو سورج ہی ہو گا لیکن مرکزی خیال مذکورہ فہرِست میں سے کچھ ہو گا۔

دوسری مثال

انسان کے ننھے سے دماغ میں چلتے بڑے بڑے خیالی جھگڑوں میں سے کسی کو روکیے! وہ کچھ بھی ہو ایک وسیع المطالعہ شخص کا موضوع بن سکتا ہے، مثلاً "مُعاصر عالَمِ اسلام کے حالات" کو موضوع بنایا جائے اور اس کے عوارضِ ذاتیہ یا مرکزی خیالات کی ایک فہرِست مرتب کرلی جائے تو صورتِ حال کچھ اس طرح ہو گی:

مُعاصر عالَمِ اسلام کے حالات:

عالَمی طاقتوں کے زیرِ تسلط مسلم مُمالک کے حالات	مسلم مُمالک کے باہمی تعلقات
مسلم مُمالک کی انقلابی تاریخ کا جائزہ اور موجودہ صورتِ حال	مسلم مُمالک کی مختلف ثقافتوں کا جائزہ
مسلم مُمالک کی ماضی، حال اور مستقبل کی حدود	مسلم ممالک کا عروج وزوال اور اس کے اسباب

"مُعاصر عالَمِ اسلام کے حالات" کے بعض عوارضِ ذاتیہ یا مرکزی خیال لکھے گئے ہیں جن پر وسیع المطالعہ محرر بآسانی لکھ سکتا ہے؛ یعنی اس کا موضوع "مُعاصر عالَمِ اسلام کے حالات" ہی ہو گا لیکن مرکزی خیال مذکورہ فہرِست میں سے کچھ ہو گا۔

تیسری مثال

تاریخِ اسلام کی عظیم شخصیات کے نام ذہن میں لائیے! وہ کوئی بھی شخصیت ہو ایک صاحبِ مطالعہ شخص کا موضوع بن سکتی ہے، مثلاً "امام محمد غزالی" کو موضوع بنایا جائے اور ان کے عوارضِ ذاتیہ یا مرکزی خیالات کی ایک فہرِست مرتب کرلی جائے تو صورتِ حال کچھ اس طرح ہو گی:

www.dawateislami.net

امام محمد غزالی:

امام غزالی کے ملفوظات	امام غزالی کی زندگی کے مختلف اَدوار
امام غزالی اور یونانی فلاسفہ کا رَد	امام غزالی کی خدماتِ تصوف
مشائخ کی نظر میں امام غزالی کا مقام	امام غزالی کی فَلسَفہ پر خدمات

"امام محمد غزالی" کے بعض عوارضِ ذاتیہ یا مرکزی خیالات لکھے گئے ہیں جن پر ایک صاحبِ مطالعہ محرر بآسانی لکھ سکتا ہے؛ یعنی اس کا موضوع تو "امام محمد غزالی" ہی ہوں گے لیکن مرکزی خیال مذکورہ فہرِست میں سے کچھ ہو گا۔

چوتھی مثال

کوئی بھی ایک لفظ لیجیے اور اس پر غور کرنا شروع کر دیجیے پھر یک سُوئی کے ساتھ اپنے دماغ کے کرشمے دیکھیے سینکڑوں عنوان آپ کے سامنے کھیلتے نظر آئیں گے! مثلاً لفظ "عورت" کو موضوع بنائیے اور بنتِ حواء کے احوال پر غور کرتے چلے جائیے تو صرف اس ایک لفظ کی بدولت کئی عنوانات آپ کے ذہن میں اُترنا شروع کر دیں گے، نمونہ دیکھیے:

عورت اور پردہ:

باپردہ عورت	بے پردہ عورت	شرعی پردہ
برصغیر اور پردہ	پردے کے معاشرتی فوائد	عورت پسِ پردہ
بے پردگی کے نقصانات	حجاب اور آزاد خیالی ایک جائزہ	چادر اور چار دیوار

عورت بحیثیت بیوی:

اچھی بیویاں	بیوی جو مرد کو مرد بناتی ہے	بیویاں کیا جانتی ہیں؟
امورِ خانہ داری	ہوشیار بیویاں اور بے وقوف مرد	ہوشیار مرد اور بے وقوف بیویاں
مشہور بیویاں	مشہور آدمیوں کی بیویاں	بیوی کی ضرورت
بری بیویاں	چار بیویاں	جس کی بیوی نہیں!

www.dawateislami.net

عورت بحیثیت ماں:

اچھی مائیں	مشہور مائیں	مشہور آدمیوں کی مائیں
ماں کی ماممتا	بچوں کی پرورش	ماں کی مَحبّت!

عورت اور کام:

باصلاحیت خواتین	انقلابی عورتیں	عورت اور جلد بازی
راز دار عورت	مردانی وضع کی عورتیں	قدیم وضع کی عورتیں
باعمل عورتیں	عورت اور تفسیری خدمات	عورت اور خدمتِ حدیث
معلمات	دائیاں	عورت اور علمِ طب

یہ صرف ایک نمونہ ہے جو انسانی ذہن کی کاریگری اور پروازِ فکر کی طاقت دکھانے کے لیے پیش کیا گیا ورنہ یہ بات حقیقت ہے کہ موضوعات کی فہرِست کو کوئی ایک شخص شاید کبھی بھی مکمل نہیں کرسکتا، اتنے موضوعات ذکر کرنے اور مرکزِ خیال کو پختہ کرنے کا مقصد صرف اتنا تھا کہ اگر موضوع کی اس حیثیت کو ذہن نشین کرلیا جائے تو علوم و فنون سے لے کر سوانح عمری تک کسی بھی مرحلے پر باآسانی موضوع کا اِنتخاب کیا جاسکتا ہے۔

موضوعات کی فہرِست ذکر کرنے کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ آج ہی بسم اللہ کہہ کر ان تمام عنوانات پر مضمون نگاری شروع کردیں! بلکہ ٹھہریں اور آگے آنے والی تمام ہدایات کو بغور پڑھیں اور سمجھیں کہ کس طرح موضوعات کا انتخاب کیا جاتا ہے اور اسے نباہنے کے لیے کن بنیادی شرائط کا ہونا ضروری ہے؛ ہوسکتا ہے آپ کا تجسس جس موضوع کو لکھنے پر ابھار رہا ہو ہماری ہدایات پڑھنے کے بعد آپ اسے اپنانے سے ہی انکار کردیں!

موضوع منتخب کرنے کے خارجی ذرائع:

موضوع سے متعلق مذکورہ اصولی گفتگو کو ذہن میں رکھ کر اگرچہ بہت سے موضوعات وجود میں لائے جاسکتے ہیں، لیکن بعض اوقات رائیٹر کو اس کے ذہنی خیالات کوئی نیا موضوع نہیں سجھا رہے ہوتے، وہ کچھ نیا لکھنا چاہتا ہے لیکن طائرِ خیال وہاں تک پرواز کی طاقت نہیں رکھتا؛ ایسی صورتِ حال میں لکھاری کو چاہیے خارجی وسائل و ذرائع کی طرف توجہ کرے، امید ہے اس کی تسکین ہوجائے گی:

1-صاحبانِ علم سے گفتگو: لوگوں کے ساتھ گفتگو کئی تحقیق طلب موضوعات کے وجود میں آنے کا سبب بنتی ہے، نت نئے سُوالات اور ان کے جوابات کی تلاش اسی وقت شروع ہوتی ہے جب آپ کسی سے ہم کلام ہوتے ہیں۔ ہو سکتا ہے دورانِ گفتگو معاشرے کا کوئی ایسا سلگتا ہوا موضوع آپ کے سامنے آجائے جس کا آپ کو پہلے علم نہ ہو اور آپ اس پر ایسا پُر اثر مضمون لکھ دیں جو معاشرتی خرابی کو ختم کرنے کا باعث بن جائے! یا کسی ایسی کتاب کی ضرورت محسوس ہو جائے جو اب تک کسی نے بھی نہ لکھی ہو اور آپ وہ مقبول کتاب لکھ کر ایک کامیاب مصنف بن جائیں!

2-غور و فکر اور سوچ بچار: آپ اپنے روزمرہ کے معاملات میں جو کچھ سُنیں، دیکھیں یا پڑھیں اس کو سُننے دیکھنے اور پڑھنے کے بعد اس پر کچھ دیر غور ضرور کریں، خصوصاً کسی غیر معمولی واقعہ یا کسی کے غیر معمولی رَوَیَّہ سے متعلق آپ ضرور غور کریں: آپ کے سامنے ایسے کئی اہم موضوعات ابھرنا شروع ہو جائیں گے جن پر آپ کا قلم بے ساختہ لکھنا شروع کر دے گا اور آپ اس کی روانی دیکھ کر حیران رہ جائیں گے۔

3-مطالعہ اور مشاہدہ: مارکیٹ میں ہفتہ وار، ماہانہ، سہ ماہی، شش ماہی اور سالانہ مُجَلّے، زبردست ریسرچ جرنل اور کتابیں ہر وقت دستیاب ہیں اگر ذہین آدمی ان مُجَلّوں اور کتابوں کو پرکھے اور اپنا پسندیدہ قابلِ اعتماد مُجَلّہ یا کتاب پڑھنے کا معمول بنالے تو یقین کیجیے اسے کبھی بھی موضوعات کی کمی کا شکوہ نہیں رہے گا۔

سوشل میڈیا کے آفیشل پلیٹ فارم بھی معلومات اخذ کرنے اور نت نئے عجیب اور قابلِ تحقیق موضوعات کی فراہمی کا بہترین ذریعہ ہیں، لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ آپ اپنے استاذِ محترم سے راہ نمائی حاصل کریں، کہیں اس محاورے کے مصداق نہ بن جائیں: بکری گئی سینگ لگوانے کان بھی کٹوا آئی!

موضوع منتخب کرنے کے راہ نما اصول:

موضوع کا اِنتخاب اگرچہ مشکل نہیں لیکن ہر موضوع پر قلم اُٹھانا اور اس کو کَمَاحَقُّہٗ نباہنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں بلکہ ہر موضوع پر قلم اُٹھانے والے اور اس کا حق ادا کرنے والے انگلیوں کے پوروں سے بھی کم ہوں گے! لکھاری کی کامیابی کا راز یہ ہے کہ وہ اپنی صلاحیت کا اِدراک کرے اس کے بعد اس صلاحیت سے ہم آہنگ موضوعات کی فہرِست مرتب کرکے اسے آگے آنے والے اِنتخابِ موضوع کے اُصولوں پر پرکھ لے، موضوع منتخب ہو جائے تو اپنی فکر کو ایک جگہ جمع کرے اور کام کا آغاز کردے۔ یہاں پر موضوع کے انتخاب کے لیے چند اصول بیان کیے جا رہے ہیں مُلاحَظہ کیجیے:

www.dawateislami.net

دلچسپی اور صلاحیت: کوئی بھی کام کرنے کے لیے صلاحیت کے ساتھ ساتھ اس کام میں دلچسپی ہونا بے حد ضروری ہے کہ اسی پر کامیابی کا مدار ہے، خصوصاً تحریری کام کے لیے تو موضوع کے ساتھ دلچسپی کا وہی تعلق ہے جو سانس کا جسم کے ساتھ ہے کہ جس طرح بغیر سانس کے جسم کی حیات مشکل ہے اسی طرح بغیر دلچسپی کے موضوع کو نباہنا مشکل ہے۔

کسی موضوع پر "قلم اُٹھانے کی صلاحیت ہونا" اور اس موضوع میں "دلچسپی ہونا" دو الگ الگ چیزیں ہیں؛ بعض اوقات لکھاری میں کسی موضوع پر لکھنے کی صلاحیت تو بھرپور ہوتی ہے لیکن اسے اس موضوع میں دلچسپی نہیں ہوتی اس کی مثال آپ کی اپنی ذات بھی ہوسکتی ہے، مثلاً آپ کی دلچسپی علم الفقہ میں ہے اور آپ "تاریخ" پر لکھنے بیٹھ جائیں! یقین جانیے اس دوران آپ اپنی دلچسپی اور اس موضوع کے ضابطوں کے باہمی تضاد کے زیرِ اثر بہت زیادہ اکتاہٹ کا شکار ہونے لگیں گے بِالآخر آپ کو موضوع ادھورا ہی چھوڑنا پڑے گا۔ یہی صورت اس وقت ہوگی جب کسی شخص کے اندر موضوع پر لکھنے کی صلاحیت بِالکل بھی نہ ہو اور دلچسپی کے تحت قلم اٹھاکر لکھنا شروع کرے! مثلاً ادب واِنشا میں دلچسپی رکھنے والا "شرحِ حدیث" کو اپنا موضوع بنالے تو ذرا تصوّر کیجیے اس کا کیا حال ہوگا؟ بلکہ اس موضوع پر کیا گزرے گی؟ لہٰذا جس موضوع میں آپ کی "صلاحیت" اور "دلچسپی" جمع ہوں اسی پر قلم اُٹھائیے۔

جِدَّت وضرورت: موضوع کی خوبصورتی دوبالا ہوجاتی ہے جب وہ مصنف کا اپنا دریافت کردہ ہو، اگر ایسا موضوع منتخب کیا جس پر پہلے ہی بیسیوں کتب موجود ہیں، قارئین بھی اس موضوع کو بارہا پڑھ چکے ہیں یا وہ موضوع ایسا ہے جس پر لکھنے کی ضرورت ہی نہیں تھی تو لکھاری کا وقت اور محنت دونوں ضائع ہوسکتے ہیں! ہمیشہ کوشش کیجیے کسی نئے موضوع کا اِنتخاب ہو، ایسا موضوع جس پر پہلے کسی نے نہ لکھا ہو۔ اگر کسی موضوع پر پہلے کام ہوچکا ہو تو آپ اس کی کوئی ایسی جِہَت تلاش کیجیے جو قابلِ توجہ ہو اور اس پر لکھنا بھی مفید ہو، موضوعات کا چناؤ ہی آپ کے قارئین کی تعداد بڑھنے کا باعث بنے گا۔

تعریف وتحدید: جس طرح ایک مسافر کے لیے منزل کا تعین، راستہ کے نشیب و فراز اور منزل کے نشانات کا جاننا سَہولت کا باعث ہے اسی طرح لکھاری کے لیے اپنے موضوع کا تعین اور اس کی حد بندی بھی سَہولت کا باعث ہے، موضوع کی حد بندی نہ ہو تو اس کو اختتام کی طرف لانا مشکل ہوجاتا ہے۔ موضوع کی حد بندی اس موضوع کی مختلف جِہات کو پیشِ نظر رکھ کر کی جاسکتی ہے اس کے لیے موضوع کی تعریف کے تحت ہونے والے کلام کو ایک بار پھر مُلاحظہ کرلیجیے۔

www.dawateislami.net

بزرگانِ دین کے تحریری مقاصد:

نیکی کی دعوت کا فریضہ نبھانے والے محرر کو ہمیشہ نئے موضوعات پر ہی لکھنے کی ضرورت نہیں ہوتی، اَسلاف کی علمی میراث کو دورِ حاضر سے ہم آہنگ کرکے منظرِ عام پر لانا بھی اسی کے مشن کا حصہ ہے، دوسرے الفاظ میں یوں سمجھ لیجیے کہ اَسلاف میں سے کسی کی کتاب کا ترجمہ، شرح، تلخیص، تسہیل، ترتیب وغیرہ کرکے اسے اپنے زمانے کے لوگوں کے لیے قابلِ اِستفادہ بنادینا بھی مبلغ کا زبردست تحریری کارنامہ ہے۔ اَسلافِ امت نے تحریر کے حوالے سے جو خدمات انجام دیں ان کو سات اَغراض کے تحت بیان کیا جاسکتا ہے:

(1) نئی کتاب تحریر کرنا
(2) نامکمل کتاب کو مکمل کرنا
(3) مشکل کتاب کی شرح کرنا
(4) طویل کتاب کو مختصر کرنا
(5) کسی ایک مسئلے پر مواد جمع کرکے کتاب مرتب کرنا
(6) بکھرے ہوئے مواد کو ترتیب دے کر کتاب تحریر کرنا
(7) کسی کتاب میں مصنف سے تَسامُحات ہوئے ہوں تو ان کی نشاندہی کرنا۔[1]

(1) کوئی جدید کتاب تحریر کرنا: مصنف ایسی کتاب لکھتا ہے کہ اس جیسی کتاب کسی نے نہیں لکھی ہوتی، مثلاً امام مالک بن انس رحمۃُ اللہِ علیہ کی حدیث کے موضوع پر کتاب "مؤطا امام مالک"۔ جدید کتاب لکھنے کی توفیق ملنا بہت عظیم سعادت ہے۔

(2) نامکمل کتاب کو مکمل کرنا: بعض اوقات کتاب کی تکمیل سے پہلے مصنف کا وصال ہوجاتا ہے اور بعد میں کوئی اور اس کتاب کو مکمل کرتا ہے، مثلاً

شیخ کمال الدین محمد بن عبد الواحد سیواسی رحمۃُ اللہِ علیہ نے ابتدا سے کتاب الوکالۃ تک ہدایہ کی شرح تحریر کی جس کا نام "فتح القدیر" ہے۔ اور بعد میں اس کی تکمیل قاضی زادہ شمس الدین احمد رحمۃُ اللہِ علیہ نے "نَتَائِجُ الْاَفْکَارِ فِی کَشْفِ الرُّمُوْزِ وَ الْاَسْرَارِ" کے نام سے کی۔[2]

ابو العلا مفتی محمد امجد علی اَعظمی رحمۃُ اللہِ علیہ فقہِ حنفی کے انسائیکلوپیڈیا "بہارِ شریعت" کی تکمیل سے پہلے وصال فرما گئے اور بعد میں آپ کے تلامذہ نے اس کی تکمیل فرمائی۔[3]

---

1 ...... کشف الظنون، المقدمۃ فی احوال العلوم، الباب الثالث فی المؤلفین والمؤلفات ... الخ، 35/1۔

2 ...... کشف الظنون، باب الہاء، 2/2034۔ 3 ...... بہار شریعت، 3/1021، حصہ 19: مقدمہ۔

(3)مشکل کتاب کی شرح کرنا: کوئی عالمِ دین متن یا مختصر کتاب تصنیف کرتے ہیں، بعد میں خود یا کوئی دوسرے عالم اس کی شرح کر دیتے ہیں؛ کتبِ فقہ وفنون میں ایسی بیسیوں کتابیں موجود ہیں مثلاً

فنِ بلاغت میں محمد بن عبد الرحمن قزوینی رحمۃ اللہ علیہ نے ابو یعقوب یوسف سکاکی کی کتاب "مفتاح العلوم" کی قسمِ ثالث کی نہایت عمدہ تلخیص فرمائی اور پھر سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس "تلخیص المفتاح" کی "مطول" اور "مختصر" دو شروحات تحریر فرمائیں۔

فقہِ حنفی میں اس کی مثال شیخ شمس الدین محمد بن عبد اللہ تمرتاشی رحمۃ اللہ علیہ کا بہترین متن "تنویر الابصار" ہے جس کی شرح شیخ علاؤ الدین محمد بن علی حصکفی نے "درِ مختار" کی صورت میں کی۔

تصوف میں اس کی مثال رئیس المتکلمین مولانا نقی علی خان رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "اَحسنُ الوِعاء" ہے جس کی شرح اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ نے "ذَیلُ المُدَّعاء" کے نام سے فرمائی۔

(4)مطول کتاب کو مختصر کرنا: کوئی عالمِ دین ایک طویل اور ضخیم کتاب لکھتے ہیں پھر وہ خود یا کوئی دوسرے عالم اس کے مفہوم کو برقرار رکھتے ہوئے کتاب کو مختصر کر دیتے ہیں، مثلاً

کتبِ سیرت میں نور الدین علی بن احمد سمہودی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "اِقْتِفَاءُ الْوَفَا بِاَخْبَارِ دَارِ الْمُصْطَفٰی" اور اس کا اِختصار "وَفَاءُ الْوَفَا بِاَخْبَارِ دَارِ الْمُصْطَفٰی" ہے۔(1)

صاحبِ لسان العرب محمد بن مُکرَّم بن منظور افریقی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے منقول ہے: آپ کے سامنے کتبِ ادب میں سے جو بھی کتاب آتی اس کا اِختصار فرما دیتے۔(2)

(5)کسی ایک مسئلے پر مواد جمع کر کے کتاب مرتب کرنا: کسی ایک مسئلے کے مختلف جزئیات اور دلائل کو کتابوں سے جمع کر کے کتاب تحریر کی جاتی ہے؛ متاخرین نے ایسی کئی کتابیں اور رسائل مرتب فرمائے ہیں، مثلاً

شیخ نور الدین ابو الحسن علی بن سلطان قاری رحمۃ اللہ علیہ کا رسالہ "اَلْفَضْلُ الْمُعَوَّلُ فِی الصَّفِّ الْاَوَّلِ" اس رِسالہ میں پہلی صف کی فضیلت پر آیات، احادیث اور مسائلِ فقہیہ کو جمع کیا گیا ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "مُنِیْرُ الْعَیْنِ فِیْ حُکْمِ تَقْبِیْلِ الْاِبْہَامَیْنِ" اس کتاب میں نبی کریم

(1) وفاء الوفا، خطبۃ المؤلف، 1/ 1۔ (2) الوافی بالوفیات، حرف المیم، 5/ 38، الرقم: 2046۔

www.dawateislami.net

صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کا اسمِ گرامی سن کر انگوٹھے چومنے کے ثبوت کے لیے مختلف احادیث اور روایات جمع کی گئی ہیں۔

شیخِ طریقت امیرِ اَہلِ سُنَّت مولانا ابو بلال محمد الیاس عطار قادری رضوی مُدظلہ العالی کی کتاب "غیبت کی تباہ کاریاں" اس کتاب میں غیبت سے متعلق احادیث، روایات، جزئیات اور حکایات جمع کی گئی ہیں۔

(6) بکھرے ہوئے مواد کو ترتیب دے کر کتاب مرتب کرنا: بعض اوقات کوئی عالم کتاب تحریر کرتا ہے جس میں قصداً یا بِلا قصد تقدیم و تاخیر ہوتی ہے پھر کوئی دوسرا عالم اسے مرتب کر دیتا ہے، مثلاً

امامِ اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رحمۃُ اللہِ علیہ کی مَرویات کو شیخ عبد اللہ بن محمد حارثی رحمۃُ اللہِ علیہ نے "مسند الکبیر" کے نام سے جمع کیا، پھر شیخ موسیٰ بن زکریا حصکفی رحمۃُ اللہِ علیہ نے امامِ اعظم کے اَسمائے شیوخ پر اسے مرتب کر دیا، چونکہ اَسمائے شیوخ کی ترتیب سے اس شخص کے لیے اِستفادہ مشکل تھا جو شیوخِ امام کے نام نہیں جانتا، لہٰذا امام عابد بن احمد سندھی مدنی رحمۃُ اللہِ علیہ نے ابوابِ فقہیہ پر "مُسْنَدِ اِمامِ اعظم" مرتب کر کے اس کی شرح فرمائی۔

(7) کسی کتاب میں مصنف سے تَسامُحات ہوئے ہوں تو ان کی نشاندہی کرنا: بعض اوقات مصنف کی جانب سے کتاب میں خطائیں واقع ہو جاتی ہیں پھر کوئی اس کتاب کی تصحیح کرتا ہے تاکہ اس کتاب سے اِستفادہ کیا جاسکے۔

تصنیف و تالیف میں فرق:

سُوال: اَغراضِ مصنفین کے ضمن میں کہیں تصنیف، کہیں تالیف اور کہیں ترتیب کا ذکر کیا گیا ہے، یہ کلمات قاری کے ذوق کو برقرار رکھنے کے لیے بیان کیے گئے ہیں یا بطورِ اِصطِلاح مختلف اقسام کو پیشِ نظر رکھ کر بیان کیے گئے ہیں؟

جواب: یہ تینوں کلمات اِصطِلاحی طور پر بیان کیے گئے ہیں، کیونکہ تصنیف اور تالیف کے درمیان فرق ہے، جبکہ ترتیب تالیف کا مُترادِف شمار ہوتا ہے، ان اِصطِلاحات کی تعریفات مُلاحظہ کیجیے:

تصنیف کی تعریف:

وہ کتاب جو مصنف کی اپنی تحقیقات اور کلام پر مشتمل ہو۔ (1)

تالیف کی تعریف:

وہ کتاب جس میں کثیر چیزوں کو اس طرح جمع کر دیا جائے کہ ان سب پر ایک ہی نام کا اطلاق کیا جاسکے؛ اگرچہ اس کے بعض مَباحِث کا باہمی ربط نہ ہو۔ (2)

1 ...... الفروق اللغویۃ، الباب الثامن، ص 164 ماخوذاً۔ 2 ...... دستور العلماء، کتاب التاء، 1/366۔

www.dawateislami.net

﴿3﴾ قارئین کا تعین

ایک لکھاری کے لیے لکھنے سے پہلے اپنے پڑھنے والوں کا تعین اسی طرح ضروری ہے جیسے شکاری کا تیر چلانے سے پہلے اپنے شکار کو ہدف بنانا ضروری ہے، قاری کے تعین کا سب سے بنیادی فائدہ یہ ہوتا ہے کہ لکھاری کا تحریری لب و لہجہ مخصوص ہو جاتا ہے اور دلائل کی نَوعِیَّت بھی خاص رہتی ہے۔ قارئین دو طرح کے ہوتے ہیں:

(1) اِجتماعی قارئین (2) اِنفرادی قارئین

(1) اِجتماعی قارئین:

وہ لوگ جن کے سامنے تحریر پڑھی جائے گی ان میں اگرچہ پڑھنے والا ایک ہی ہو گا اور باقی سننے والے ہوں گے لیکن وہ بھی قاری ہی کے دَرَجہ میں شمار کیے جائیں گے؛ اس قسم کے لیے مجمع کا تعین ضروری ہے، مثلاً

- وہ عوام کے سامنے کیا جانے والا بیان ہو سکتا ہے۔
- کسی کانفرس میں پڑھا جانے والا مقالہ ہو سکتا ہے۔
- کسی مذہبی پروگرام کا اِسکرِپٹ ہو سکتا ہے۔
- کسی خاص طبقہ کی تربیت کے لیے تیار کیا جانے والا بیان ہو سکتا ہے۔
- کسی تعلیمی اِدارے کے طُلَبا کے مابین ہونے والا بیان ہو سکتا ہے۔
- طُلَبا کی نصابی کتاب بھی ہو سکتی ہے۔ وغیرہ

لکھاری کو چاہیے اپنے اِجتماعی قارئین کا تعین کرنے کے بعد ہر سطح کی نفسیات و ضروریات کا تجزیہ کرے پھر تحریر کا آغاز کرے۔

(2) اِنفرادی قارئین:

یہی وہ لوگ ہیں جو باقاعدہ پڑھنے کے اِرادے سے کتاب اُٹھاتے ہیں، اگر ایک دفعہ انہیں اچھے لکھاری کے قلم کا چسکا لگ جائے تو یہ اس کی تمام تحاریر پڑھ ڈالتے ہیں بلکہ دوسروں کو بھی پڑھنے کا مشورہ دیتے ہیں، یوں ایک لکھاری ”کامیاب رائیٹر“ کے مرتبے پر فائز ہو جاتا ہے۔ اِنفرادی قارئین مختلف قسم کے ہوتے ہیں، مثلاً

- کتاب کے قارئین
- جرائد و رَسائل کے قارئین
- روزناموں کے قارئین

پڑھنے والوں کے شعبوں اور جنس کا تعین بھی مفید ہے مثلاً مَدرَسہ، اسکول، کالج یا یونیورسٹی کے طُلَبا، محققین، اساتذہ، نئے قارئین، پرانے قارئین، مرد، عورت، یا بچے وغیرہ۔

اگر رائیٹر اس طرح کی تقسیم کے بعد تحریر کی طرف توجہ کرے تو یقین کیجیے وہ پُرسُکون اور غیر مبہم انداز سے اپنا ہدف حاصل کرلے گا، اسے دورانِ تحریر ایک عجیب خوشی اور سُکون محسوس ہوگا بلکہ اس کو اپنی تحریر کی کامیابی کا ایسا یقین ہوگا جو اس کے قلم کی روانی، متنوع مَضامین اور دلچسپ تراکیب کی آمد میں بے حد مدد فراہم کرے گا۔

﴿4﴾ اُسلوبِ تحریر

اُسلوب مصنف کے خاص پیرایۂ اظہار کا نام ہے جس کے ذریعہ وہ اپنے فکر وخیال کی لفظی مُرَقَّع نگاری اس مؤثِّر انداز سے کرتا ہے کہ بیان کی شدت قاری کے دِل کو مُسَخَّر کرلیتی ہے؛ گلدستۂ معانی کو نئے ڈھنگ سے سنوارنا اور ایک پھول کے مضمون کو سو رنگ سے باندھنا ایک بیدار مغز صاحبِ اُسلوب مصنف ہی کی شان ہے! یہ ایک لاریب حقیقت ہے کہ مصنف جب پرورشِ لوح و قلم کا فریضہ انجام دینے لگتا ہے تو وہ قلب و روح کی گہرائیوں سے اس کو پروان چڑھاتا ہے؛ دریں اثنا اس کے ذہن میں ایسے مضامین کا وُرُود ہوتا ہے جو خوبصورت قالب کے محتاج ہوتے ہیں، انہیں بے ڈھنگا قالب دیا جائے تو مرکزی خیال ہی مُتأثِّر ہوجائے اور چھوڑ دیا جائے تو تحریر بے روح ہوکر رہ جائے! اس وقت مصنف کو چاہیے ان مضامین کو ضائع نہ ہونے دے بلکہ انہیں مرکزی خیال کے تابع کرے اور ایک خوبصورت جامہ پہنانے کے لیے سرتوڑ کوشش کرے کہ "یہی وہ مضامین ہیں جو اسلوب کو خوبصورت بنائیں گے، بلکہ یہی تو ہے جسے تحریر کہا جائے!"۔

مصنف اس بات کو پیشِ نظر رکھے کہ "اُسلوبِ تحریر" جتنا واضح اور رنگین ہوگا اس کے پڑھنے والے اتنے ہی زیادہ ہوجائیں گے؛ بعض کتابیں عام معلومات پر مشتمل ہونے کے باوجود بہترین اُسلوب کی وجہ سے قارئین کی توجہ اپنی طرف کھینچ لیتی ہیں ان کے مَضامین کا باہمی ربط، تراکیبِ کلامیہ اور برمحل محاورات و استعارات کا استعمال اتنا دلچسپ ہوتا ہے کہ قاری اس کے سحر سے نکلنا ہی نہیں چاہتا، لہٰذا "ایک اچھے رائیٹر کو چاہیے وہ صرف صاحبِ تحریر ہی نہ رہے بلکہ صاحبِ اُسلوب مصنف بننے کی کوشش کرے" کیونکہ اس کی کامیابی کا راز تحریر کے زبردست اُسلوب میں ہی پِنہاں ہے۔

یہاں اُسلوبِ تحریر کو دو عنوانات کے تحت بیان کیا جارہا ہے مُلاحظہ کیجیے:

(1) اُسلوبِ تحریر کی تشکیل:

تحریر سے پہلے اس کا خاکہ بنالینا وقت کی بچت اور بار بار کی ذہنی تھکاوٹ سے محفوظ رہنے کا ذریعہ ہے، لہٰذا لکھاری کو چاہیے کتاب یا مضمون وغیرہ لکھنے سے پہلے اس کے موضوع، تکمیل کی مدت اور کتاب کے مطلوبہ حجم کو سامنے رکھتے ہوئے ایک جامع خاکہ مرتب کرلے، مثلاً اگر وہ کوئی فنّی یا تحقیقی کتاب لکھ رہا ہے تو اس کے مضامین کو ابواب، فصول اور مَباحِث کی صورت میں تقسیم کردے اور درجہ بدرجہ اس کی تکمیل کرے۔ بعض اوقات لکھنے والے کا مقصد کسی مسئلہ پر تحقیق نہیں ہوتا بلکہ اس مسئلہ کی اَہمیت اُجاگر کرنا ہوتا ہے؛ یہاں پر بھی مضامین اور عنوانات کی ترتیب اِتفاقی نہ ہو بلکہ باقاعدہ طے شدہ خاکے کے مطابق ہو تاکہ دورانِ تحریر اُلجھن اور ذہنی اِنتشار دخیل نہ ہوسکے اور مضامین لڑی میں پروئے ہوئے موتیوں کی طرح مزید خوبصورت معلوم ہونے لگیں۔

عام طور پر کتاب کے دو خاکے بنانے کی ضرورت پیش آتی ہے؛ پہلا خاکہ موضوع پر معلومات جمع کرنے سے پہلے، دوسرا معلومات جمع ہونے کے بعد اور تحریر شروع کرنے سے پہلے۔

پہلا خاکہ: موضوع پر معلومات جمع کرنے سے پہلے جو خاکہ بنایا جائے گا وہ لکھنے والے کی اس موضوع پر موجودہ معلومات اور چند کتب کے سرسری جائزے کی روشنی میں ترتیب دیا جائے گا؛ اس خاکہ میں تبدیلی کی کافی گنجائش ہوگی یہ خاکہ کسی بھی حد تک فائنل ہونے کی حالت میں نہیں ہوگا، اس خاکہ کا صرف اتنا فائدہ ہوگا کہ محرر کی اس موضوع پر جتنی بھی معلومات ہے وہ اِشاریہ کی صورت میں ایک جگہ جمع ہوجائے گی یوں یہ خاکہ موضوع پر ترتیب وار معلومات جمع کرنے میں مُعاوِن ثابت ہوگا، تلاش و جستجو کو کارآمد بنادے گا اور موضوع سے ہٹ کر معلومات کی طرف جانے سے رکنے کا سبب بنے گا۔ اگر یہ خاکہ ترتیب نہ دیا جائے تو مبتدی محرر کو ہر چیز ایسی محسوس ہوگی کہ وہ اس کے موضوع کے مطابق ہے یوں وہ مقررہ مدت میں اپنا ہدف حاصل نہیں کرسکے گا بلکہ شاید سارا وقت معلومات جمع کرنے میں ہی صرف کردے اور لکھنے کی نوبت ہی نہ آئے!

دوسرا خاکہ: پہلے خاکے کی روشنی میں جمع مواد کے مرحلے سے گزرنے کے بعد صنف تحریر کو معین کیا جائے گا اور پھر تمام تر معلومات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے تحریر کے منہج اور ترکیبی اُسلوب پر مشتمل فائنل خاکہ بنایا جائے گا جس پر کتاب یا مضمون مرتب کرنا ہے۔ خاکے کی ترتیب کے دوران درج ذیل اُمور کا لحاظ رکھنا مفید رہے گا:

۞ جمعِ مواد کے بعد اور خاکہ بنانے سے پہلے کم از کم دو سینئر مصنفین سے اُسلوب کے متعلق تفصیلی مُشاوَرَت کرلیجیے۔

۞ آپ نے جو کچھ معلومات جمع کی ہیں ضروری نہیں کہ آپ ان سب کو اپنی تحریر کا حصہ بنائیں بلکہ کتاب کے حَجْم اور مدت تکمیل کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اَہم فالاَہم کے تحت خاکہ بنائیے۔

۞ آپ کی تحریر کا خاکہ صنفِ تحریر سے ہم آہنگ ہونا چاہیے؛ ایسا نہ ہو دو صفحات کے مضمون کو ابواب و فصول میں تقسیم کرنے کی کوشش کریں یا سینکڑوں صفحات کی کتاب محض عنوانات کے رحم وکرم پر مرتب کردیں!

۞ خاکہ ترتیب دیتے ہوئے اپنے قارئین کو مدِ نظر رکھیے؛ جس طرح ایک مصنف کے اپنے قاری سے تقاضے ہوتے ہیں اسی طرح قاری کے بھی مصنف پر کچھ حقوق بنتے ہیں!

۞ خاکے کا مقصد کتاب کی معقول حد بندی کرنا ہوتا ہے اس کو الجھانا نہیں۔

(2) اُسلوبِ تحریر کے بیانی عناصر:

اُسلوب، تحریر کی کسی بھی صِنْف سے تعلق رکھتا ہو اس کے بیانی عناصِر تین ہی ہوں گے جو پوری تحریر میں روح کی طرح کارفرما رہیں گے ذیل میں ان تینوں عناصِر کو بیان کیا جارہا ہے مُلاحَظہ کیجیے:

الف-مصنف کی اِنفرادیت: ایک خوبصورت اُسلوب کے لیے بہترین مصنف کا ہونا ضروری ہے، ایک ایسا مصنف جو اپنے خیالات کے تسلسل کو عمدہ عبارات میں یوں پروسکے جیسے نرم دھاگے میں موتی پروئے جاتے ہیں؛ یہ طرزِ تحریر ہی اسے دوسرے لکھاریوں سے ممتاز کردے گا، یہی وجہ ہے کہ مُنفرِد اُسلوب زبردست تاثیر کا حامل ہوتا ہے؛

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃُ اللہِ علیہ نے اسلام کی تشریحات اور مقدس شخصیات کی شان بیان کرنے کے لیے جو خوبصورت نَثْری و نظمی اُسلوب اپنایا ہے خطۂ ارضی پر کسی نے اختیار نہیں کیا۔

مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃُ اللہِ علیہ کا طرزِ تحریر قارئین کو ایسا مسحور کرتا ہے کہ وہ جب تک آپ کے میخانے کے سارے جام نوش نہ کرلیں سکون نہیں آتا اور برسوں اس کے نشہ میں مخمور رہتے ہیں۔

رئیس التحریر مولانا ارشد القادری رحمۃُ اللہِ علیہ کا ولولہ انگیز اُسلوبِ تحریر ہر صاحبِ مطالعہ جانتا ہے ایک پھول سے سو مضمون نکالنا آپ ہی کی شان ہے۔

ایسے بہت سارے علما ہیں جن کا اُسلوب سب سے مختلف اور یگانہ ہے وہ اپنے اپنے اُسلوب کے تنہا مالک ہیں حتّٰی کہ

www.dawateislami.net

کسی بیدار مغز کتب بین کے سامنے کوئی عبارت پڑھی جائے تو اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ جس انداز سے مرتب کی گئی عبارت ہے وہ فلاں عالم دین کا ہی طرز ہے۔

ب- انسانی رویہ: بہترین اُسلوب کا مالک بلند اخلاقی قدروں کا مالک بھی ہوتا ہے، نہایت باریکی سے جو چیز اُسلوب میں در آتی ہے وہ روز مرہ کے انسانی رویے ہیں؛ ایک مصنف جس ماحول میں اٹھتا بیٹھتا ہے وہ ماحول اس کے رہن سہن، وضع قطع، عادات و اطوار اور الفاظ و گفتار پر اثر انداز ہوتا ہے تو لا محالہ وہ اس کے تحریری اُسلوب پر بھی اثر انداز ہو گا، لہٰذا بہترین اُسلوب کے خواہش مند لکھاری کو چاہیے وہ اپنے گرد و پیش کے ماحول اور اپنی صحبتوں کی پاکیزگی کا خیال رکھے، انسانی رویوں کے مذموم مُحرِّکات؛ حسد، تکبر، خود نمائی اور عجب، وغیرہ سے خود کو بچائے کہ یہ صِفات اس کے اُسلوب کے الجھاؤ کا سبب بنیں گی اور اس کے ذوقِ تحریر کو بھی خاصا متأثر کریں گی جو محرر کے شان دار اُسلوب کے لیے زہرِ قاتل اور قارئین پر طاری سحر کے لیے کھٹائی ثابت ہوں گی۔

ج- الفاظ و خیال: عمدہ اُسلوب کی حامل تحریر میں سب سے زیادہ اَہمیت "الفاظ اور خیال" کی ہے؛ مصنف کے دل و دماغ میں محفوظ معلومات اور اس کی قوتِ حس سے پیدا ہونے والے نت نئے نتائج و خیالات یقین کی منزل پانے کو نوکِ قلم سے سینۂ قرطاس پر آنے کے لیے مچل رہے ہوتے ہیں، اگر یہ خیالات گلاب کی پتیوں جیسے نرم و نازک الفاظ اور لطیف تراکیب کے بندھن میں وجود پا جائیں تو بُوئے گُل سے کم نہیں ہوتے کہ پھول کی خوشبو مَشامِ جاں معطر کرتی ہے اور نفیس خیال عقل، حال، اور مستقبل کو خوشبو دار بنا دیتا ہے۔ لہٰذا مصنف کے لیے ضروری ہے وہ معلومات کا رش لگانے کے بجائے مفید معلومات کو جگہ دے تاکہ اس سے مفید خیالات پیدا ہو سکیں اور خوبصورت لہجوں میں اُتر کر کوثر و تسنیم سے دھلے الفاظ کے ذریعہ گلستانِ حیات کو مہکا دیں۔

جب لکھاری مذکورہ عناصر کی روشنی میں اپنی تحریر کی صورت گری کرتا رہے گا تو "ایک دن" اس کے اُسلوب کی پہچان بھی "سادہ، بے تکلف، خوش آہنگ اور خوبصورت" جیسے کلمات سے ہونے لگے گی اِن شاءَ اللہ۔

بہترین اُسلوب اپنانے کے طریقے:

مبتدئین کو چاہیے میدانِ تحریر میں قدم رکھتے ہی خود کو صاحبِ اُسلوب نہ سمجھنے لگیں بلکہ تحمل کے ساتھ خود کو اس بات کے لیے تیار کریں کہ "آپ کو اپنے ایک ایسے اُسلوب کی تخلیق کرنی ہے جو قارئین کے سامنے آپ کی شخصیت کا

www.dawateislami.net

مظہر ہو گا، آپ کی غیر موجودگی میں آپ کا تعارف کروائے گا!" یقیناً کوئی بھی با مقصد شخص اپنا تعارف مبہم انداز میں نہیں کروانا چاہے گا بلکہ اس کی کوشش ہو گی کہ اس کا تعارف واضح اور غیر مبہم طریقے پر ہو۔ لہٰذا اُسلوب کی بہتری کے لیے مصنف کا سنجیدہ اور ذہنی طور پر مکمل تیار ہونا بے حد ضروری ہے۔ ذیل میں بہترین اُسلوب اپنانے کے دو مؤثر طریقے پیشِ خدمت ہیں، ان کی روشنی میں مشق کی جائے گی تو ان شاءاللہ ایک عمدہ اُسلوب وجود پذیر ہو گا:

پہلا طریقہ: مبتدی کو چاہیے اپنے مزاج، خیالات، ماحول اور تعلیم کے ضمن میں ودیعت شدہ اُسلوب کو کسی ماہر صاحبِ تحریر کی مدد سے جانچنے کی کوشش کرے؛ لکھے اور خوب لکھے لیکن جو بھی لکھے اپنے استاذِ محترم کو ضرور چیک کروائے اور ان سے درخواست کرے کہ وہ فنِ تحریر کی ہر جِہَت سے اس کے لکھے ہوئے کو پَرکھیں اور مناسب اُسلوب پر اس کی مشق کروائیں۔ بہترین اُسلوب اختیار کرنے کا سب سے زبردست طریقہ یہی ہے۔

دوسرا طریقہ: مطلب نویسی کے ذریعہ بھی اُسلوب بہتر کیا جاسکتا ہے۔ مطلب نویسی سے مراد: اپنے کسی من پسند صاحبِ اُسلوب لکھاری کا مضمون، کالم، رسالہ یا کتاب کا مخصوص حصہ لیجیے اور اس کا دو بار مطالعہ کیجیے؛ پہلی بار مضمون اور موضوع سے ہم آہنگی کے لیے اور دوسری بار اس لکھاری کے استعمال کردہ عمدہ الفاظ، مُنفرِد تراکیب اور دلچسپ محاورات وضرب الامثال کو خط کشیدہ کرنے کے لیے، پھر ان خط کشیدہ عبارات کو الگ صفحہ پر ترتیب سے لکھ لیجیے۔

اب اس موضوع سے ملتا جلتا موضوع یا اس کا مرکزی خیال لیجیے اور اس مضمون کے اِبتدائیہ سے ملتا جلتا اِبتدائیہ لکھیے اور اپنے قلم کار کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے اپنا مضمون مکمل کرلیجیے۔ چند بار اس طرح کرنے سے مبتدی کا قلم چل پڑے گا اور ان شاءاللہ بہت جلد یہ صاحبِ اُسلوب مصنفین کی صف کی طرف بڑھنے لگ جائے گا۔

❁❁❁❁❁

دو قیمتی باتیں

- جو لکھنے کے لیے کسی مناسب وقت کے انتظار میں بیٹھا رہے وہ کچھ بھی لکھے بغیر ہی دنیا سے رخصت ہو جائے گا۔
- کسی چیز کا ملکہ حاصل کرنے کے لیے صبر اور استقامت کے طویل سفر سے گزرنا پڑتا ہے تب کہیں مقصود حاصل ہوتا ہے کیونکہ ملکہ کا حصول مسلسل تکرار پر موقوف ہے اور یہ تکرار طویل المیعاد ہونے کے سبب نفس پر بہت گراں ہے۔

مشقی و عملی سُوالات

1←تحریر کے مقاصد بیان کیجیے اور اس کے مُثبَت نتائج کا چارٹ بنائیے۔

2←نووارد لکھاری موضوع کے اِنتخاب میں اُلجھن کا شکار کیوں ہو جاتے ہیں؟

3←موضوع اور مرکزی خیال کا باہمی کیا ربط ہے؟

4←اِنتخابِ موضوع کے بیان کردہ ذرائع میں مزید اِضافہ کیجیے اور اس کی وضاحت دیجیے۔

5←اِنتخابِ موضوع کے کتنی اور کون کون سے اُصول بتائے گئے ہیں؟

6←بزرگانِ دین کی تحریر کے مقاصد کیا تھے؟ بیان کردہ مثالوں کے علاوہ بیان کیجیے۔

7←اُسلوبِ تحریر کی تشکیل کا طریقہ بتائیے۔

8←اُسلوبِ تحریر کی بہتری میں مصنف کی اِنفرادیت کا کیا کردار ہے؟

9←عمدہ اُسلوب کے لیے الفاظ وخیال کیا حیثیت رکھتے ہیں؟

10←طویل کتاب کو مختصر کرنے کی کوئی پانچ مثالیں مصنفین کے ناموں کے ساتھ تحریر کیجیے۔

11←اس فصل سے آپ نے کیا سیکھا 12 لائنوں میں تحریر کیجیے۔

12←فصل میں آنے والے اپنے پسندیدہ الفاظ، جملے، تراکیب اور مُحاوَرے الگ صفحے پر نوٹ کیجیے۔

13←موضوع منتخب کرنے کے اُصولوں کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے 10 موضوعات کی فہرِست مرتب کیجیے اور کسی ایک کا بنیادی خاکہ بنائیے۔

دوسری فصل: دورانِ تحریر

خدمتِ دین کا جذبہ رکھنے والا لکھاری جب پہلی فصل میں بیان کی گئی تمام چیزوں کی مکمل تیاری کرلے گا تو اب عملاً اپنے مقصد کی جانب متوجہ ہوگا اور تحریر کا آغاز کرے گا؛ اس دوران لکھاری کو چاہیے ایک ایسی تحریر معرضِ وجود میں لانے کی کوشش کرے جو قارئین کے لیے علم و معلومات میں اِضافہ، اِنفرادی واِجتماعی اصلاح اور خدمتِ دین کے لیے گراں قدر کارنامہ شمار ہوسکے، یہ سب اسی وقت ممکن ہے جب لکھاری اِبلاغ کے ساتھ ساتھ دیگر آدابِ تحریر کا مکمل لحاظ رکھے۔ ذیل میں چار عنوانات کے تحت وہ چند اَہم باتیں ذکر کی جارہی ہیں جن کا ایک رائٹر کو لحاظ رکھنا ضروری ہے:

﴿1﴾ الفاظ، جملے اور پیراگراف ﴿2﴾ قارئین سے وابستگی

﴿3﴾ اِبتداء واِنتہاء ﴿4﴾ عنوانات / ذیلی سرخیاں

﴿1﴾ الفاظ، جملے اور پیراگراف

ذخیرۂ الفاظ کے بغیر تحریر کی کوشش بالکل ایسے ہے جیسے بغیر انجن، بغیر بادبان یا بغیر چپُّوؤں کے کشتی چلانا! ظاہر ہے اِفادہ اور اِستفادہ الفاظ کے ذریعہ ہی ممکن ہے اور الفاظ ہی کتاب یا مضمون کی اِکائی ہوتے ہیں؛ الفاظ سے جملے، جملوں سے پیراگراف، پیراگرافوں سے مضمون اور مضامین سے کتاب وجود پاتی ہے۔ الفاظ اور جملوں وغیرہ سے متعلق ضروری اُمور کو عنوانات کی صورت میں بیان کیا جارہا ہے مُلاحَظہ کیجیے:

ذخیرۂ الفاظ جمع کرنے کے طریقے:

الفاظ کا ذخیرہ جمع کرنے کے مختلف ذرائع ہیں ان میں سے چند پیشِ خدمت ہیں:

مطالعہ: ”تحریر کا آغاز لکھنے سے نہیں پڑھنے سے ہوتا ہے!“ مطالعہ جہاں رائٹر کو بہت سے موضوعات فراہم کرتا ہے وہیں اس کی قوتِ بیان کو بھی بحال کرتا ہے بلکہ وسیع کردیتا ہے۔ تحریر کے لیے الفاظ کا ذخیرہ جمع کرنا ہو تو مطالعے کی اَہمیت مزید بڑھ جاتی ہے؛ مختلف مضامین اور خیالات کو ادا کرنے اور یکساں مفاہیم کو الگ الگ الفاظ میں ڈھالنے کے لیے مُتَرادِف کلمات کی ضرورت کو پورا کرنا ہو تو لکھاری کو کتبِ ادب کی طرف مُراجَعت کرنا پڑے گی؛ عمدہ ذوق کے حامل شُعَرا کے کلام کے ساتھ ساتھ بہت سی ادبی کتابوں کو پڑھنا ہوگا مثلاً طنز و مزاح، سفر نامے، کتبِ تواریخ اور فرضی کہانیوں پر مشتمل ادبی کتب وغیرہ۔ دورانِ مطالعہ نظر میں آنے والے خوبصورت جملے اور نئے الفاظ نوٹ کرنے سے

الفاظ کا ذخیرہ ہو جائے گا۔

البتہ کتبِ ادب کے مطالعہ کے لیے اپنے استاذِ محترم سے راہ نمائی لینا بے حد ضروری ہے کیونکہ ان میں ایسے ادیبوں کی کتب بھی موجود ہیں جنہوں نے ”خدمتِ ادب“ کی آڑ میں رومانوی لب ولہجہ اور عشقِ مجازی کو فروغ دیا ہے! ایسا نہ ہو مبتدی ذخیرۂ الفاظ جمع کرنے جائے اور اپنا تقویٰ وپارسائی ہی لٹوا آئے!

علما کے بیانات: جب آپ لکھنے کے لیے قلم اٹھائیں گے تو ابتداءً وہی الفاظ نوکِ قلم پر آنے کی کوشش کریں گے جو آپ روزمرہ گفتگو میں سنتے یا بولتے ہیں، یہ الفاظ عام طور پر تحریر کا حصہ بننے کے قابل نہیں ہوتے! اگر آپ چاہتے ہیں آغازِ تحریر کے وہ چند لمحات کہ جن میں مضامین کا ایک سَمُنْدَر دِل و دماغ میں موجیں مار رہا ہوتا ہے اس کے تھمنے سے پہلے ہی اسے نفیس الفاظ میں لکھ کر قاری کو حیرت میں ڈال دیں تو کسی بھی مضبوط عالمِ دین کے بیانات سماعت کیجیے اور نہایت یک سُوئی کے ساتھ غور کیجیے کہ وہ کس انداز سے سَمُنْدَرِ علم کے طوفان کا سامنا کرتے ہوئے زبردست لب و لہجہ اور خوبصورت الفاظ میں اپنے خیالات کا اظہار فرما رہے ہیں، اِس سے نا صرف الفاظ کا خزانہ ہاتھ آئے گا بلکہ لکھتے اور بولتے وقت ہمت اور حوصلہ محسوس ہوگا اور زبان و قلم کی گرہیں کُھلنے لگیں گی۔

معمر اَفراد کی صحبت: ذخیرۂ الفاظ کے لیے ایک عام فہم ذریعہ عمر رسیدہ اَفراد کی صحبت میں بیٹھنا بھی ہے کہ یہ عمر کے اس حصہ میں موجود ہیں جس میں زبان پختہ اور خیالات یقین کی منزل پا چکے ہوتے ہیں، ان کی زبان سے نکلنے والے الفاظ اپنے زمانے کے سب سے زیادہ مستعمل اور قابلِ فہم ہونے کے علاوہ فصیح بھی ہوتے ہیں۔ لیکن یہاں یہ خیال رہے کہ معمر اَفراد کے ذریعہ ملنے والے الفاظ ان کے مخصوص لب ولہجہ کی وجہ سے بعض اوقات تبدیل ہو جاتے ہیں، البتہ لُغات میں ان کی درست صورت موجود ہوتی ہے لہٰذا یہاں سے الفاظ چننے کے بعد لُغت کی طرف مُرَاجَعَت ضرور کر لینی چاہیے۔

الفاظ کا استعمال:

تحریر میں رونق اور زندگی پائی جانی چاہیے اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب لکھاری اپنی تحریر کے لیے ایسے الفاظ کا چناؤ کرے جو مطلوبہ مفہوم موزوں ترین انداز میں بیان کرتے ہوں، جنہیں قارئین رَیت کی طرح روند کر نہیں، گلاب کی طرح چن کر آگے بڑھیں! تحریر میں جگہ پانے والے الفاظ جتنے عمدہ اور خوبصورت ہوں گے مضمون اور کتاب کی مقبولیت اتنی ہی زیادہ ہو گی۔

www.dawateislami.net

تحریر میں نامانوس قدیم و متروک الفاظ یا جدید غیر مشہور کلمات کے بجائے رائج الوقت واضح اور معروف کلمات استعمال کرنے چاہئیں۔ الجھی باتیں اور بھونڈی تشبیہات تحریر کو خشک، بے جان، غیر مؤثر اور قاری کو خواہ مخواہ ذہنی مشقت میں ڈالنے کا سبب بنتی ہیں؛ یہ ہموار راستے میں پڑے ہوئے اس پتھر کی طرح ہیں جس کی وجہ سے لکھاری خود تو ٹھوکر کھائے گا ہی اس کے ساتھ چلنے والا بھی بہت جلد تھکاوٹ بلکہ اکتاہٹ کا شکار ہو جائے گا۔

تحریر میں غیر زبان کا استعمال خود کی تحقیر کرنے کے زُمرے میں آتا ہے لہٰذا جس زبان میں لکھا جارہا ہے حتَّی الامکان کوشش کی جائے کہ پوری تحریر میں اس زبان کے علاوہ دوسری زبان کا لفظ استعمال نہ ہو مثلاً اردو کتاب میں انگریزیت یا عربیت کی جھلک اچھی بات نہیں۔ البتہ اصل تحریر میں استعمال شدہ کسی لفظ کی تسہیل کے خاطر دوسری زبان کا سہارا لینا پڑے تو یہ الگ بات ہے۔

تحریر میں تنوّع کا پایا جانا خوبی کی دلیل ہے جبکہ لفظی تکرار یا ایک ہی فقرے کا بار بار دہرایا جانا کمزور اور محدود لفظی خزانے کا پتا دیتا ہے، اگرچہ یہ معاملہ لکھاری کی بے پروائی یا سُستی کی وجہ سے ہی کیوں نہ ہو؛ یہ تکرار لفظوں میں بھی ہو سکتی ہے، جملوں میں بھی اور مفہوم میں بھی، لیکن ایک اچھے قلم کار کا ان تینوں سے بچنا ضروری ہے۔ لفظوں کی تکرار سے بچنے کا ایک آسان حل دورانِ تحریر مُتَرادِف کلِمات پر مشتمل لُغات کا بار بار استعمال کرنا ہے۔ بعض اوقات لکھاری لفظ کی تکرار سے تو محفوظ ہو جاتا ہے لیکن اسی لفظ کی شکلی مُشابَہَت والے لفظ سے بچنا مشکل ہوتا ہے، ایسی صورت میں اسے چاہیے دو ایسے الفاظ جو معنٰی میں مختلف اور شکل و صورت میں مُشابِہ ہوں اور ان کو ایک ہی جملہ میں استعمال کرنے کی نوبت آن پڑے تو ان کے مابین کم از کم دو لفظوں کا فاصلہ رکھے، زیادہ فاصلہ ہو تو اور بہتر ہو گا، مثلاً:

(1) "میں" نے سِن 2016 "میں" درسِ نظامی مکمل کیا (2) سِن 2016 "میں میں" نے درسِ نظامی مکمل کیا

ان دونوں جملوں کا مفہوم بلکہ الفاظ کی تعداد بھی یکساں ہے، لیکن پہلا جملہ دوسرے کے مقابلے میں زیادہ رواں ہے۔ یہی صورتِ حال دیگر الفاظ میں بھی پیش آجاتی ہے، مثلاً: کیا کیا، بھی ابھی، سے اسے اور بھی کبھی وغیرہ۔ البتہ اَشعار میں اس کی بھرپور گنجائش ہوتی ہے، مثلاً اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ کا مبارک شعر:

یوں ملائک کریں معروض کہ اک مجرم ہے
اس سے پرسش ہے بتا تونے "کیا کیا کیا" ہے (حدائقِ بخشش)

شہنشاہِ سخن مولانا حسن رضا خان بریلوی رحمۃُ اللہِ علیہ کا شعر:

گنا ہگار پہ جب لطف آپ کا ہو گا
کیا بغیر کیا بے "کیا" کیا" ہو گا (ذوقِ نعت)

اِصطِلاحی الفاظ:

جس موضوع پر لکھا جارہا ہے اس کی اِصطِلاحات سے واقف ہونا ضروری ہے تاکہ موضوع سے متعلق تمام مفاہیم اور علمی مَباحِث مصنف کی گرفت میں رہیں۔

دورانِ تحریر اِصطِلاحات کا ذکر ضرور کیا جائے لیکن نئی اِصطِلاح کی وضاحت ضرور کر دی جائے، اس وضاحت کے تین طریقے معروف ہیں:

(1) چلتے جملے کے دوران جہاں وہ قابلِ وضاحت اِصطِلاح آجائے وہیں اس کی وضاحت لکھ دی جائے؛ اس کا طریقہ یہ ہو سکتا ہے: وضاحت قوسین (بریکٹ) میں یا کوماز ("") میں لکھ دی جائے۔

(2) چلتے جملے کے دوران جہاں وہ قابلِ وضاحت اِصطِلاح آجائے وہاں حاشیہ میں وضاحت کر دی جائے۔

(3) چلتے جملے کے دوران جہاں وہ قابلِ وضاحت اِصطِلاح آجائے اس کے اگلے جملے میں اس کی وضاحت جملے کی صورت میں لکھ دی جائے، اس سے جملے کا تسلسل بھی متاثر نہیں ہوتا اور وضاحت بھی ہو جاتی ہے۔

جملہ / کلام:

موتیوں کے سے الفاظ چن لینے کے بعد انہیں جملوں میں ڈھالنا خاصی مہارت کا کام ہے، لکھاری کو چاہیے خوب غور و خوض کے بعد اپنے مافی الضمیر کو منتخب الفاظ کی مدد سے جملوں میں بیان کرے، جس زبان میں تحریر کی جارہی ہے اس کے قواعدِ اِنشا اور کلِماتِ ثلاثہ کی نشست و برخاست کے اُصولوں کو ملحوظ رکھے اور ضرورتاً علاماتِ وقف بھی استعمال کرے۔

جملوں کی طوالت و اِختصار:

جملہ طویل ہونا چاہیے یا مختصر اس کا کوئی متفقہ اُصول نہیں ہے؛ بعض مفہوم طویل جملوں کا تقاضا کرتے ہیں اور بعض مختصر جملوں میں بھی بخوبی سما جاتے ہیں، ایک اچھی تحریر کو چھوٹے اور لمبے جملوں کا متوازن مجموعہ ہونا چاہیے۔ جملوں کے حجم کے حوالے سے درج ذیل ہدایات کو ضرور پیشِ نظر رکھیے:

www.dawateislami.net

(1) اگر آپ رموزِ اوقاف؛ کوما(،) کالن (:) سیمی کالن (؛) انورٹڈ کوماز (""-'') وغیرہ کے اِستعمال سے واقف نہیں ہیں تو لازمی واقفیت حاصل کیجیے ورنہ ہمیشہ اپنی تحریر میں مختصر جملے استعمال کرنے کا اِلتزام کیجیے!

(2) جملے طویل کرنے کی حاجت ہو تو بقدر حاجت ہی اسے طویل کیجیے؛ حروفِ عاطفہ کے ذریعہ زبردستی طول دینے سے بہتر ہے بغیر عَطف کیے جملوں کی تعداد بڑھا دی جائے۔

(3) اگر کوئی جملہ فطری طور پر طویل ہو رہا ہو تو اس کو خواہ مخواہ چھوٹے چھوٹے جملوں میں ڈھالنے کی کوشش مت کیجیے بلکہ اس کی ساخت کو برقرار رکھتے ہوئے اس کا جائز حق اسے دیجیے۔

جملے کی فطری یا غیر فطری طوالت کا صحیح فیصلہ کرنے کی صلاحیت ادیبوں کو پڑھنے اور خوب مشق کرنے کے بعد ہی پیدا ہو سکتی ہے؛ اس وقت تک جملے کی فطری یا غیر فطری لمبائی کو جانچنے کے لیے یہ طریقہ اِستعمال کیجیے: اگر کوئی جملہ اپنی اِبتدا سے اِنتہا تک بغیر جھول اور بغیر اٹکے چل رہا ہے تو سمجھ لیجیے وہ اپنی فطری لمبائی پر مشتمل ہے، اگر کسی بھی مقام پر جھول موجود ہے تو اس کی دو ہی وُجوہات ہو سکتی ہیں؛ یا تو قاری درست پڑھنا نہیں جانتا یا پھر وہ جملہ اپنی فطری ساخت پر نہیں ہے۔

اس سے فرق نہیں پڑتا بلی کالی ہے یا سفید، دیکھنا یہ ہے کہ چوہا پکڑ سکتی ہے یا نہیں؟ تحریر میں طویل جملہ ہونا چاہیے یا مختصر اس بَحث کو ادیبوں اور صاحبانِ فن کے لیے چھوڑ دیجیے: آپ صرف وہ جملہ لکھیے جس میں مطلوبہ مفہوم مؤثر انداز سے ادا ہو سکے چاہے وہ طویل ہو یا مختصر۔

پیراگراف:

ایک ہی مفہوم یا ایک ہی حقیقت کی توضیح کے لیے چند جملوں پر مشتمل ایسا مجموعہ جن کے مابین ایک مضبوط تعلق اور واضح ربط پایا جائے پیراگراف کہلاتا ہے۔

پیراگراف اس قدر جامع مانع اور مستقل نتیجہ پر مشتمل ہونا چاہیے کہ اس کے ذریعہ متعین نکتے تک پہنچنا ممکن ہو، بلکہ اس کو ایک مختصر مضمون سے تعبیر کیا جا سکے۔

لمبے پیراگراف کے مقابلے میں مختصر پیراگراف زیادہ موزوں ہوتا ہے، البتہ کوئی مفہوم اپنی وضاحت کے لیے لمبے پیراگراف کا تقاضا کرتا ہو تو اس کو پورا کرنا لکھاری کی ذمہ داری ہے۔

متعدد پیراگرافوں کے مجموعہ سے مضمون وجود میں آتا ہے لہٰذا دو پیراگرافوں کے درمیان کچھ نہ کچھ ربط ہونا چاہیے تاکہ مضمون موضوع سے مختلف معلوم نہ ہو۔

﴿2﴾ قارئین سے وابستگی

تحریر ہو یا بیان یا پھر نیکی کی دعوت کا کوئی بھی طریقہ اس میں سب سے اَہم یہ ہے کہ نیکی کی دعوت دیتے وقت مُخاطب کو ایسا لگنا چاہیے کہ کوئی اپنا ان سے بات کر رہا ہے، جب تک مُخاطب تحریر میں اپنائیت محسوس کرتا رہے گا وہ آپ کی طرف متوجہ رہے گا اور تمام باتیں سمجھنے کے لیے اپنا ذہن کُھلا رکھے گا، یہی وہ وابستگی ہے جو ایک لکھاری کو درکار ہوتی ہے۔

تحریر میں آسان الفاظ، دلچسپ محاورات اور ضرب الامثال کے ساتھ ساتھ کہاوتیں، اِقتباسات، حکایات اور موقع کی مناسبت سے اچھے اشعار ذکر کیے جائیں۔

تحریر مُخاطب کے تہذیبی، معاشرتی اور تمدّنی پسِ منظر میں ہو تو وہ بے پناہ اپنائیت محسوس کرے گا، اسے آپ کی تحریر کی صورت میں بہترین دوست مل جائے گا جو اس کے اِرد گرد کے احوال سے واقفیت رکھتا ہے اور اسی کی روشنی میں اس کی راہ نمائی کرتا ہے۔

مصنف اپنے پختہ اور ذاتی تجربات کو دلکش اُسلوب میں ڈھال کر بیان کرے، البتہ اس دوران واحد متکلّم کے صیغوں اور حاکمانہ لہجے کے بجائے جمع کے الفاظ اور حکیمانہ انداز ہونا چاہیے۔

ذیل میں مزید ایسی اِضافی چیزیں بیان کی جا رہی ہیں جو قارئین کی دلچسپی کا باعث بنتی ہیں، مُلاحظہ کیجیے:

اِختصار و جامعیت:

”کوزے میں دریا بند“ محاورہ ایسی ہی تحریر یا بات کے لیے وضع ہوا ہے جس میں الفاظ کم اور معانی زیادہ ہوں، ایسی تحریر باذوق اَفراد کی توجہ اپنی جانب کھینچ لیتی ہے۔ البتہ اِختصار و جامعیت کا فیصلہ لکھاری کو صِنفِ تحریر اور اپنے قارئین کی ذہنی سطح کو دیکھ کر کرنا ہوگا کیونکہ اِختصار کے لیے قاری کی ذہنی سطح کا ایک خاص دَرجے تک بلند ہونا لازمی ہے، بصورت دیگر اِختصار کی طرف جانا تحریر کے مطلوبہ نتائج سے محرومی کا باعث ہوگا۔

ظرافت / خوش طبعی:

تجربے کی بات ہے تحریر میں اگر مزاح کا عنصر شامل کر دیا جائے تو تحریر کی اثر پذیری اور مقبولیت کو چار چاند لگ

www.dawateislami.net

جاتے ہیں، لہٰذا ظرافت یا بذلہ سنجی کو تحریر کا حصہ بنانا نہایت مفید ہوگا؛ یہ اشعار کی معمولی ردو بدل، الفاظ کے اِملا کی تبدیلی، الفاظ کے استعمال اور مکمل جملے کی شکل میں بھی ہو سکتی ہے، نیز تحریر میں مزاح جتنی سنجیدگی سے ہوگا اتنا ہی پُر لطف ہوگا، لیکن اس کے لیے لکھاری کی حسِ مزاح کا تیز ہونا اور اَہلِ فن کی مزاح نگاری کا مطالعہ کرنا نہایت ضروری ہے۔

منظر نگاری:

منظر نگاری مُخاطَب کی توجہ اور دلچسپی برقرار رکھنے کا کامیاب ترین ذریعہ ہے، کئی اَہلِ فن اپنی تحریر کی دلچسپی بڑھانے کے لیے منظر نگاری سے کام لیتے ہیں، بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ اچھی منظر نگاری پر مشتمل تحریر قاری پڑھنا شروع کرے اور ادھوری چھوڑ دے، لہٰذا نیکی کی دعوت کی ذمہ داری اٹھانے والے لکھاری کو چاہیے منظر نگاری پر خوب محنت کرے اور بہتر سے بہترین تخلیق کرنے کی کوشش کرے تاکہ نیکی کی دعوت تحریر کے ذریعہ مکمل طور پر قاری کے دل و دماغ میں گھر کر جائے۔

منظر نگاری لفظوں کے ذریعہ مُخاطَب کے ذہن میں تصویر کشی کرنے کا نام ہے لہٰذا لکھاری کو چاہیے وہ الفاظ جو تصوّر اور خیال کو تصویر کی صورت مُخاطَب کے ذہن میں اُبھار سکیں ان کا بخوبی استعمال سیکھے اور اس کی خوب مشق کرے مثلاً اپنے خیالات کو بصارت، سماعت اور حس کو متحرک کرنے والے کلمات کے سہارے نمو بخشے اور ان کو حکایتی جملوں میں مرتب کرتا چلا جائے اس طرح بہترین منظر کشی کے ساتھ زبردست مضمون وجود پذیر ہو جائے گا، اگر معمولی تشبیہات بھی شامل ہو جائیں تو یقین کیجیے مضمون کو چار چاند لگ جائیں گے۔ تشبیہات کا استعمال اِبتداءً مشق کے طور پر کیا جائے جب اس راہ پر قلم چل پڑے تب اصل مضمون کی تحریر کے دوران تشبیہ کا استعمال کرے؛ مشق کے بغیر اصل مضمون میں تشبیہات کی کوشش موضوع سے ہٹنے کا سبب بن سکتی ہے۔

منظر نگاری کے دو مؤثر طریقے:

منظر نگاری کے دوران اس بات کا لحاظ اِنتہائی ضروری ہے کہ مضمون کے حجم کو دیکھتے ہوئے منظر نگاری کی جائے؛ لمبے مضمون میں نسبتاً طویل منظر نگاری اور مختصر مضمون میں مختصر منظر نگاری ہی فائدہ مند ہوگی۔ منظر نگاری کے طریقوں کے ضمن میں مختصر اور طویل منظر نگاری کی مثالیں بھی مُلاحظہ کیجیے:

پہلا طریقہ: عام طور پر منظر نگاری کرنے والے قلم کار کسی واقعہ کے تناظر میں ہی منظر نگاری کرتے ہیں یا فرضی کہانی

ترتیب دے کر اس کو اپنے فرضی ماضی کا حصہ بنانے کے بعد اس پر منظر نگاری کی جاتی ہے۔ یہ بھی ایک عمدہ اور قابلِ تقلید عمل ہے کہ تاریخِ اسلام اور مختلف واقعات کو اس طریقِ کار سے بخوبی بیان کیا جاسکتا ہے بلکہ دِلوں میں راسخ کیا جاسکتا ہے۔ اس قسم کی منظر نگاری کے لیے عمدہ ترین منظر کشی رئیس التحریر مولانا ارشد القادری صاحب نے فرمائی، اس کی ایک جھلک بطورِ نمونہ مُلاحظہ کیجیے:

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃُ اللہِ علیہ کا دعوت میں جانے کے لیے نکلنے کا منظر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

امامِ اَہلِ سُنَّت کی سواری کے لیے پالکی دروازے پر لگادی گئی تھی، سینکڑوں مشتاقانِ دید انتظار میں کھڑے تھے؛ وضو سے فارغ ہو کر کپڑے زیبِ تن فرمائے، عمامہ باندھا اور عالمانہ وقار کے ساتھ باہر تشریف لائے؛ چہرۂ انور سے فضل و تقویٰ کی کرن پھوٹ رہی تھی، شب بیدار آنکھوں سے فرشتوں کا تقدس برس رہا تھا، طلعتِ جمال کی دِل کشی سے مجمع پر ایک رقت انگیز بے خودی کا عالم طاری تھا گویا پروانوں کے ہجوم میں ایک شمع فروزاں مسکرا رہی تھی اور عندلیبانِ شوق کی انجمن میں ایک گُلِ رعنا کھلا ہوا تھا۔ بڑی مشکل سے سواری تک پہنچنے کا موقع ملا۔[1]

دوسرا طریقہ: منظر نگاری کسی نظریہ یا خیال کی پختگی کے لیے کی جاتی ہے اگرچہ اس میں بھی سہارا وقوعی چیزوں کا ہی لیا جاتا ہے لیکن اصل مقصود وہ وقوعی چیزیں نہیں بلکہ ان کے اسباب و محرکات کو جزئیات کے ساتھ دِل و دماغ میں بٹھانا ہوتا ہے، یہ منظر کشی نیکی کی دعوت کے جذبہ سے سرشار لکھاری کے لیے نہایت کارآمد اور پر تاثیر ہوتی ہے۔ مثلاً "بارش اللہ کی عظیم نعمت ہے!" اس بات کو مُخاطَب تک پہنچانے کا ایک سادہ سا طریقہ ہے کہ اتنی بات لکھ دی جائے:

"بارش اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے جس سے زمین پر بسنے والے ہر ذی جان کی زندگی وابستہ ہے؛ انسان حیوان، چرند پرند ہر ایک خوش گوار زندگی کے لیے بارش کا محتاج ہے۔"

اس سے مقصود تو حاصل ہو جائے گا اور لکھنے والے کی ذمہ داری بھی پوری ہو جائے گی، لیکن مُخاطَب کے دِل میں بات اپنی جزئیات کے ساتھ راسخ نہیں ہو گی، یہ گوہر منظر نگاری کے ذریعہ بخوبی حاصل ہو سکتا ہے، مثلاً اسی بات کو منظر نگاری میں مُلاحظہ کیجیے:

"موسمِ سرما کے جاتے ہی سورج اپنے تیور دکھانے لگتا ہے، ٹھنڈے موسم میں گدگدی کرنے والی دھوپ کانٹوں کی

1 ...... تجلیاتِ رضا، ص34۔

طرح چبھنے لگتی ہے؛بس فرق یہ ہے کہ کانٹا چبھنے سے خون بہتا ہے اور آفتابِ نصف روز کی تمازت عِرقِ مَسامات نکال دیتی ہے!ہَوا بھی لو کی صورت اختیار کرجاتی ہے، گرمی کے تھپیڑے چہرے کو جھلسا کر رکھ دیتے ہیں؛بچوں کی اٹکلیوں سے آباد گلی کوچے سورج کی حِدت سے ویران ہوچکے ہوتے ہیں!اللہ اللہ کرکے دن کٹتا ہے تو رات کی بے وفائی کا پتا چلتا ہے؛اس نے بھی سورج کے اثر کو قبول کرلیا ہے،ہَوائیں اب تک گرم ہیں، حَبس اوسان پر طاری ہوا جارہا ہے یوں دن اور رات پر تمازَتِ آفتاب کا قبضہ ہوچکا ہے، نظامِ زندگی متاثر ہے چرند پرند بھی پیاس سے نڈھال ہوئے جارہے ہیں، کسی کے بس میں نہیں ہے کہ وہ گرمی کی شِدت پر قابو پاسکے ہر ایک زبانِ حال سے بلکہ اب تو حقیقت میں پروردگارِ عالَم سے رحمت کی برکھا طلب کرنے لگا ہے۔ دعا مستجاب ہوجاتی ہے رحمتِ پروردگار خلقت پر برسنا چاہتی ہے، ان کے حلق و جگر کی خشکی کو تری میں بدلنے کا اِرادہ ہوچکا ہے؛ میکائیل علیہ السلام کی جانب برسات کا حکم متوجہ ہوتا تھا کہ لُو کی جگہ ٹھنڈی ہَوا لینے لگتی ہے سورج کالے بادلوں کی چادر اوڑھ لیتا ہے، اطراف و اکناف کالی گھٹا کی لپیٹ میں آچکے ہوتے ہیں ٹھنڈک اب خنکی کا اِحساس دلانے لگتی ہے اور خشک زمین پر نَم قطرے ٹپکنے کو تیار ہیں! یہ نرم نرم بوندیں مٹی کو مہکانے لگی ہیں اور عجیب سوندھی سی خوشبو حواس پر چھائی جاتی ہے کہ دیکھتے ہی دیکھتے یہ قطرے دو قطرے تیز بارش میں بدل جاتے ہیں! موسلا دھار بارش دن رات برس رہی ہے، بادلوں کی گرج، بجلی کی چمک عجیب کَیف پیدا کررہی ہے۔ تھوڑی دیر پہلے گرمی سے جُھلسنے والا بدن ٹھنڈ سے دانت کِڑکِڑانے لگا ہے، بچوں کے چہروں پر مسکراہٹیں بکھر چکی ہیں وہ گھروں سے نکل کر گلیوں میں کھیلتے نظر آرہے ہیں آج جان داروں کی زندگیوں میں بہار آگئی ہے۔ بارش کا یہ خوبصورت موسم ہر ایک کو پسند ہے؛ یہ کتنا حسین، خوش گوار، دِل کش اور سُہانا ہوتا ہے، جب ہر چیز نکھری نکھری اور دھلی دھلی نظر آتی ہے اور سبزہ آنکھوں کو ٹھنڈک بخشتا ہے؛ پتّا بوٹا، پھول، شاخیں ہَوا میں لہراتی ہوئی ٹھنڈک بکھیرتی ہیں، یہ وہ موسم ہے جس میں دِل خوشی سے جھومنے لگتا ہے۔

خلق کو خوب سیراب کرکے اپنا اثر چھوڑ کر موسم کو خوشگوار بنانے والی بارش جب تھمتی ہے، بادلوں کی سورج کے ساتھ آنکھ مچولی ختم ہوجاتی ہے اور مہربان بادل ایک دوسرے کو پکڑتے پکڑتے کہیں دور نکل چکے ہوتے ہیں تو چمن زار پُر بہار ہوجاتے ہیں، زردی کے رنگے ہوئے پتّے کھیت کھَلیان سرسبز و شاداب نظر آنے لگتے ہیں، مطلع کُھل جاتا ہے موسم صاف ہوتا ہے فضا دھل کر تازہ دَم ہوجاتی ہے، پرندے چہچہانے اور کلیاں مسکرانے لگتی ہیں، قوسِ قزح فضا میں جھولا ڈالے خوش گوار زندگی کی نَوید دے رہا ہے اور ہر ایک سراپا شکر بنا خدا کی اس عظیم نعمت پر واری جاتا ہے کہ اگر یہ بارش نہ ہوتی تو ہماری زندگیوں میں بہار نہ آتی!"

یقیناً اس طرح کی منظر کشی سے بات کی اَہمیت مع جزئیات قاری کے ذہن میں بیٹھ جائے گی، لیکن اس منظر نگاری کے لیے مشاہدے کا مضبوط ہونا اور اس کے بیان پر قدرت ہونا نہایت ضروری ہے۔

(3) اِبتدا و اِنتہا

اِختتام لکھنے سے پہلے آغاز کی تخلیق لازم ہے! ایک اچھے مضمون کی پہچان اس کی چند تمہیدی سطروں سے ہو جاتی ہے اور مضمون کی قوت اس کے اِختتام سے معلوم ہوتی ہے؛ مضمون کا آغاز اور اِختتام منطقی انداز سے ہونا چاہیے یعنی جب قاری آپ کے مضمون کو پڑھے تو اسے اِحساس ہو کہ ہاں واقعی مضمون شروع ہو رہا ہے۔ اگر بلا تمہید و تعارف اچانک مضمون کا آغاز ہوا اور قاری کے ذہن میں یہ خیال اُبھرا کہ اس سے پہلے بھی کچھ ہونا چاہیے تھا تو سمجھ لیجیے آپ کا مضمون منطقی انداز سے شروع نہیں ہو سکا، یوں آغاز ہی میں قاری کا الجھ جانا مضمون مکمل پڑھنے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہو گا۔

انسانوں کی طرح تحریریں بھی مختلف لباسوں میں ہوتی ہیں، ان کے موضوع الگ الگ، ڈھانچے جدا جدا اور لہجے علیحدہ علیحدہ ہوتے ہیں جو انسان کی طرح تحریر میں ایک مخصوص مزاج پیدا کر دیتے ہیں اور تحریر پہلے لکھاری اور پھر قاری سے اپنے مزاج کے مطابق برتاؤ کا تقاضا کرتی ہے، ان کا مزاج درمیان سے زیادہ آغاز و اِختتام پر مُنفرِد رویوں کا طلب گار ہوتا ہے۔ اگر لکھاری اس باریک نکتے کو نباہ جائے اور اپنی تحریر کا منطقی آغاز و اِختتام کرنے میں کامیاب ہو جائے تو یہ ایک بہترین رائیٹر شمار کیا جائے گا۔ لیکن یہ امر قلمی مشق سے زیادہ دماغی ریاضت چاہتا ہے لہٰذا لکھاری اپنی فکری صلاحیتوں کو بڑھانے کی کوشش کرتا رہے۔ منطقی آغاز و اِختتام سے متعلق پانچ باتوں کا ضرور لحاظ رکھیں:

(1) مختصر مضمون کا اِبتدائیہ 20 سے 30 الفاظ پر مشتمل ہونا چاہیے، یہ الفاظ دو سے تین جملوں میں ہوں تو بہتر ہے۔

(2) طویل مضمون کا تعارف دو سے تین پیراگرافوں میں ہو جبکہ کل کلمات کی تعداد تقریباً 150 اور جملوں کی تعداد 6 سے 15 کے درمیان ہو۔

(3) مضمون چھوٹا ہو یا بڑا اس کی تمہید پورے مضمون کے تین سے پانچ فیصد حصہ پر مشتمل ہونی چاہیے؛ یہی صورتِ حال اِختتام کی بھی ہو، ایسا نہ ہو کہ نصف مضمون یا چوتھائی حصہ تمہید و اِختتام کی نذر کر دیا جائے۔

(4) تمہید ایک اعلانِ جنگ کی طرح اعلانِ تحریر کا دَرجہ رکھتی ہے اسی طرح اس کے آخری جملے اعلانِ اِختتام جیسے ہونے چاہئیں کہ پڑھنے والا خود کو ذہنی طور پر تیار کر لے کہ اب تحریر یا بَحْث ختم ہونے والی ہے!

(5) عام طور پر لکھاری اپنی بَحْث کو مکمل نتیجے تک پہنچا کر اسے اِختتام پذیر کر دیتا ہے اور کبھی بَحْث کا کوئی نتیجہ نہیں

www.dawateislami.net

ہوتا اور ماہرین کے نزدیک وہ مسئلہ زیرِ بحث ہوتا ہے، ایسا ہو تو اولاً محرر ایسی بحث کو موضوع ہی نہ بنائے اگر بنالے تو آخر میں اس چیز کی وضاحت کردے کہ یہ نکتہ ابھی ماہرین کے یہاں مختلف فیہ یا زیرِ بحث ہے۔

﴿4﴾ عنوانات / سرخیاں

ہر انسان اپنی ذات میں ایک وجود ہے اس کے ساتھ وہ متعدد ذیلی نظاموں کا مجموعہ بھی ہے مثلاً نظامِ ہاضمہ، نظامِ تنفس اور نظامِ دورانِ خون وغیرہ جیسے کئی نظام اس کی ذات کا حصہ ہیں، بالکل اسی طرح مضمون کا بھی معاملہ ہے؛ اس کا مرکزی خیال ایک ہوتا ہے لیکن اس کے ساتھ بہت سے ذیلی مَباحِث چل رہے ہوتے ہیں، خصوصاً طویل مضمون اور کتاب میں ایسا ضرور ہوتا ہے۔

ذیلی عنوانات کی مرکزی خیال کے ساتھ وابستگی کو نمایاں کرنے کے لیے ذیلی سرخیاں (ہیڈنگز) بہترین معاون ہوتی ہیں، یہ قارئین کو اس جانب متوجہ کرتی ہیں کہ یہاں اصل مضمون سے متعلق کسی نئے نکتے کا آغاز ہو رہا ہے۔ البتہ ہر پیراگراف کو نیا نکتہ گردانتے ہوئے سرخیاں لگاتے جانا ناتجربہ کاری کا نتیجہ ہوتا ہے یا طویل مضمون میں کہیں پر بھی ذیلی سرخی نہ لگانا ذہنی کشمکش اور منتشر خیالی کی خبر دیتا ہے! لہٰذا ذیلی عنوانات کی نشاندہی کرنے میں دامنِ اعتدال پر گرفت ضروری ہے؛ اس حوالے سے مبتدئین کی راہ نمائی کے لیے چند ضروری نکات بیان کیے جارہے ہیں مُلاحظہ کیجیے:

(1) ہر نئے پیراگراف پر ذیلی سرخی لگانے کے بجائے نئے عنوان پر ذیلی سرخی لگانے کا اِہتمام کیجیے بشرطیکہ وہ عنوان 100 سے 150 الفاظ پر مشتمل ہو، اگر اس سے کم الفاظ پر مشتمل عنوان ہو تو اسے بغیر سرخی لگائے صرف نئے پیراگراف میں ذکر کر دیجیے۔

(2) ہر وہ ذیلی عنوان جو 500 سے 700 الفاظ پر مشتمل ہو اس پر کم از کم ایک ذیلی سرخی ہونی چاہیے۔

(3) 1000 الفاظ پر مشتمل عنوان میں دو سے تین ذیلی سرخیاں ہونی مفید ہیں۔

(4) محرر کو چاہیے دورانِ تحریر ہی سرخیاں قائم کرنے کا اِہتمام کرے کہ پیراگراف یا بحث لکھتے وقت اپنی جزئیات کے ساتھ ذہن میں ہوتی ہے جس کی مدد سے جامع عنوان لگایا جاسکتا ہے، ورنہ عنوان کی جامعیت میں کمی کا امکان ہے۔

یاد رکھیے! ذیلی عنوانات کے مذکورہ نِکات صرف مبتدئین کی آسانی کے لیے بیان کیے گئے ہیں ورنہ حقیقت میں ایسا کوئی ٹھوس اصول نہیں ہے کہ الفاظ کی معین تعداد پوری ہونے پر سرخیاں لگائی جائیں۔ لکھاری اپنی صلاحیت کی بنیاد پر مضمون کو مکمل کرتے ہوئے اس بات کو پیشِ نظر رکھے کہ کسی بھی اَہم حصہ کو بغیر عنوان قائم کیے نہیں جانے دینا اور کم اَہم پیراگراف کو اَہم مَباحِث کے ضمن میں بیان کرنا ہے، ہر جگہ اسے نمایاں کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

www.dawateislami.net

مشق و عملی سُوالات

1←ذخیرۂ الفاظ کے لیے کون سا طریقہ سب سے زیادہ موزوں ہے؟ سببِ ترجیح کے ساتھ بیان کیجیے۔

2←دورانِ تحریر اِصطِلاح کی وضاحت کس طرح کی جاسکتی ہے؟

3←جملوں کی طوالت و اِختصار کے حوالے سے آپ کیا جانتے ہیں؟

4←عُلَمائے دین کے کتب و رسائل سے کوئی ایسی عبارت پیش کیجیے جو ظرافت پر مشتمل ہو۔

5←تحریر کے آغاز و اِختتام کی کیفیت کے حوالے سے اپنا عِندیہ دیجیے۔

6←ذیلی سرخیاں شامل کرنے کا بنیادی اصول بیان کیجیے۔

7←فصل میں آنے والے اپنے پسندیدہ الفاظ، جملے، تراکیب اور محاورے الگ صفحے پر نوٹ کیجیے۔

8←درج ذیل میں سے کسی ایک موضوع پر طبع آزمائی کیجیے:

الف–شبِ ولادتِ مصطفےٰ کے واقعات کو منظر نگاری کی صورت میں بیان کیجیے۔

ب–واقعۂ معراج کو منظر نگاری کی صورت میں بیان کیجیے۔

ج–اعلیٰ حضرت کے کلام: ”کس کے جلوہ کی جھلک ہے یہ اُجالا کیا ہے“ کی روشنی میں نثری مضمون مرتب کیجیے۔

د–کسی بھی موضوع پر مضمون لکھیے جو خوبصورت الفاظ، عمدہ تراکیب اور بہترین آغاز و اِختتام پر مشتمل ہو۔

تیسری فصل: تحریر کے بعد

تحریر کا تخلیقی مرحلہ مکمل ہونے کے بعد آخری اور اَہم ترین مرحلے کا آغاز ہوتا ہے جس میں لکھاری اپنی تحریر کو قابلِ اِشاعت بنانے کے لیے کوشش کرتا ہے۔ اور یہ پروف ریڈنگ کا مرحلہ ہے اس سے متعلق اَہم ہدایات مُلاحظہ کیجیے:

پروف ریڈنگ

تحریر کے بعد اس کی پروف ریڈنگ تحریر سے زیادہ ضروری ہے! یہ بات نہ ہونے کے برابر ہے کہ تحریر کا مُسَوَّدَہ پہلی ہی بار خامیوں سے پاک اور معیاری ہو بلکہ ایک اچھا اور معیاری مُسَوَّدَہ کئی بار نظر ڈالنے اور اس میں اِصلاح کرنے کے بعد وجود میں آتا ہے، البتہ یہ ممکن ہے کہ جوں جوں لکھاری کا تجربہ بڑھتا جائے اس کے مُسَوَّدے میں تصحیح کا عمل کم سے کم ہوتا چلا جائے۔

پروف ریڈنگ کے مقاصد:

پروف ریڈنگ کا عمل دورانِ تحریر بھی کسی نہ کسی طور پر جاری رہتا ہے جس میں لکھاری کچھ نہ کچھ تبدیلیاں ضرور کرتا ہے لیکن تحریر مکمل ہونے کے بعد باقاعدہ پروف ریڈنگ کرنا لکھاری کے لیے صبر آزما، یک سُوئی اور محنت طلب کام ہے، پروف ریڈنگ میں صرف لفظی تصحیحات ہی نہیں کی جاتیں بلکہ اس کے چند اَہم مقاصد ہوتے ہیں، مثلاً

- الفاظ کی نوک پلک، نشست وبرخاست اور استعمال کی درستی۔
- اِملا واِنشا کے قواعد اور رُموزِ اَوقاف کی جانچ۔
- غیر ضروری اور غیر متعلقہ تفصیلات کو نکالنا۔
- جملوں، عبارات اور پیرا گرافوں کے باہمی ربط کی پرکھ اور اُسلوب کی تصحیحات۔
- اِستعارات کی شُمُولِیَّت ہے تو ان کی غیر جانب دارانہ گرفت کرکے اس کی درستی۔ وغیرہ

پروف ریڈنگ کے مَراحل:

معیاری پروف ریڈنگ کے لیے بہتر ہے اس کو چند مَراحل میں تقسیم کرکے انجام دیا جائے؛ پروف ریڈنگ کو درج ذیل تین مَراحل میں تقسیم کرکے انجام دیا جاسکتا ہے:

پہلا مرحلہ: مُسَوَّدَہ تیار ہونے کے بعد پہلے مرحلے کی پروف ریڈنگ لکھاری از خود کرے اور اسے کسی دوسرے کا مضمون

www.dawateislami.net

سمجھ کر نہایت تنقیدی نظر سے پڑھے! یہ اگرچہ ایک مشکل اَمر ہے کہ جو مضمون آپ نے خود محنت اور کوشش سے لکھا ہے اب اس میں خود ہی زیادہ سے زیادہ غلطیاں تلاش کرنی ہیں! یقین کیجیے اگر اس طرح پڑھنے کا معمول بنالیا جائے تو ان شاءاللہ بہت جلد تحریر پہلے ہی مُسَوَّدے میں اس قابل ہو گی کہ سوائے لفظی قطع بُرید کے کوئی غلطی نہ رہے!

دوسرا مرحلہ: پہلے مرحلے میں آنے والی اَغلاط اور ان کی مکمل تصحیح کرنے کے بعد دوسرے مرحلے میں لفظی اَغلاط کو درست کرنے کی کوشش کیجیے؛ اگرچہ پہلے مرحلے میں ضمناً یہ دیکھا جاچکا ہو گا لیکن اس بار لفظی اَغلاط پکڑنے کے لیے خصوصی پروف ریڈنگ کرنی ہے اور اس کا طریقہ بھی نہایت مختلف ہے!

اس بار عبارت کو الٹی جانب سے پڑھنا ہے؛ جی ہاں الٹی جانب سے! اگر تحریر اردو یا عربی میں ہے تو ہر لائن الٹی جانب سے پڑھیے اگر انگریزی ہے تو اسے سیدھی جانب سے پڑھیے اور کسی بھی لفظ کے غلط اِملا وغیرہ کو درست کرتے جایئے۔ اس طرح ہر لفظ پر مکمل توجہ ہو گی جو لفظی غلطی سے بچاؤ کا سبب بنے گی۔

تیسرا مرحلہ: یہ مرحلہ بالکل آخری مرحلہ ہے، بہتر ہے یہ پروف ریڈنگ کمپیوٹر اسکرین کے بجائے باقاعدہ پرنٹ پر کی جائے اور کسی دوسرے ماہر پروف ریڈر سے کروائی جائے۔

اگر لکھاری خود یہ پروف ریڈنگ کرے تو بہتر ہے ایک اِسکیل یا کوئی بھی ایسی چیز اپنے پاس رکھے جس سے صفحے کی کم از کم تین لائنیں مکمل چھپ جائیں؛ اسے پروف ریڈنگ کے دوران یوں استعمال کرے کہ جس لائن کو پڑھ رہا ہے اس کے نیچے والا حصہ چُھپ جائے، اس طرح کوئی بھی لائن پڑھنے سے نہیں رہے گی اور معیاری انداز پر بہترین پروف ریڈنگ ہو جائے گی۔

پروف ریڈنگ پر دو اَہم مشورے:

پہلا مشورہ: تجربے سے ثابت ہے کہ اگر تحریر کا مُسَوَّدہ تیار کرنے کے کچھ عرصے بعد اس کی پہلی پروف ریڈنگ کی جائے تو یہ زیادہ مفید ہوتی ہے کہ اس طرح رائیٹر کے ذہن میں نقش مضامین دھندلے ہو جاتے ہیں اور اس کی یادداشت پروف ریڈنگ میں غلطی چھوڑنے کا سبب نہیں بنتی۔

دوسرا مشورہ: پہلی پروف ریڈنگ اور اَغلاط کی درستی کے بعد مناسب ہے کہ جس طبقے کے لیے مضمون یا کتاب لکھی گئی ہے اس کے کسی فرد کو یہ پڑھا دی جائے اسے جو پریشانیاں محسوس ہوں ان کا اِزالہ کر دیا جائے، مثلاً بچوں کے لیے لکھی گئی

تحریر ایک بار کسی بچے کو پڑھادی جائے، خواتین کے لیے لکھی گئی تحریر کسی خاتون کو پڑھادی جائے وغیرہ۔

اِنتہائی اَہم گزارش:

ایک اچھی تحریر جتنی محنت سے معرضِ وجود میں آتی ہے اس کا اندازہ لکھنے والے کو ہی ہوسکتا ہے بلکہ یوں کہیے: ”نظم ہو یا نَثْر محرر کے لیے اس کی اولاد کی طرح ہوتی ہے!“ اور یقیناً اپنی اولاد کیسی بھی ہو انسان کو اس سے مَحبت ضرور ہوتی ہے۔

آپ اپنی تحریر کو پسند کریں اس کو مناسب کہیں، بہتر کہیں، اچھا کہیں، بہت اچھا کہیں لیکن کبھی بھی اس کو ”نہ بہترین کہیں نہ سمجھیں“۔ ”بہترین“ کسی بھی چیز کے لیے عمدگی کی اِنتہائی منزل کا نام ہے؛ جب آپ اَز خود اپنی تحریر کو ”بہترین“ سمجھنے لگیں گے تو آپ کی تحریر میں مزید نکھار آنا بند ہو جائے گا اور جب نکھار آنا بند ہو گا تو زوال آنا شروع ہو جائے گا! انسان اور خدا کی مخلوق ہونے کی حیثیت سے ہمیں خود کو یا اپنی کسی کوشش کو ”بہترین“ کہنے اور اپنے منہ میاں مٹھو بننے جیسی حماقت نہیں کرنی چاہیے۔

ابھی منزلوں کے نشاں اور بھی ہیں
ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں

❀❀❀❀❀

انمول موتی

❀ تاریخ کسی کی تصنیف ہو مدارِ عقیدہ نہیں ہو سکتی، مورخ رطب، یابس، مسند، مرسل، مقطوع، معضل سب کچھ بھر دیتے ہیں۔ (فتاویٰ رضویہ، 26/429)

❀ عوام کے سامنے ایسی شرعی رخصتیں بیان نہ کی جائیں جن کے ذریعے وہ ارتکابِ حرام یا ترکِ واجب کی راہ نکالیں۔ (قرطبی، پ2، البقرۃ، تحت الآیۃ:159، الجزء الثانی، 1/141)

❀ تقریر سب سے آسان کام ہے، اس سے مشکل تدریس اور سب سے مشکل تصنیف۔ (حافظ ملت نمبر، ص411)

❀ علم گھٹتا جا رہا ہے اور جہالت بڑھتی جا رہی ہے؛ ہمارے زمانے کے علما کی علمی ترقی محض علم کے گھٹنے کی وجہ سے ہو رہی ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح، کتاب العلم، الفصل الثانی، تحت الحدیث:247، 1/507)

www.dawateislami.net

مشقی و عملی سُوالات

1←پروف ریڈنگ کی اَہمیت اور اس کے مقاصد بیان کیجیے۔

2←پروف ریڈنگ کے لیے سبق میں موجود اَہم مشورے تحریر کیجیے۔

3←بیان کردہ اصولوں کی روشنی میں گزشتہ مشق میں لکھے گئے اپنے کسی مضمون کی مرحلہ وار پروف ریڈنگ کیجیے۔

4←مضمون یا کتاب مرتب کرنے کے بعد مزید کیا کیا اِحتیاطیں کی جاسکتی ہیں سرسری طور پر بیان کیجیے۔

اہم نوٹ

دوسرا باب

بیان کے بارے میں

خلّاقِ عالم کی وہ عظیم الشان تخلیق جس کو عرفِ عام میں "انسان" کہتے ہیں اس کی اربوں جلدیں کائنات میں بکھری پڑی ہیں ان ہی میں سے چند ایک شاہ کار کائنات کو حیاتِ جاودانی بخشتے ہیں؛ انقلابِ اُمَم میں مصنف کے قلم، مجاہد کی تلوار اور مُدَبّر کے دماغ کے ساتھ ساتھ خطیب اور مبلغ کی زبان انتہائی اہم کردار ادا کرتی ہے، قوموں کا عروج ان کے سحر طراز خطیبوں کی پُرجوش تقریروں اور ان کا زوال فضا کو آلودہ کرتی خطیبوں کی فکری اُبکائیوں سے ہی وابستہ ہوتا ہے؛ تاریخ اس سے بھری پڑی ہے، حال اس پر شاہد ہے اور شاید مستقبل اس کا نشرِ مکرر ہی ٹھہرے!

ویسے تو ہر سالم الحواس شخص فطری طور پر مبلغ ہوتا ہے لیکن جس طرح عقیق کو آدمی کی خوبصورت انگلیوں میں چمکتا نگینہ بننے کے لیے کٹائی، گھسائی اور قلعی ہونے کے مرحلوں سے گزرنا پڑتا ہے اسی طرح آدم زاد کے بھرے مجمع میں چمکنے کے لیے مبلغ کو ایک عرصے تک لرزتے دل، نظروں کے برستے تیر اور مذاق اُڑاتے رویوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے! خصوصاً وہ مبلغ جو خطابت اور بیان کو نیکی کی دعوت کا ذریعہ بنانا چاہتا ہو اس کے لیے خطابت، تقریر یا بیان بہت زیادہ مشق چاہتا ہے کہ یہ براہِ راست اُس ذریعے کو اپنانے کا خواہاں ہے جس کو حضراتِ انبیائے کِرام علیہمُ الصّلوٰۃُ والسّلام کا طریقہ بننے کا شرف حاصل ہوا؛ ذرا غور کیجیے! خطیبِ اعظم رسولِ معظم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم جیسے دل نواز مبلغ نے جس کو اپنی نیکی کی دعوت کا ذریعہ بنایا ہو اور جنابِ موسیٰ علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر نے جس کے لیے بارگاہِ قدس میں دعا کی ہو وہ کس قدر اہمیت اور طرح طرح کی خصوصیات والا ہو گا۔

تقریر و بیان کی اہمیت کو اجاگر کرنے اور باقاعدہ اس فن کو سیکھنے کی ترغیب کے لیے ہمارا اوپر والا پیرا ہی کافی ہے لیکن بعض مبلغین و دُعاۃ تقریر یا بیان کی زندگی محدود ہونے کا گِلا کر کے اس میدان میں آنے سے باز رہتے ہیں اور بعض اسے اپنی فطری خوبی گردان کر سرکش گھوڑے کی طرح یوں دوڑنا شروع کر دیتے ہیں جیسے شیشے کی دیوار دکھائی نہ دے تو بندہ چلتا چلا جاتا ہے اور اپنی رفتار کے مطابق نقصان اٹھاتا ہے! اب ان شکووں اور خوش فہمیوں پر اوس پڑ چکی ہے کیونکہ عصرِ جدید کی نت نئی اِیجادات نے نطق و بیان کے پھیلاؤ کے امکانات میں بہت زیادہ اضافہ کر دیا ہے؛ اب فانی انسان کی آواز سائنسی آلات کے ذریعے محفوظ ہو کر گویا لافانی بن چکی ہے، افکار و خیالات کے ساتھ ساتھ بولنے والے کا لب و لہجہ بھی غیر محدود عرصے تک سنا جا سکتا ہے گویا نطق جو آج سے پہلے وقتی طور پر صرف حاضر و موجود کے لیے فائدے مند تھا اب صدہا سال تک غائب و ناموجود کے لیے نفع بخش ہو سکتا ہے۔ لہٰذا داعی کو چاہیے اپنی ذات میں پوشیدہ بیان کی فطری و

www.dawateislami.net

وَہبی صلاحیتوں کو پروان چڑھانے کے لیے انہیں مستقل تربیتی مراحل سے گزارے تا کہ سخن ہائے گفتنی کے ہر میدان میں اپنے کارہائے منصبی بحسن وخوبی انجام دے سکے۔

اس باب میں بیان سے متعلق بنیادی معلومات کو مختلف فصلوں میں درج کیا جارہا ہے ملاحظہ کیجیے:

پہلی فصل: بیان کی اقسام

فن اور موضوع کے لحاظ سے بیان کی مختلف اقسام اور ہر ایک کے الگ الگ طریقے ہیں؛ یہاں پر بیان کی ان اقسام اور طریقوں کو ذکر کیا جارہا ہے جن کی ایک مبلغ کو ضرورت پیش آتی ہے، ان میں سے کسی ایک قسم کے بیان پر عبور حاصل کرلینا باقی تمام اقسام کے بیانوں پر دسترس حاصل کرنے میں معاون ہوگا:

1. اصلاحی بیان
2. علمی وتربیتی بیان
3. عام خطاب وبیان
4. درسِ قرآن وحدیث

1 اصلاحی بیان

عقائد، عبادات اور معاملات کی اصلاح، حقوق العباد کی ادائیگی، حسنِ معاشرت اور اخلاقِ حسنہ اختیار کرنے کی ترغیب، بدعات اور خلافِ شرع رسومات کی تردید اور برے اخلاق چھڑوانے کے لیے کی گئی مخلصانہ کوشش کو "اصلاحی بیان" کہا جاتا ہے۔

اصلاحی بیان کے مخاطب:

چونکہ اصلاحی بیان عام طور پر جمعہ کے اجتماعات اور مخصوص محافل وغیرہ میں کیا جاتا ہے تو اس کے مخاطب مسلمان ہی ہوتے ہیں جو اپنا قیمتی وقت نکال کر آخرت کی بہتری اور روحانی سکون کے لیے مبلغ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔ البتہ موضوعات کا انتخاب اور مبلغ کا حسنِ بیان غیر مسلموں کے سامنے اسلام کی خوبیاں پیش کرنے کا بہترین ذریعہ ہوتا ہے، بہت ممکن ہے کوئی غیر مسلم مسلمانوں کی اس روحانی اور معاشرتی تربیت کو کسی بھی پلیٹ فارم پر ملاحظہ کرے اور متأثر ہو کر دامنِ اسلام میں آجائے۔

مبلغ کا لب ولہجہ:

اصلاحی بیان کرنے والے مبلغ کے لیے ضروری ہے وہ بڑی سوچ کا حامل ہو، اس کے لہجے کی نرمی رِقّتِ قلب کا

احساس پیدا کرے اور اس کی گفتگو اتنی خوبصورت ہو کہ سامعین کو عمل سے روکنے والے خدشات باریک باریک غبار کے بکھرے ہوئے ذروں کی طرح ہو جائیں جو روشن دان کی دھوپ میں نظر آتے ہیں!

اگر مبلغ کسی نیک کام کی ترغیب دلاتے ہوئے اس بیٹی کا لہجہ اختیار کرلے جو اپنے والد سے کوئی چیز دلانے کی ضد کر رہی ہوتی ہے تو یقین کیجیے مخاطبین ہنسی خوشی اس کی بات مان لیں گے بلکہ اس کی ترغیب سے زیادہ اس کا دل جیت لینے والا لہجہ ان پر اثرانداز ہوگا۔ اگر کسی چیز سے روکنا مقصود ہو تو اس انداز سے منع کرے جیسے ماں اپنی اولاد کو منع کرتی ہے سننے والوں کی پلکیں بھیگ جائیں گی۔

﴿2﴾ علمی و تربیتی بیان

علمی و تربیتی بیان میں سطحیت و جذباتیت سے دامن بچاتے ہوئے مبلغ اپنے مضبوط مطالعے، وسیع مشاہدے اور اعلیٰ ذہنی قوتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے تاریخی و زمینی حقائق کی روشنی میں اپنے مخاطبین کی فکر و دانش کو جِلا پہنچاتا ہے، اپنے جامع مانع تبصرے کے ذریعے تحقیق اور تَدَبُّر کے نئے راستے متعارف کرواتا ہے اور اس خاص لب و لہجے میں نیکی کی دعوت کا فریضہ انجام دیتا ہے۔

علمی و تربیتی بیان کے مخاطب:

چونکہ علمی و تربیتی بیان مختلف تربیتی نشستوں اور اہلِ علم کے اجتماعات وغیرہ میں کیا جاتا ہے، لہٰذا اس کے مخاطب عام عوام نہیں ہوتے بلکہ مختلف شعبہ جات کے افراد اور ایک خاص علمی سطح کے حامل طلبا وغیرہ ہوتے ہیں۔

مبلغ کا لب و لہجہ:

علمی و تربیتی بیان کے دوران مبلغ کا دھیما اور سنجیدہ لب و لہجہ ہونا چاہیے گویا سورج اپنی مخصوص چال کے ساتھ افقِ عالم پر آہستہ آہستہ کرنیں بکھیر رہا ہو۔

﴿3﴾ عام خطاب و بیان

مختلف محافل و اجتماعات میں کی جانے والی تقاریر کو عام خطاب و بیان میں شمار کیا گیا ہے۔

عام خطاب و بیان کے مخاطب:

عام خطاب و بیان غیر معمولی تعداد اور بڑے بڑے اجتماعات وغیرہ میں کیا جاتا ہے لہٰذا ہر خاص و عام اس کا

www.dawateislami.net

مخاطب ہوتا ہے۔

خطیب و مبلغ کا لب و لہجہ:

خطیب و مبلغ کے لہجے میں پختگی اور آواز میں ایسی با معنیٰ گرج ہونی چاہیے جیسے برسات سے پہلے بادلوں کی گرج ہوتی ہے کہ زمین پر چلتا ہوا ہر شخص اپنا کام دھندا چھوڑ کر اس کی جانب متوجہ ہو جاتا ہے۔ جو مقرر بیک وقت مختلف ذہنی و علمی معیار رکھنے والے افراد کے درمیان خطاب کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا اس کا یہاں خطاب کرنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی پانی کو گرم کرنے کے لیے پانی آگ پر ڈال دے کہ سوائے گیلی راکھ اور لمبی شوں کے اور کچھ حاصل نہیں ہو گا۔

﴿4﴾ درسِ قرآن و حدیث

کسی آیت یا حدیث کے ترجمہ و تشریح کی روشنی میں حاصل ہونے والے نکات، معارف، سبق، نصیحت اور معلومات کو بیان کرنا درسِ قرآن یا درسِ حدیث کہلاتا ہے۔

درسِ قرآن و حدیث کے مخاطب:

یہ درس اسلام کے بنیادی مآخذ پر مشتمل ہوتا ہے، لہٰذا اس میں شرکت کے لیے مسلمانوں کا ذوق و شوق دیکھنے والا ہوتا ہے اور مدرس کے خوبصورت انداز اور مناسب تشریح کی وجہ سے شرکائے درس میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔

مدرس کا لب و لہجہ:

مدرس کا انداز خالصتاً فاضلانہ اور معلمانہ ہونا چاہیے، دورانِ درس کوئی ایسا مقام آجائے جو مسلمانوں سے بے عملی کی شکایت کر رہا ہو تو مدرس اسی انداز کو برقرار رکھتے ہوئے ایسا لہجہ اختیار کرے جیسے ایک بیٹی باپ کے روبرو ماں کا شکوہ کرتی ہے! یقین کیجیے شکوہ کرنے کا اس سے زیادہ سریع التاثیر اور خوبصورت انداز آج تک ایجاد نہیں ہو سکا؛ اس لمحے ہر بیٹی ایک بہت بڑی مقررہ ہوتی ہے کہ ماں بھی نہیں روٹھتی اور باپ کو بھی غصہ نہیں آتا بلکہ دونوں ہی اس پر جان نچھاور کرنے لگتے ہیں! یہی سب سے زیادہ مناسب لہجہ ہے جو ایک مدرس کو اپنانا چاہیے۔

مشق و عملی سُوالات

1←اچھے برے خطیبوں کے معاشرے پر کیا اثرات ہوتے ہیں؟
2←اصلاحی بیان کن کن مواقع پر کیا جاسکتا ہے؟ کتاب میں مذکورہ مواقع کے علاوہ بتائیے۔
3←عام خطاب وبیان سے کیا مراد ہے؟ اور خطیب و مبلغ کا لب ولہجہ کیسا ہونا چاہیے؟
4←بیان کے ذریعے لوگوں کی زندگیوں میں انقلاب بپا کر دینے والی کوئی سی تین شخصیات کے نام بتائیں۔
5←فصل میں آنے والے اپنے پسندیدہ الفاظ، جملے، تراکیب اور محاورے الگ صفحے پر نوٹ کیجیے۔
6←کسی بھی محفل یا اجتماع میں پیش آنے والا اپنا دلچسپ واقعہ بیان کیجیے۔
7←درسِ قرآن وحدیث کے فوائد ایک فہرست کی صورت میں بتائیے۔
8←اپنے پسندیدہ تین مبلغین کے نام وجہِ پسندیدگی کے ساتھ بتائیے۔

اہم نوٹ

www.dawateislami.net

دوسری فصل: بیان کے طریقے

کبھی ہمارے لیے حروفِ ابجد کی پہچان اسی طرح مشکل تھی جتنی آج اسرارِ فطرت کے بعض گوشوں سے آگاہی حاصل کرنا اور فطرت سے آگے کے حقائق سے آگاہ ہونا مشکل ہے! لیکن ہم نے ایسا بہت کچھ سیکھ لیا جو پہلے نہیں جانتے تھے، بلکہ ہر وہ چیز جو شعور کا حصہ بننے کے بعد ہمارے لیے سادہ سہل اور آسان ہو چکی ہے یقین کیجیے وہ ہماری سیکھی ہوئی ہی ہے! ہر تیراک پہلے ڈوبتا رہا اور پھر سمندر کی موجوں پر جھولنا سیکھ گیا، ہر سوار پہلے گرتا رہا اور ایک دن سواری اس کے قابو میں آگئی؛ یہ پڑھنا لکھنا، یہ بول چال، یہ کہنا سننا، یہ بات چیت؛ سب ہمارا سیکھا ہوا ہے اور یہ سب سیکھنے کے لیے ہم کسی نہ کسی درجہ کی محنت و مشقت سے ضرور گزرے ہیں۔ بالکل یہی صورت حال مبتدی کے لیے بیان میں پیش آتی ہے کہ شروع میں بیان کا تصور اپنے مکمل رعب داب کے ساتھ ذہن میں چوکڑی مارے ہوتا ہے لیکن جیسے جیسے مبتدی اس کے قریب جاتا ہے اس کے دل میں بیان سے اُنسیت پیدا ہونے لگتی ہے اور پھر ایک وقت آتا ہے جب یہی مبتدی بہترین مقرر و مبلغ بن چکا ہوتا ہے اور اپنے ابتدائی دور کی گھبراہٹ کا سوچ کر محظوظ ہوتا ہے۔ ذیل میں بیان کے طریقے ذکر کیے جا رہے ہیں امید ہے ان پر عمل کرنے سے تقریر و بیان سیکھنا کافی آسان ہو جائے گا:

﴿1﴾ مکتوبی بیان ﴿2﴾ حفظی بیان

﴿3﴾ اعدادی بیان ﴿4﴾ اِرتجالی بیان

﴿1﴾ مکتوبی بیان

وہ بیان جس میں خطبے سے لے کر آخری کلمات تک سب کچھ لکھ لیا جائے اور سامعین کو پڑھ کر سنا دیا جائے۔

بیان لکھنے کا طریقہ:

درج ذیل طریقہ اختیار کیا جائے تو ایک عمدہ بیان تیار ہونے کے ساتھ ساتھ اس کا رسالہ بھی مرتب ہو سکتا ہے:

❁ بیان لکھنے سے پہلے اپنے خیال کی لگامیں میدانِ موضوع کی جانب پھیر دی جائیں اور یادداشت میں بکھرے مواد کو سمیٹنا شروع کیا جائے۔

❁ یادداشتوں کو جمع کرنے کے بعد اس موضوع پر اگر پہلے کوئی کتاب یا مضمون کہیں پڑھا ہے زہے قسمت اگر اس کے نوٹس بنائے تھے تو فوراً ان کی طرف رجوع کیا جائے اور ضروری مواد ایک بار پھر پڑھ کر تازہ کر لیا جائے۔

www.dawateislami.net

❁ اب موضوع کا سیر حاصل مطالعہ کیا جائے اور دورانِ مطالعہ وہ آیات، روایات، حکایات اور اشعار وغیرہ نشان زد کرلیے جائیں جو سامعین کے لیے نئے اور معلوماتی ہوں تاکہ انہیں مناسب جگہ پر شامل کیا جاسکے۔

❁ نشان زد حاصلِ مطالعہ کو الگ صفحے پر مکمل یا اشاروں کی صورت میں لکھ لیا جائے؛ یہ مرحلہ دورانِ مطالعہ بھی طے کیا جاسکتا ہے کہ نشان زد مواد کو ہاتھوں ہاتھ الگ صفحے پر لکھ لیا جائے۔

❁ حاصلِ مطالعہ کی روشنی میں ایک جامع خاکہ تیار کرلیا جائے؛ بغیر خاکہ سازی کے تحریر یا تقریر کی کوشش اندھیرے کمرے میں ٹامک ٹوئیاں مارنے سے کم نہیں کہ اس سے مقصد کا حصول تو نہیں ہوتا بلکہ وقت کا ضیاع یقینی ہوتا ہے۔

❁ خاکے کی روشنی میں تقریر کے لیے تحریر شروع کردی جائے اور تین باتوں کا خصوصی لحاظ رکھا جائے:

پہلی بات: آپ کتاب یا رسالہ نہیں بلکہ ایک بیان لکھ رہے ہیں لہٰذا اس میں تحریر والا لب ولہجہ رکھنے کے بجائے گفتگو والا انداز رکھیے، جملوں کی لفظی اور معنوی ترکیب کے لیے سامعین کی ذہنی سطح کو پیش نظر رکھیے، الفاظ سادہ اور ایسے لکھیے کہ ان کا معنیٰ بیان کرنے کی ضرورت نہ پڑے کیونکہ سننے والے دورانِ بیان لغت نہیں دیکھیں گے بلکہ اُکتا جائیں گے، اور اگر آپ نے خود معنیٰ بتایا تو بیان کا تسلسل متاثر ہونے کا امکان ہے۔

دوسری بات: تحریر کا خط بالکل صاف ستھرا اور واضح ہونا چاہیے؛ ہر دو لفظوں اور لائنوں کے درمیان مناسب فاصلہ ہونا چاہیے کہ ایک ہی نظر میں ہر لفظ علیحدہ علیحدہ ایک شکل کی طرح دکھائی دے! بیان کے لیے کی گئی تحریر میں اگرچہ سرخیوں کی ضرورت نہیں ہوتی لیکن دورانِ بیان سرخیاں مبلغ کے لہجے کو پختہ رکھنے میں بہت معاون ہوتی ہیں لہٰذا سرخیاں قائم کی جائیں اور ایسی کی جائیں کہ پیراگراف صرف سرخیوں سے ہی واضح ہوجائے۔

تیسری بات: وقت کو مدِ نظر رکھ کر بیان لکھا جائے؛ کتنے وقت میں کتنے صفحات پر مشتمل بیان ہوسکے گا اس کا اندازہ کرکے بیان لکھا جائے۔

مکتوبی بیان کرنے کا طریقہ:

اگرچہ بعض لوگوں نے دیکھ کر بیان کرنے کی حوصلہ شکنی کی ہے، لیکن تجربہ شاہد ہے لکھا ہوا بیان اگر درج ذیل طریقے سے کیا جائے تو ایسا مؤثر ہوتا ہے کہ ارتجالی بیان سے وہ اثر نہیں ہوتا:

❁ بیان کرنے سے پہلے اس کو کم ازکم تین بار بغور پڑھ لیا جائے؛ پہلی بار اس بیان میں کیا ہے یہ سمجھنے کے لیے، دوسری بار

www.dawateislami.net

الفاظ کے درست تلفظ کے لیے اور تیسری بار اس بیان میں شامل کیے گئے مؤثر جملوں کا مطلوب لہجہ درست کرنے کے لیے۔

❁ دورانِ بیان جملوں کے مطلوب لہجے، ان کی ابتدا و انتہا کے مطلوب جذبات، اتار چڑھاؤ اور چہرے کے تاثرات و اشارات کو لازمی لازمی ان کا حق دیا جائے ورنہ بیان کا اثر کافور ہو جائے گا۔

❁ بیان میں اشعار شامل کیے گئے ہیں تو ما قبل پیرے اور ان اشعار سے وجود میں آنے والے ماحول کے مطابق لہجے میں اشعار پڑھے جائیں۔

❁ آیات کی تلاوت میں مخارجِ حروف اور تلاوت کے مطلوب لہجے کا خاص خیال رکھا جائے؛ اگر یہ ممکن نہیں تو اس کی بہت زیادہ مشق کی جائے حتّٰی کہ اس پر قدرت مل جائے، تب تک صرف ترجمہ پڑھ لیا جائے۔

مکتوبی بیان کے فوائد:

بیان اگر مذکورہ طریقے کے مطابق کیا جائے تو بہترین فوائد حاصل ہو سکتے ہیں مثلاً

❁ خوبصورت اسلوب اور فصیح و بلیغ جملوں اور کلمات کے ذریعے بیان ہو گا۔

❁ سامعین کے ادبی ذوق کی تسکین ہو گی۔

❁ مبلغ ہر طرح کی غلطی سے محفوظ رہے گا؛ چاہے وہ غلطی لغوی ہو، شرعی ہو یا سبقتِ لسانی۔

❁ مبلغ کا دائرۂ فکر ایک موضوع تک محدود رہے گا اور وہ اس موضوع کو لوگوں کے سامنے واضح اور خوبصورت انداز میں پیش کر سکے گا۔

❁ مبلغ اپنے وقت کے اندر اندر اپنی لکھی ہوئی تمام باتیں بہترین انداز میں بیان کر لے گا۔

﴿2﴾ حفظی بیان

وہ بیان جو خوب اچھی طرح یاد کر کے سامعین کے سامنے دہرا دیا جائے، اسے رَٹا رٹایا بیان بھی کہا جاتا ہے۔

بیان یاد کرنے کے دو طریقے:

پہلا طریقہ: بیان کو حفظ کرنے کا سب سے آسان طریقہ یہ ہے کہ اس کے مختلف حصے کر لیے جائیں اور ہر حصے کو علیحدہ علیحدہ حفظ کیا جائے۔

دوسرا طریقہ: بیان کو لکھنے کے بعد اس پر نظر ثانی کی جائے اور اسے مختصر کرنے کی کوشش کی جائے اور پھر اسے

www.dawateislami.net

اتنی مرتبہ بغور پڑھا جائے کہ اس کے خاص خاص حصے اچھی طرح ذہن نشین ہو جائیں اور اب ان کے مَحْو ہونے کا اندیشہ باقی نہ رہے۔

بیان یاد کرنے کے بعد کسی خیالی مجمع یا صاحبِ نظر دوست یا کسی صاحبِ فن کے سامنے بے تکلفی کے ساتھ بیان کیا جائے؛خوب اطمینان ہونے کے بعد اصل مجمع میں بیان کے لیے جایا جائے۔

حفظ شدہ بیان کرنے کا طریقہ:

حفظ شدہ بیان کے دوران درجِ ذیل امور کا لحاظ رکھنا بے حد ضروری ہے ورنہ ایسی جگ ہنسائی ہو گی کہ دوبارہ مجمع میں کھڑے ہونے کے خیال سے ہی بدن لفافہ محسوس ہو گا:

❁ حفظ شدہ بیان کے دوران طرزِ خطاب، تلفظ اور رفتار کا بطور خاص خیال رکھا جائے۔

❁ حفظ شدہ بیان کسی تقریری مقابلے یا مخصوص طبقے میں ہی کیا جائے بطورِ دعوت کسی عام مجمع میں اس طرح کے بیان سے اجتناب برتنا چاہیے۔

❁ حفظ شدہ بیان زیادہ بڑا نہیں ہونا چاہیے بلکہ اتنا مختصر ہو کہ چھ سے دس منٹ میں مکمل ہو جائے۔

❁ دورانِ بیان یہ محسوس نہیں ہونا چاہیے کہ حافظ جی پارہ سنا رہے ہیں یا ابتدائی جماعت کا طالب علم پہاڑے پڑھ رہا ہے! کہ یہ چیز سامعین پر گراں گزرتی ہے جس کا نتیجہ سننے والوں کی بے توجہی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اور یہی چیز مبتدی کی دل شکنی کا باعث بنتی ہے، لہٰذا حفظی بیان کرنے والا مبلغ یہ محسوس نہ ہونے دے کہ اس نے بیان حفظ کر رکھا ہے۔

❁ دورانِ بیان کوئی جز حافظے سے محو ہو جائے تو خوف کے سراب کو خود پر طاری نہ ہونے دے اور بجائے شرمندہ خاطر ہونے کے ہمت، جرأت، خود اعتمادی اور اپنی جسمانی حرکات پر قابو رکھے اور فوراً اگلے پیراگراف کی جانب عدول کر لے یہ مت سوچے کہ ربط ٹوٹ رہا ہے؛ فی الحال مبلغ نے سامعین کی اس سوچ کو منتشر کرنا ہے کہ وہ کچھ بھول گیا ہے اور یہ اس لمحے یوں ہی ہو سکتا ہے کہ جب بیان فوراً اگلے پیرے کی طرف منتقل ہو جائے اور درمیانی وقفے کو کسی مناسب جملے سے پُر کر دے مثلاً ”اب میں آپ کی توجہ اپنے بیان کے جزِ دوم کی طرف مبذول کروانا چاہتا ہوں“ وغیرہ۔

حفظ شدہ بیان کے بارے میں مختلف آراء:

حفظ شدہ بیان کے بارے میں ماہرین کی مختلف آراء ہیں بعض اس کے سخت مخالف ہیں بعض نے اس کی پذیرائی کی

ہے، مثلاً جان برایٹ نے کہا: ”جو لوگ رٹی ہوئی تقریر کرتے ہیں وہ مقرر کے اعلیٰ منصب کے قابل نہیں ہوسکتے!“ جبکہ اپنے زمانے میں فن تقریر کا استاذ روفس کہا کرتا تھا: اگر یہ چاہتے ہو کہ تقریر شستہ و دلچسپ ہو تو اسے لکھ کر حفظ کرلیا کرو۔“ ماہرین کی آراء کو تجربے کی کسوٹی سے پرکھا جائے تو یہ نتیجہ سامنے آتا ہے:

حفظ شدہ بیان کرنے کی عادت اچھا مبلغ بننے میں رکاوٹ بن سکتی ہے۔ یہ صرف مبتدی کے لیے اس وقت تک کارگر ہے جب تک اس کے اندر سامعین کے سامنے کھڑے ہونے کا مکمل حوصلہ پیدا نہ ہو؛ جب یہ مقصد حاصل ہوجائے تو فوراً حفظ شدہ بیان سے جان چھڑا لے اور آخر الذکر دو طریقوں میں سے کسی ایک طریقے کو اختیار کرلے۔

(3) اِعدادی بیان

وہ بیان جس کا مواد جمع کرکے ذہنی خاکہ بنالیا جائے اور اہم نِکات کسی چیز پر نوٹ کرلیے جائیں تاکہ غیر متعلقہ باتوں سے بچتے ہوئے موضوع پر قائم رہ کر انہیں ذکر کیا جاسکے۔ یہ بیان کا ایک مناسب طریقہ ہے۔

اعدادی بیان کی تیاری کا طریقہ:

اعدادی بیان کی تیاری کے دو مرحلے ہیں:

پہلے مرحلے میں مبلغ موضوع پر معلومات جمع کرے گا اور اپنے ذہن میں اس کا خاکہ ترتیب دے گا۔

دوسرے مرحلے میں ذہنی خاکے کے مطابق اُن نِکات کو ایک پرچی یا نوٹ بک پر لکھ لے گا جن کے ذہن سے نکلنے کا خوف ہو، مثلاً موضوع سے متعلق معلوماتی نِکات، آیات، احادیث، اقوال، حکایات و واقعات کے اشارے، بیان میں دلچسپی اور جوش پیدا کرنے والے فقرے، چٹکلے، مثالیں اور اشعار وغیرہ۔

نِکات کی ترتیب بالکل واضح اور جدا جدا ہونی چاہیے ان میں ذرا سا بھی گنجلک پن نہیں ہونا چاہیے ورنہ دورانِ بیان سُبکی ہوسکتی ہے!

اعدادی بیان کرنے کا طریقہ:

مبلغ کے لیے اعدادی بیان کے دوران درج ذیل باتوں کا لحاظ رکھنا مفید ثابت ہوگا:

- بیان کا خاکہ اور درج شدہ نِکات کو اچھی طرح ذہن نشین کرلیا جائے۔
- درج شدہ نِکات اور اس کے مدلولات کو کم از کم دو مرتبہ اپنی نظر سے لازمی گزار لیا جائے۔

www.dawateislami.net

❁ مبتدی کو چاہیے اعدادی بیان میں وہ اپنے اختتامی الفاظ یا جملے لازمی لکھے، چند بار پورے جملوں کی صورت میں اور کچھ عرصے بعد نِکات کی صورت میں، پھر جب زبان کھل جائے اور خوف جاتا رہے تو اختتامیہ لکھنے یا نہ لکھنے کا اختیار ہے۔

❁ درج شدہ تمام نِکات ذکر کرنے سے زیادہ اپنے بیان کی ترتیب، لب و لہجہ اور وقت کی پابندی پر توجہ رکھیے؛ سب کچھ بیان کرنے کے جنون میں رفتار کی تیزی سے بہت برا اثر پڑتا ہے، لہٰذا چند نِکات بیان سے رہ بھی جائیں تو کوئی حرج نہیں۔

❁ مبتدی جب متوسط ہو جاتا ہے اور اس کی مشق مضبوط ہوتی چلی جاتی ہے تو اسے دورانِ بیان اس بات کا اندازہ ہونے لگتا ہے کہ شاید وہ اپنے وقت کے اندر درج شدہ نِکات بیان نہیں کر سکے گا؛ دو چار تقاریر میں اس احساس کو باقاعدہ نوٹ کرے، اگر ایسا ہی ہو جیسا خیال آیا تھا تو آہستہ آہستہ اپنے بیان کے نِکات کو درمیان سے چھوڑنا شروع کر دے اور اہم فالاہم کی طرف بڑھتا جائے، مثلاً اشعار یا طویل حکایت کو حذف کر دے دو مثالوں میں سے ایک کو حذف کر دے وغیرہ، لیکن اس کے لیے کافی مشق کی حاجت ہے؛ پہلی مرتبہ وقت کی کمی کا احساس ہوتے ہی حذف کرنے کی کوشش کی گئی تو پوری ترتیب بکھر سکتی ہے اور مبلغ کو شرمندگی کا سامنا ہو سکتا ہے۔

❁ بعض اوقات وقت کی کمی اور نِکات کی زیادتی کا یہ خیال مبتدی کو لاحق ہو جاتا ہے پھر وہ لہجے اور رفتار کی فکر کیے بغیر جلدی جلدی نِکات مکمل کرنے لگتا ہے اور پھر وقت باقی ہوتا ہے اور نِکات ختم ہو چکے ہوتے ہیں۔ یاد رکھیے! مبتدی کے حق میں یہ وقت کی کمی کا احساس نہیں بلکہ اعصاب پر طاری خوف ہے جو بیان کی اس کوشش کی وجہ سے آہستہ آہستہ ختم ہو رہا ہے یا مبتدی کی خیال بندیاں ہیں جو اب کھلنے لگی ہیں یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے برف پگھلنے سے پہلے خوب دھواں اٹھتا ہے لیکن جیسے جیسے پگھلنے کا عمل تیز ہوتا ہے اس دھویں میں بھی کمی آنے لگتی ہے یا ایک مضبوط گرہ ہے جس کو کھولتے ہوئے انگلیاں جواب دینے لگتی ہیں؛ اس خوف کو خود پر حاوی نہ ہونے دیا جائے بلکہ مناسب لب و لہجے میں بیان کیا جائے نیز شروع شروع میں ترتیب سے اپنے نِکات بیان کیے جائیں اور جہاں وقت پورا ہو جائے بیان ختم کر دیا جائے۔

❁ ایک شکایت جو اکثر مبتدی مبلغین کو ہوتی ہے کہ "وقت سے پہلے بیان کے نِکات ختم ہو جاتے ہیں" اس کا سادہ سا حل یہ ہے کہ مبتدی جب سیکھنے کے مرحلے میں ہو تو طویل بیان نہ کرے بلکہ ابتدا میں 7 منٹ کا بیان کرے اور آہستہ آہستہ وقت اور نِکات کا اضافہ کرتا چلا جائے یوں اس کی مشق اور بیان کے نِکات کا تجربہ خوب ہو جائے گا اور نِکات کی کمی یا وقت کی طوالت کی شکایت بھی ختم ہو جائے گی۔ اگر مشق کی ابتدا 15 یا 20 منٹ کے بیان سے کی گئی تو یہ شکایت دور ہونے کے

www.dawateislami.net

بجائے مبتدی کو بیان ہی سے دور کر سکتی ہے!

﴿4﴾ اِرْتِجالی بیان

وہ بیان جو کتاب یا نِکات دیکھے بغیر کیا جائے؛ یہ بغیر تیاری کے بھی ہوتا ہے اور موضوع کی سر سری تیاری کے بعد بھی، البتہ اس بیان کا دار و مدار مبلغ کے مطالعے اور تجربے پر ہے۔

اِرْتِجالی بیان سیکھنے کے مراحل:

اِرْتِجالی بیان انسان کو دی گئی "بولنے کی نعمت" کا نقطۂ کمال ہے، یہ عوام کو متأثر کرنے کا زبردست طریقہ اور دعوتِ دین کے لیے بہت ہی کار آمد اور مفید ہے؛ مبلغ خلوص، یقین، دردِ امت، جوشِ ایمان اور وسعتِ مطالعہ رکھتا ہو تو اس کی جولانیاں سمندر کے بھونچال کی طرح ہوتی ہیں کہ بڑے سے بڑے مضبوط بیڑے کو بھی دوچار کر دیں اور دور کھڑے لوگ بھی اس کے اثر سے نہ بچ سکیں، لہٰذا مبلغ کو چاہیے وہ اِرْتِجالی بیان پر ضرور دسترس حاصل کرے تاکہ کسی بھی جگہ پر فِی البَدِیہ بیان کر سکے۔ یہاں پر اِرْتِجالی بیان سیکھنے کے سات مرحلے ذکر کیے جا رہے ہیں اللہ نے چاہا تو ان پر کما حقہ عمل کرنے سے فی البدیہ بیان کرنے کا ملکہ پیدا ہو جائے گا:

(1) اِرْتِجالی بیان پر ملکہ حاصل کرنے کے لیے خدائے قادر و مالک سے عاجزی و انکساری کے ساتھ دعا کی جائے۔

(2) اللہ تعالیٰ پر توکل کیا جائے اور حسنِ اعتقاد رکھا جائے کہ وہ توکل کرنے والوں کے مقاصد کو پورا کرنے والا ہے۔

(3) تجربہ کار اور ماہر مبلغین کے بیانات سنے جائیں اور ان کے تجربات سے فائدہ اٹھایا جائے کیونکہ دانش مند کہا کرتے ہیں: مَنْ لَا تَجْرِبَةَ لَهٗ يَقْتَبِسُ مِمَّنْ لَهٗ تَجْرِبَةٌ یعنی جو خود تجربہ کار نہ ہو اسے دوسروں کے تجربے سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔

(4) اعدادی بیان کے مرحلے کی خوب مشق اور اس میں کامیابی کے بعد اِرْتِجالی بیان کے لیے مسجد میں اکیلے بلند آواز سے بیان کرنے کی کوشش کی جائے، آزمائش کا خوف نہ ہو تو منبر پر بیٹھ کر یہ مشق کرنا زیادہ مفید ہوگا؛ بیان کے اسلوب، صحتِ تلفظ اور حسنِ ادا کا جائزہ لینے کے لیے اپنا بیان ریکارڈ کر کے سنا بھی جا سکتا ہے۔

(5) جس بیان کی مسجد میں مشق کی تھی اس کے مضامین پختہ ہونے کے بعد یہی تقریر لوگوں کے سامنے کی جائے، اس طرح زبان کی گرہ بھی کھل جائے گی اور جھجک بھی جاتی رہے گی۔

(6) قوتِ عاطفہ یعنی سوچنے اور احساسات کا خوبصورت پیرائے میں اظہار کرنے کی صلاحیت کو مضبوط کیا جائے اور اپنے

جذبات کو خوبصورت انداز میں بیان کرنے کی مسلسل مشق کی جائے کیونکہ کامیاب مبلغین کی کامیابی کی بنیادی وجہ قوتِ عاطفہ کی مضبوطی ہی ہے، یہی وہ قوت ہے جس کی وجہ سے مبلغ بیان کی سحر آفرینی سے لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے اور زبردست اسلوب کے ذریعے عقلوں کو اسیر بنالیتا ہے۔

(7) مبتدی کو چاہیے جب بھی بیان کرنا ہو اس کی مشق لازمی لازمی کرے؛ بہت سے مبتدی مشق نہ کرنے کی وجہ سے سامعین کے سامنے دو چار منٹ ہی بول پاتے ہیں اور پھر ان کا حافظہ، ان کا گلا اور ان کی آواز انہیں بیچ منجدھار میں چھوڑ کر کنارے پر کھڑے خاموش تماشائی بنے ہوتے ہیں۔

اِرتجالی بیان کے حوالے سے ضروری ہدایات:

ارتجالی بیان ایک پُرخطر راہ ہے جس پر چلنا ہر مبلغ کے بس کی بات نہیں، اس حوالے سے ضروری ہدایات پیشِ خدمت ہیں:

- اِرتجالی بیان کافی عرصہ مشق کے بعد کیا جائے۔
- اِرتجالی بیان پر مہارت ضرور حاصل کی جائے لیکن اس کے حوالے سے محتاط رہا جائے۔
- اِرتجالی بیان وہی شخص کرے جس کو اپنی زبان وخیال پر مکمل گرفت ہو اور اس کا صواب خطا پر غالب ہو۔
- اِرتجالی بیان میں موضوع سے ہٹنے کا بہت امکان ہوتا ہے اس کا خاص خیال رکھا جائے۔
- آیات واحادیث کی تفسیر بالرائے سے بچنا لازم ہے لہٰذا اِرتجالی بیان میں اس کا خاص خیال رکھا جائے۔
- فرمانِ رسول بیان کرتے ہوئے انتہائی محتاط رہا جائے اور درست حدیث ہی بیان کی جائے۔
- بیان کو لمبا کرنے کے لیے بات سے بات نکالتے ہوئے یہ خیال رہے کہ پہلی بات مکمل ہو چکی ہو۔
- قول، واقعہ یا حکایت بیان کرتے ہوئے قائل یا صاحب واقعہ کا ذکر اسی وقت کیا جائے جب سو فیصد یقین ہو ورنہ مجہول صیغہ ذکر کر دیا جائے۔
- غیر یقینی مواد یا سنی سنائی بات ہر گز بیان نہ کی جائے وہی بیان کیا جائے جس کے درست ہونے کا سو فیصد یقین ہو، جس بات میں ذرا بھی شک ہو اسے ہر گز ہر گز آگے نہ بڑھایا جائے۔
- اِرتجالی بیان بلکہ کسی بھی بیان کے دوران غیر شائستہ اور نامناسب حرکات سے بچا جائے، مثلاً جوشِ خطابت میں ٹانگ یا آس پاس پڑی چیزوں پر ہاتھ مارنا، چہرے اور ہاتھوں سے ایک ہی اشارے کو دہراتے رہنا وغیرہ۔

www.dawateislami.net

مشقی و عملی سُوالات

1←مکتوبی بیان کے اصول و فوائد بتائیے۔

2←حفظی بیان کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

3←حفظی بیان کی ضرورت پیش آئی تو آپ کا لائحہ عمل کیا ہو گا؟

4←اعدادی بیان کے لیے مقرر کو کن باتوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہے؟

5←اِرتجالی بیان کے حوالے سے سبق میں موجود ہدایات کا خلاصہ بیان کیجیے۔

6←فصل میں آنے والے اپنے پسندیدہ الفاظ، جملے، تراکیب اور محاورے الگ صفحے پر نوٹ کیجیے۔

7←بیان کے چاروں طریقوں میں سے کسی بھی ایک طریقہ پر بیان تیار کر کے اپنے درجہ میں بیان کیجیے۔

اہم نوٹ

تیسری فصل: بیان کے متعلقات

بے شک بعض بیانوں میں جادو جیسا اثر ہوتا ہے جو اولادِ آدم کی روحوں کو حیرت زدہ کر دیتا ہے، یہی وجہ ہے کہ جتنی جلدی اچھا بیان کرنے کی صلاحیت انسان کو معاشرے میں اہم اور مشہور کر سکتی ہے کوئی دوسری سرگرمی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی، لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ بیان کے عناصر ولوازم اور ضروری متعلقات پورے بیان میں مثلِ خون جان بخشی کرتے رہیں، ورنہ بیان کی مثال جھڑے ہوئے پتے کی طرح ہوگی جس کو رگوں کا ابھار بھی زندگی نہیں دے سکتا کہ اس کا بنیادی اصول "جڑ سے وابستگی" موجود نہیں رہا۔ اس فصل میں درج ذیل عنوانات کے تحت معیاری بیان کے لیے ضروری چیزوں کو ذکر کیا جارہا ہے ملاحظہ کیجیے:

﴿1﴾ بیان کے عناصر ﴿2﴾ بیان کے لوازم

﴿3﴾ بیان کی خوبیاں ﴿4﴾ بیان کی خامیاں

﴿1﴾ بیان کے عناصر

اچھے اور معیاری بیان میں درج ذیل 10 عناصر کارفرما ہوتے ہیں:

1	خطبہ (ہم آہنگ اور جامع کلمات)	7	درسِ آیات و احادیث اور درسِ واقعات (نکات کی صورت میں)
2	ابتدائیہ (منفرد اور غیر روایتی)	8	نکتہ بینی
3	قرآنی آیات	9	ذاتی مشاہدات و تجربات
4	احادیثِ مبارکہ	10	لطائف اور چٹکلے (موضوع سے متعلق)
5	موضوع سے متعلق تفسیرِ آیات یا شرحِ احادیث	11	معنیٰ خیز اشعار (موضوع سے متعلق)
6	مستند واقعات و حکایات (غیر مشہور ہوں تو بہتر)	12	جامع اور پیغام رساں اختتام

اگرچہ ان تمام چیزوں کا ہر بیان میں پایا جانا ضروری نہیں ہے لیکن ایک کامیاب اور معیاری بیان ان ہی عناصر کے گرد گھومتا ہے۔

﴿2﴾ بیان کے لوازم

صحیح الکلام، شیریں زبان اور فصیح البیان ہونا دنیا کی بہترین چیزوں میں سے ایک ہے؛ ان صفات کے حامل مبلغ میں ایک عجیب کشش ہوتی ہے، اس کے منہ سے الفاظ نہیں پھول جھڑتے ہیں، ایک ایک لفظ خوبصورت ادائیگی، سلاست و روانگی اور حسنِ ترتیب کی وجہ سے ہار میں پروئے ہوئے موتی یا عروسی جوڑے پر بنے گوٹا کناری کی طرح چمک رہا ہوتا ہے۔ ذیل میں بیان کے ایسے ہی لوازمات کو بیان کیا جارہا ہے ملاحظہ کیجیے:

زبان وبیان:

عقل کا کام سوچنا اور غور و فکر کرنا ہے اس کے نتیجے میں جو خیالات پیدا ہوتے ہیں انہیں عقل ظاہر کرنا چاہے تو زبان وبیان کا سہارا تلاش کرتی ہے اور زبان وبیان کا تقریر کے ساتھ وہی رشتہ ہے جو جسم کا روح کے ساتھ ہے، زبان بیان کی روح ہے جس سے اس کا جسم نُمو پاتا ہے، لہٰذا مبلغ کے لیے زبان کا حصول اتنا ہی ضروری ہے جتنا زندگی کے لیے سانس لینا!

مبلغ کو چاہیے وہ اپنے سامعین کی زبان اس کی نزاکتوں، صحتِ الفاظ و تلفظ اور مخصوص جذبات کے اظہار واسلوب سے واقف ہو؛ میت کے چہرے سے کپڑا ہٹانے اور دلہن کے مکھڑے سے گھونگٹ اٹھانے میں فرق ہوتا ہے جو ایسے مواقع پر پیدا ہونے والے جذبات، احساسات اور ان کی ادائیگی کے الفاظ سے واقف نہیں اس کے لیے مطالعہ، مشاہدہ اور اِستعِداد کا بھی کوئی فائدہ نہیں! زبان وبیان کی وسعتوں اور ضابطوں پر آگاہی کے لیے شائستہ محفلوں میں شرکت، مستند ادیبوں کی کتب کا مطالعہ اور ثِقہ عالموں کے بیانات سننا بے حد مفید ہے۔ ورنہ اس حقیقت کو پلے باندھ لیجیے: قوتِ نطق کی وسعتوں اور ضابطوں سے آگاہی نہ ہونا ”ملکۂ بیان“ کا خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہونے دے گا۔

الفاظ اور صحتِ تلفظ:

انسانی ذہن ایک گہری جھیل ہے جس میں خوشی و غمی، الفت و کُلفت، راحت و تکلیف، اندوہ و مسرت، رنج و سکون، محبت و نفرت، تعجب و خوشی، تحسین و ستائش اور آفرین و نفرین جیسے احساسات کبھی لہروں کی صورت میں اور کبھی ٹیسوں کی شکل میں سر اٹھاتے رہتے ہیں، ان احساسات کی ترجمانی کے لیے ہر زبان میں الفاظ بھی موجود ہیں بلکہ

اس لحاظ سے الفاظ کی متعدد قسمیں بیان کی گئی ہیں مثلاً بعض الفاظ نازک، لطیف، شستہ، صاف، رواں، خفیف اور شیریں ہوتے ہیں، بعض پُر شوکت، متین، سنجیدہ اور فخریہ جیسے جذبات کا غلبہ ہوتا ہے اور بعض الفاظ کی منازلِ اِرتقا میں ایسی جذباتیت سموئی ہوتی ہے جو بذاتِ خود عجیب ہلچل پیدا کر دیتے ہیں ان کا پسِ منظر اس قدر اذیت ناک، دردناک اور الم ناک واقعات سے لبریز ہوتا ہے جو ایک زندہ روح وبدن میں کہرام مچادیں؛ یہی الفاظ سامعین کو حال کے دریچوں سے کھینچ کر ماضی کی پُر فریب یادوں میں دھکیل دیتے ہیں جہاں سے ان کا ضمیر نئے اُمنگ کے ساتھ نکھری سوچ، بلند حوصلے، نئے ولولے اور پختہ عزائم لے کر اٹھتا ہے۔ بہر کیف موضوع کی حساسیت اور ماحول کے مطابق الفاظ کا چناؤ کرنا چاہیے اور ساتھ ساتھ صحتِ تلفظ اور مطلوب لہجے کی آمیزش ہوجائے تو سامعین پر ایسا سحر طاری ہوتا ہے جو وہ تقریر کے بعد بھی کافی دیر تک محسوس کررہے ہوتے ہیں۔

جس طرح الفاظ کی قلت بیان کے دم خم کو گھٹا دیتی ہے اسی طرح الفاظ کا غلط تلفظ بھی تقریر کا ستیاناس کردیتا ہے! فرض کیجیے ایک داعیِ اسلام مبلغ منبر پر اردو زبان میں بہت ہی اعلیٰ اور علمی گفتگو فرمارہے ہوں لیکن ان کے لہجے پر مادری زبان کا رنگ یا علاقائی لہجے کا غلبہ ہو اور ان کی اردو کے بعض الفاظ کا تلفظ بھی درست نہ ہو تو سامنے بیٹھا ہوا آدمی جس کی پوری تعلیم ہی اردو اور انگریزی میں ہوئی ہو اس کے ذہن میں مبلغ کا ویسا ہی تأثر قائم ہوگا جیسا درجۂ اولیٰ کے طالبِ علم کے محدود ذہن میں صیغہ یا اعراب کی غلطی کرنے والے پروفیسر کا ہوگا۔

ایک معیاری بیان کے لیے موقع محل اور موضوع کے مطابق الفاظ کا چناؤ ان کا درست تلفظ اور مطلوب لہجے کا التزام بے حد ضروری ہے کیونکہ الفاظ کے بغیر تقریر گونگی ہے، لہجے کے بغیر آواز مکھی کی بھنبھناہٹ کے سوا کچھ نہیں اور اگر لفظوں کو ان کی ادائیگی کے وقت وہ مقام اور وہ سانچہ نہ دیا جائے جس کے تحت ان کی پرورش ہوئی ہے تو اصطبل کی آوازوں اور مقرر کے شور میں کیا فرق رہ جائے گا؟[1]

آواز:

جس طرح سمندر میں ہر چند گھنٹے بعد اتار چڑھاؤ ہوتا رہتا ہے اسی طرح دورانِ بیان آواز میں بھی تبدیلی ہونی چاہیے

1 ذخیرہ الفاظ کے بارے میں جاننے کے لیے اسی کتاب کا تحریر کے بارے میں باب ص 155 ملاحظہ کیجیے۔

www.dawateislami.net

کہ آواز اور اس کا مناسب اتار چڑھاؤ بیان کا انتہائی لازمہ ہے؛ موضوع کی مناسبت سے مُلائمت، کرختی اور گونج کا ہونا ہی آواز کا مَدّو جَزر ہے جو بیان میں جاذبیت پیدا کرتا ہے۔ بے ہنگم چیخم دھاڑ بیان میں جاذبیت پیدا کرنے کے بجائے نفرت کا بیج بو دیتی ہے اور مبلغ کا یہ انداز اس کی منفی شہرت کا باعث بن جاتا ہے جو اس کے لیے سخت نقصان کا باعث ہے۔ بیان کی کامیابی چیخنے چلانے یا گلا پھاڑنے اور زبردستی کی پست آواز پر نہیں بلکہ موضوع کی مناسبت اور ذہنی خیالات کے مطابق آواز میں تغیر پیدا کرنے پر موقوف ہے۔

لہجہ:

آواز کی مخصوص فطری کیفیت کا نام لہجہ ہے جو ہر شخص کا مختلف ہوتا ہے، لہجے کا زَیر و بم اس کی سیلابی و طغیانی کیفیت انتہائی حد تک متأثر کن ہوتی ہے؛ سامعین بیان کے مواد کی طرف توجہ کریں یا نہ کریں جب ان کی سماعتیں اچھی آوازوں اور سیراب کرتے لہجوں کو سنتی ہیں تو وہ ان میں گم ہو جاتے ہیں، ان کے دل و دماغ میں عجیب قسم کا تَمَوُّجِ خط نشو و نما پانے لگتا ہے اور وہ تھوڑی ہی دیر میں تمام غموں سے آزاد ہو کر اپنی طبیعتوں میں تازگی محسوس کرنے لگتے ہیں، گھنٹوں کا بیان منٹوں کا معلوم ہوتا ہے وقت کیسے گزر گیا وہ خود حیران ہوتے ہیں اور یہی وہ کامیابی ہے جو ایک مبلغ کا مطلوب ہوتا ہے۔

سلاست:

سوچوں کی برسات کا صوتی آبشار میں گھلتے چلے جانا ہی کمال درجے کی سلاست ہے؛ بالفاظِ دیگر اظہارِ خیال کے وقت زبان سے مناسب الفاظ کا بے تکلف ادا ہونا "سلاست" کہلاتا ہے۔ اس کے لیے مبلغ کے پاس الفاظ اور ان کے مترادفات کا وسیع ذخیرہ اور اس کے بے تکلف اظہار پر قدرت ہونا ضروری ہے۔ دورانِ بیان الفاظ کا بے تکلف استعمال بہت زیادہ مشق اور وسیع مطالعے پر موقوف ہے۔

﴿3﴾ بیان کی خوبیاں

ویسے تو بیان کی خوبی ہی یہ ہے کہ وہ اپنے تمام عناصر و لوازم سے مزین ہو لیکن چند اضافی خوبیاں بھی ہیں جو بیان کو چار چاند لگا دیتی ہیں، ذیل میں ایسی ہی کثیر خوبیوں میں سے پانچ کا ذکر کیا جا رہا ہے ملاحظہ کیجیے:

www.dawateislami.net

فصاحت و بلاغت:

آدمی کا اپنی عبارت کے ذریعہ الجھن پیدا کرنے والے اختصار اور اکتادینے والی طوالت سے بچتے ہوئے دل میں موجود بات کی تہہ تک پہنچ جانا"بلاغت"کہلاتا ہے اور کلام کا تعقید سے خالی ہونا"فصاحت"کہلاتا ہے۔[1]

فصاحت و بلاغت دونوں ہی بیان کی جان ہیں بر محل اور واضح کلام کامیاب بیان کا ضامن ہوتا ہے؛ مبہم بیان کبھی بھی تبلیغ کا ذریعہ نہیں بن سکتا بلکہ یہ چیز پہلے سے واضح اور سلجھی ہوئی چیزوں کو الجھا دیتی ہے، لہٰذا بیان کو مُعَمّا اور پہیلی بننے سے بچایا جائے اور ایسی بات کی جائے جو دل سے نکل کر دل میں اتر سکے۔ بیان کو فصیح و بلیغ بنانے کے لیے درج ذیل امور کا لحاظ نہایت کارآمد ہوگا:

❁ تقریر سریلی نہ سہی رسیلی ضرور ہونی چاہیے! اس کے لیے الفاظ کے سنگار، افکار کے نکھار اور مطالعے کی بہار سے مدد لینی چاہیے کہ فصیح الفاظ کا استعمال، مسلسل مشق اور فُصحا کی کتب کا مطالعہ بیان کو تو فصیح و بلیغ بنائے گا ہی اس کے علاوہ مبلغ کے اندر فصاحت کی ایسی حِس پیدا کردے گا جو اس کی زبان سے غیر فصیح کلام نکلنے ہی نہیں دے گی۔ کراہیت دلانے والے الفاظ اور دقیانوسی کلمات کا استعمال، ترکیبِ عبارت کے اصولوں کی خلاف ورزی اور باسی خیالات پر مشتمل بیان ٹین کے ڈبے میں بجتے پتھروں کی آواز سے کم نہیں!

❁ لفظِ واحد کی کثرت، ایک لفظ یا جملے کی بے جا تکرار، پے در پے اضافت، مشکل و غیر مشہور کلمات کا استعمال اور کچھ دیر پہلے کی گئی اپنی ہی بات کے خلاف بات کر دینا یا بار بار لفظی غلطی کر کے اس کو بدلنا بیان کو غیر فصیح اور مبلغ کی ساکھ کو خراب کر دیتا ہے۔

❁ بلاغتِ کلام کے لیے صرف لفظ کا فصیح ہونا کافی نہیں بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ دوسرے الفاظ کے ساتھ ترکیب پانے کے بعد جملے کی بناوٹ، ہیئت، کلمات کی نشست و برخاست، سُبُکی و گرانی اور ان کا خاص تناسب و توازن بر قرار رہے ورنہ کلام میں فصاحت و بلاغت قائم نہیں رہے گی۔ دیگر زبانوں کے بمقابل اردو زبان میں اس بات کا لحاظ زیادہ ضروری ہے کیونکہ اردو میں دیگر زبانوں کی آمیزش بہت زیادہ ہے خصوصاً فارسی کلمات کی اور ایسے کئی جملے ہیں جن کی ترکیب الگ الگ زبانوں کے الفاظ سے ہونے کی وجہ سے کلام فصاحت سے گر جاتا ہے۔

1 ...... نہایۃ الایجاز، الجملۃ الاولیٰ فی المفردات، الفصل الثانی، ص 31۔

www.dawateislami.net

❁ یہ اردو کی خصوصیت ہے کہ دیگر زبانوں کے لیے اس کا دامن کشادہ ہے؛ اس سے جہاں اردو کی فصاحت کا میدان وسیع ہوتا ہے وہیں اردو داں طبقہ کی زبان اور ادائیگی الفاظ کے مخارج واطراف میں بھی وسعت آجاتی ہے اور وہ ہر زبان کے الفاظ کسی کے بھی مقابلے میں بآسانی ادا کرسکتے ہیں! لیکن اس خصوصیت سے کماحقہ استفادے کے لیے اردو کی مزاج شناسی بے حد ضروری ہے ورنہ اس کا نِباہ مشکل ہوجائے گا۔

❁ قواعدِ صرف ونحو کے ساتھ ساتھ سامعین کی ذہنی سطح، تعلیمی قابلیت اور ان کے طرزِ زندگی سے بخوبی واقفیت حاصل کی جائے ورنہ مبلغ اپنے تئیں ایسا فصیح وبلیغ بیان کررہا ہوگا جو سامعین کی پراگندگی کا باعث ہوگا اور سامعین کی طرف سے بیان کی پذیرائی یا تو حسنِ عقیدت کی بنا پر ہوگی یا زیادہ سے زیادہ اس کی شخصیت کے رعب داب کی وجہ سے، اس کے علاوہ ان کو مبلغ کی ذات سے شاید کوئی فائدہ نہ ہو۔ فافہم

اسلوبِ بیان:

اسلوبِ بیان کسی بھی مبلغ کی وہ انفرادیت ہے جو اسے دوسرے مبلغین سے ممتاز کردیتی ہے؛ فکر ومعانی، حسنِ ادائیگی اور کشادہ طبیعت کے امتزاج سے ایک دلکش اسلوب وجود پذیر ہوتا ہے، بلکہ بعض اوقات مبلغ کا اسلوبِ بیان اس قدر شان دار ہوتا ہے جو کم تر مواد کو بھی انتہائی دلچسپ بنادیتا ہے۔ اور آنکھ بند کرکے کسی بھی دوسرے مبلغ کی رٹی رٹائی تقریر کرنا فکری رگوں کو سُوجا دیتا ہے، مبلغ کو ازخود مطالعہ کرکے بیان کرنا چاہیے یہ اس کے اسلوب میں نکھار پیدا کرنے کا باعث ہوگا۔[1]

اشعار:

انسان طبعاً شاعری کو پسند کرتا ہے اور مختلف اوقات میں زیرِ لب اشعار گنگناتا رہتا ہے اور ان سے سبق بھی لیتا ہے، اگر دورانِ بیان برمحل معنیٰ خیز اشعار پڑھے جائیں تو سامعین کو سرشار کردیتے ہیں۔ دورانِ بیان شعر کے انتخاب میں درج ذیل دو چیزوں کا خیال رکھا جائے تو اشعار کی تاثیر بڑھ جائے گی:

(1) مبلغ اپنے ہر بیان میں ایک ہی شعر پڑھنے کا معمول نہ بنائے بلکہ ہر بیان میں موقع کی مناسبت سے ایک ہی مفہوم کے چند اشعار منتخب کرلے اور کم مشہور شعر کو بیان کا حصہ بنائے کہ تتلیاں بھی اس بات کا احساس رکھتی ہیں کہ وہ

1 ...... اسلوب کے حوالے سے تفصیلی معلومات کے لیے باب تحریر کے بارے میں صفحہ نمبر 149 مطالعہ کیجیے۔

ہمیشہ شگفتہ اور تر و تازہ پھولوں پر ہی بیٹھتی ہیں، لہٰذا مبلغ کو اپنے اندر یہ ذوق پیدا کرنا ہوگا۔

(2) اگر کسی شعر کی شہرت دوسرے مبلغ کے بار بار پڑھنے کی وجہ سے ہوگئی ہے تو دیگر مبلغین کو اس شعر کے علاوہ اشعار کا انتخاب کرنا چاہیے کہ کسی کی ذات سے مشہور ہونے والے اشعار کائی جمے ہوئے حوض کی تہہ میں پڑے از کار رفتہ سکوں سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتے۔

نکتہ بینی:

خوشبو کے پھیلنے کے لیے تازہ ہوا کا جھونکا ضروری ہوتا ہے اسی طرح دلائل و براہین کے پردوں میں لپٹے بیان سے فرحت حاصل کرنے کے لیے دل نشین نکتے کی ضرورت پڑتی ہے؛ اگر بیان میں نکتہ بینی نہ ہو تو سامعین اکتاہٹ محسوس کرنے لگتے ہیں لہٰذا موقع کی مناسبت سے دل چسپ نکتوں اور مزیدار باتوں کو بھی بیان کا حصہ بنانا زبردست خوبی ہے۔

بے تکلف انداز:

اگر بیان میں حقیقی تأثرات، قلبی جذبات اور روح کی گہرائیوں سے پیدا ہونے والے الفاظ کا استعمال کیا جائے تو بیان کا لطف دوبالا ہوجاتا ہے، اس کے برعکس بناوٹ اور تصنع بیان کا ہلکا پن ہے یہ کبھی بھی بیان کو دلکش اور بلند پایہ نہیں بننے دیتا بلکہ ایسا بیان اپنا اثر کھو دیتا ہے اور حسّاس طبع سامعین کی اکتاہٹ کا باعث بنتا ہے۔ بے تکلف اور فطری اندازِ بیان کا سب سے بنیادی فائدہ یہ ہے کہ مبلغ کا لب و لہجہ پُر شوکت یا سادہ الفاظ کے مطابق خود بخود ڈھلتا چلا جاتا ہے جو خطابت کی جان اور جذباتِ قلب کے صحیح اظہار پر دال ہوتا ہے۔

﴿4﴾ بیان کی خامیاں

لذیذ اور خوش ذائقہ پھل پر بھی اگر معمولی داغ آجائے تو وہ کسی نفیس انسان کی خوراک بننے سے محروم ہوجاتا ہے بالکل یہی حالت بیان کی ہے؛ اس کا اکثر حصہ کتنا ہی بہترین کیوں نہ ہو اگر معمولی سی خامی کا شکار ہوگیا تو ساری محنت پر اوس پڑجاتی ہے! ہوسکتا ہے وقتی طور پر لوگوں کے منہ بند رہیں لیکن کبھی نہ کبھی سانپ اپنی پٹاری سے باہر نکل کر زہر ضرور اگلے گا جو مبلغ کے جذبات کو مجروح کرنے کا باعث ہوگا۔ مبلغ کے لیے ضروری ہے وہ اپنے بیان کی خامیاں نوٹ کرے اور انہیں دورانِ مشق ہی دور کرنے کی کوشش کرے تاکہ لوگوں کی زہر آلود زبانوں اور تکلیف دہ طعنوں سے محفوظ رہ سکے۔ ذیل میں بیان کی ایسی چند خامیوں کا ذکر کیا جارہا ہے جو غیر شعوری طور پر بیان میں داخل ہوجاتی ہیں اور

مبلغ کو احساس تک نہیں ہوتا:

تذبذب / عدم اعتماد:

بیان کو گُھن لگانے والی چیز مبلغ کا تذبذُب ہے اور جب مبلغ تذبذب کا شکار ہو تو وہ اپنے منصب کے ساتھ انصاف نہیں کر سکتا۔ ایک اچھا مبلغ ہمیشہ خود اعتماد ہوتا ہے وہ جو بات بھی کرتا ہے پورے اعتماد، اِستِغْنا اور جماؤ کے ساتھ کرتا ہے۔ عام طور پر خود اعتمادی مسلسل بیان کرتے رہنے کے بعد حاصل ہو جاتی ہے، البتہ اگر مبلغ درج ذیل نِکات کو ذہن نشین کر لے تو ان شاءاللہ کبھی بھی بیان کی وجہ سے تذبذب کا شکار نہیں ہو گا:

❁ بیان پر دسترس ذاتی ملکیت نہیں بلکہ فَیّاضِ حقیقی کی جناب سے عطیہ ہے تاکہ آپ مخلوقِ خدا کی اصلاح کر سکیں اور اصلاح کرتے ہوئے ہچکچانا عین معرکے میں قدموں کے لڑکھڑانے کی طرح ہے، اگر آپ بزدل نہیں ہیں تو اپنے قدموں کی طرح اپنے لہجے اور آواز پر قابو رکھیے۔

❁ آپ کو بیان کی توفیق اس لیے عطا ہوئی ہے کہ لوگ آپ سے دین سیکھیں، لہٰذا اس کو عطیۂ الٰہی جانیے اور پورے اعتماد کے ساتھ دین کا پیغام عام کیجیے کہ جس رب نے یہ توفیق دی ہے وہی آپ کو غلطی سے بھی بچائے گا۔

❁ آپ بیان اس لیے نہیں کر رہے کہ آپ کو بولنے کا شوق ہے بلکہ آپ بیان اس لیے کر رہے ہیں کہ لوگوں کو اس کی ضرورت ہے اور وہ آپ کے ذریعے خیر کی بات سننا چاہتے ہیں۔

❁ اعتماد بحالی کے لیے آپ دل میں اس بات کا یقین رکھیں کہ آپ کے سامعین میں آپ سے زیادہ جاننے والا کوئی نہیں ہے۔

❁ جو شخص اوپر نہیں دیکھتا وہ نیچے دیکھنے پر مجبور کر دیا جاتا ہے اور جس کی ہمت بلند نہیں اس کے مقدر میں محرومی ہے؛ یہی آئینِ حیات ہے یہی وہ قوت ہے جو "میں کر سکتا ہوں" کو "میں کروں گا" اور "میں کروں گا" کو "میں نے کر دکھایا" میں بدل دیتی ہے۔

بے جا انکساری:

مبلغ کا بے جا انکساری کرنا یا معذرت خواہانہ جملے بولنا اپنی صلاحیت کے ساتھ ناانصافی کرنے کے مترادف ہے، یہ عادت مبلغ کو سامعین کی نظروں میں گرا دیتی ہے اور اس کا بیان مکھن نکلے دودھ سے زیادہ کچھ نہیں رہتا۔ بعض مبلغین کو اس طرح کے جملے بولنے کی عادت ہوتی ہے: "میں آپ کا زیادہ وقت نہیں لوں گا"، "مجھے اپنی کم علمی کا اعتراف ہے"،

"دورانِ بیان میری غلطیوں سے صرفِ نظر کیجیے گا" وغیرہ۔ یقین کیجیے اس طرح کے جملے مبلغ کی خوبی کا اظہار نہیں اس کی کمزوری کا برملا اعتراف ہے! کیا ایسے سطحی اور پیڑی جمی فکر کی غمازی کرتے بے ڈھنگے جملے نیکی کی دعوت دینے والے شخص کی زبان سے ادا ہونے چاہئیں؟ ہرگز نہیں! آپ خدائی پیغام نائبِ پیغمبر کی حیثیت سے عام کر رہے ہیں جس کا تقاضا یہ ہے کہ آپ کے خیالات پختہ، ارادے مضبوط اور الفاظ ایسے توانا ہوں جو سامعین کو حوصلہ وہمت فراہم کریں یہ نہ ہو کہ آپ کی باتوں سے ہمیشہ پستی کی بو آتی رہے۔ البتہ حقیقی غلطی ہو تو اس کا ازالہ ضرور ہونا چاہیے لیکن اس میں بھی مبالغہ آرائی اور بے جا کسرِ نفسی کا اظہار ایک مبلغ کو بالکل زیب نہیں دیتا۔

نفسیات کی پرکھ نہ ہونا:

بعض مبلغین اپنے سامعین کی نفسیات کا لحاظ رکھے بغیر بولتے چلے جاتے ہیں اور گرج چمک کے ساتھ برسنے کی کوشش کرتے ہیں انہیں یہ اندازہ ہی نہیں ہوتا کہ ہمارے سامعین اس طرح کی برسات میں بھیگنے کے عادی ہیں بھی یا نہیں؟ یہ بے چارے اس حقیقت کو نہیں سمجھتے کہ وہ محض اسٹیج پر قابو پانے سے مجمع پر حاوی نہیں ہوسکتے، انہیں سامعین کی دلچسپی سے زیادہ اپنے خیالات کی ترسیل عزیز ہوتی ہے۔ ان میں بعض تو ایسے نابالغ ہوتے ہیں کہ کلماتِ ستائش کی منفی شکلوں کو بھی نہیں بھانپ سکتے؛ یہ جس کو داد سمجھ رہے ہوتے ہیں حقیقت میں وہ ان کی طرف اڑائے جانے والے تعریض وتنقید کے چھینٹے ہوتے ہیں لیکن یہ نادان اس کا اندازہ نہیں کر پاتے اور یوں ان کی شخصیت مجمع کے لیے تفریح کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ لہٰذا ایک اچھے مبلغ کے لیے سامعین کی نفسیات سے واقف ہونا اور مجمع کا تیور شناس ہونا بے حد ضروری ہے۔

بے جا تکرار / تکیہ کلام:

تکرار دو طرح کی ہوتی ہے ایک لفظ اور جملے کی تکرار اور دوسری مفہوم کی تکرار۔ تحریر میں ان دونوں کی گنجائش نہیں ہوتی لیکن بیان میں کچھ فاصلے کے بعد دلچسپ الفاظ اور خوبصورت تشبیہات و استعارات کے سانچے میں ڈھال کر مفہوم کی تکرار بری چیز نہیں مگر یہ بھی ایک دوبار سے زیادہ نہیں ہونا چاہیے۔ البتہ کسی لفظ کی بے جا تکرار سامعین پر سخت گراں گزرتی ہے بلکہ بعض اوقات مبلغ کی رسوائی کا سبب بھی بن جاتی ہے۔

بعض مبلغین کی گفتگو میں کوئی نہ کوئی لفظ ان کا تکیہ کلام بن جاتا ہے وہ بار بار چند الفاظ یا جملوں کے بعد لاشعوری طور پر اسے دہراتے ہیں انہیں اس بات کا احساس بھی نہیں ہوتا کہ وہ اپنے تکیہ کلام کو جملے کے درمیان شامل کرکے اسے بے

وزن کررہے ہیں، یوں پورے بیان کا اثر صرف ایک لفظ کی وجہ سے ختم ہو کر رہ جاتا ہے گویا مبلغ کا تکیہ کلام اس کے بیان کا اثر ختم کرنے کے لیے کھٹائی کا کام کرتا ہے یا شاید اثر ہونے ہی نہیں دیتا۔

مبلغ کو چاہیے وہ اپنے ذخیرۂ الفاظ کو بڑھائے کسی بھی لفظ یا جملے کو تکیہ کلام نہ بننے دے اس کے لیے اپنی گفتگو کو ریکارڈ کرے یا کسی کو اپنا نگران مقرر کرلے جو تکیہ کلام پر بار بار توجہ دلاتا رہے ان شاء اللہ بہت جلد یہ لاشعوری میں ہونے والی غلطی شعور کے بعد ختم ہو جائے گی۔

الفاظ اور جملوں کی تکرار سے بچنے کے لیے استعارات اور تشبیہات کا سہارا لینا بھی نہایت کار آمد ہو گا کیونکہ یہ بات صد فیصد درست ہے کہ کسی بھی شخص کے پاس الفاظ کا کتنا ہی ذخیرہ کیوں نہ ہو وہ خیالات کی کثرت کے آگے کم ہی نظر آتا ہے اسی وجہ سے شعرا اور ادیب اپنے خیالات کے اظہار کے لیے تشبیہات و تمثیلات وغیرہ سے ضرور مدد لیتے ہیں اس طرح وہ تکرار سے بھی بچ جاتے ہیں اور کلام میں خوبصورتی بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ لیکن یہ صلاحیت بہت زیادہ مشق کے بعد ہی پیدا ہو سکتی ہے کہ مبلغ دورانِ بیان اس پر قادر ہو کہ فی البدیہ اپنے خیالات کو اس طرز پر ذکر کرتا چلا جائے۔

مشکل پسندی:

الفاظ کا چناؤ سامعین کی علمی سطح کے مطابق ہونا چاہیے اگر بیان عوام کے درمیان ہو رہا ہے تو خواہ مخواہ مشکل الفاظ، دقیق جملے، بوجھل تراکیب اور نامانوس مثالوں سے پرہیز ضروری ہے؛ مبلغ کے ذہن میں ہونا چاہیے کہ بعید از فہم استعارے، پیچ و خم میں لتھڑی تشبیہات، مُعَمّا نُما رَمزیں، ملفوف کنائے اور مُبْہَم محاورے عوام کے لیے بلکہ بعض اوقات اہلِ علم کے لیے بھی الجھن کا باعث ہوتے ہیں۔ اس سے سامعین مکمل فائدہ نہیں اٹھا پاتے اور مبلغ کا پیغام بھی پوری طرح ان تک نہیں پہنچتا۔

❁❁❁❁❁

www.dawateislami.net

مشقی و عملی سُوالات

1←عناصرِ بیان کتنے اور کون کون سے ہیں؟

2←لوازماتِ بیان کتنے ہیں؟ ان میں سے دو کی خوبصورت جملوں میں وضاحت کیجیے۔

3←بیان میں پائی جانے والی خوبیوں کا جائزہ لیجیے اور اس فہرست کے علاوہ چند خامیوں کی مزید نشاندہی کیجیے۔

4←فصل میں آنے والے اپنے پسندیدہ الفاظ، جملے، تراکیب اور محاورے الگ صفحے پر نوٹ کیجیے۔

5←کسی بھی اصلاحی موضوع پر مختلف نِکات اور اشعار تلاش کرکے 10 منٹ بیان کیجیے۔

اہم نوٹ

چوتھی فصل: مبلغ کے اوصاف

قوم کے خطیب اور مبلغ اس صبح کی طرح ہوتے ہیں جس کے طلوع ہونے سے شبستانِ وجود لرز اٹھتا ہے، اندھیرے بوریا بستر لپیٹ لیتے ہیں، تاریکی اجالے سے بدل جاتی ہے؛ یوں ہی مبلغ کے بیان سے مایوسوں کے لیے امید کی کرن پھوٹتی ہے، زندگی کی دوڑ میں اپنی ہار کا اعتراف کرنے والوں کے دل جینے کی تمنا کرنے لگتے ہیں، نافرمانی کے اندھیروں میں بھٹکنے والے ہدایت کے نور کو پالیتے ہیں، کفر کی آندھیوں کے جھکڑ ایمان کی ٹھنڈی ہواؤں سے بدل جاتے ہیں؛ عُلَمائے دین اور مبلغینِ اسلام کے کاندھوں پر اتنی ہی بڑی ذمہ داری ہوتی جتنی سرحد کی حفاظت کرنے والے سپاہیوں کے کاندھوں پر؛ سپاہی ملکی سرحد کے محافظ ہوتے ہیں اور عُلَمائے دین و مبلغین نظریاتی سرحدوں کی حفاظت کرتے ہیں، جس طرح ایک وفادار سپاہی اپنی پسند ناپسند کو ملکی اور منصبی قوانین پر قربان کردیتا ہے بلکہ اس قربانی کے لیے سرتوڑ کوشش کرتا ہے بالکل یہی صورتِ حال خطیب اور مبلغ کی بھی ہونی چاہیے کہ اپنے منصبی تقاضوں پر ذاتی خواہشات کو قربان کردے بلکہ اس قربانی کی خواہش رکھے اور مکمل تیاری کے ساتھ خدمتِ دین کے لیے میدانِ عمل میں قدم رکھے۔

بیان سے متعلق تربیتی معلومات کے ضمن میں مبلغ کے حوالے سے کافی کچھ بیان کیا جاچکا ہے؛ یہاں پر اس حوالے سے مزید معلومات فراہم کی جارہی ہیں ملاحظہ کیجیے:

1. مبلغ کو کامیاب کرنے والی چیزیں
2. مبلغ کے ظاہری وباطنی آداب
3. مبلغ کو ناکام کرنے والی چیزیں
4. مبلغ کے لیے قابل مشق چیزیں

(1) مبلغ کو کامیاب بنانے والی چیزیں

جب ایک انسان اپنے ملکۂ وہبی کی تحریک اور پرخلوص جذبے کے زیرِ اثر بیان کو نیکی کی دعوت کا ذریعہ بناتا ہے تو اس کا دماغی ارادہ اور قلبی شغف ہی ایسے کئی امور پر راہ نمائی کرتا ہے جو اس کی کامیابی کا ضامن ہوتے ہیں، یہ ایسے عمدہ اوصاف سے مزین ہوجاتا ہے جن کے رنگارنگ جلوے لمحہ لمحہ اپنی رنگینی کا اثر پیدا کررہے ہوتے ہیں، اس کو اپنی سرخ رُوئی کی بنیاد کا پتا لگانے کی ضرورت نہیں پڑتی وہ تو خدائی عطیہ کی طرح اس کی جھولی میں آگرتی ہے۔ لیکن پھر بھی ایک پُرجوش مبلغ کے لیے ضروری ہے وہ اپنے اندر ایسے اوصاف اور صلاحیتیں پیدا کرنے کی کوشش کرے جو اس کے منصبی

تقاضوں کو پورا کرنے میں معاون ہوں۔ ذیل میں ایسی چند چیزوں کے حوالے سے راہ نمائی کی جارہی ہے جن کا مبلغ کی ذات میں ہونا ضروری ہے:

معلوماتِ دینیہ:

مبلغ کے دل و دماغ میں دینی معلومات کا ہونا ایسا ہی ہے جیسے دودھ میں مکھن کا ہونا کہ اس کے بغیر دودھ اپنی افادیت کھو دیتا ہے؛ بالکل اسی طرح اگر مبلغ کو دینِ اسلام کی ضروری معلومات نہیں ہوگی تو اس کے بیان کا اثر نہیں ہوگا بلکہ یہ دین کی اساس کو متاثر کرنے کا سبب بنے گا! ایک مبلغ کے لیے درج ذیل دس چیزوں کا جاننا بے حد ضروری ہے:

(1) ضروریاتِ دین اور ضروریاتِ اہلِ سُنَّت سے مع دلائل واقف ہو تاکہ تبلیغ و تشویق میں کسی قسم کی کمزوری نہ آسکے۔

(2) فرض علوم کے علاوہ نماز، امامت، خطابت اور نیکی کی دعوت کے ضروری مسائل جانتا ہو۔

(3) قرآنِ کریم حفظ ہو تو سونے پہ سہاگا ورنہ کم از کم اتنا قرآن یاد ہونا چاہیے جو نماز کی تمام رکعات میں مختلف مقامات سے پڑھ سکے، نیز جس موضوع پر بیان کرنا ہو اس سے متعلقہ آیات کو بھی حفظ کرلے تاکہ ارتجالی بیان میں انہیں بآسانی پڑھ سکے۔ اس طرح آہستہ آہستہ قرآنِ کریم کے بہت سے مضامین اور آیات مُستَحضَر ہو جائیں گی۔

(4) قرآنی واقعات کا مع جزئیات مطالعہ کرے کہ ان میں عبرت کی باتوں اور فکر کی روشنی کا زبردست سامان ہے۔ قرآنی واقعات کو درس اور نصیحتوں کے ساتھ بیان کیا جائے تو سامعین بہت دلچسپی لیتے ہیں۔

(5) غزواتِ نبویہ کے حالات، اسباب اور وجوہات کا علم حاصل کیا جائے اور ان سے ملنے والے درس پر توجہ دے۔

(6) سیرتِ صحابہ کی کافی معرفت رکھتا ہو اور بطورِ دلیل اسے بیان کرنے پر قادر ہو۔

(7) سلاطینِ اسلام کے کارناموں سے واقف ہو کہ یہ معلومات اس کے اندر شجاعت پیدا کردے گی۔

(8) اپنے زمانے سے ابتدائے اسلام تک کی درست تاریخ سے واقف ہو۔

(9) سابقہ امتوں کے حالات اور ان کے عروج و زوال کے اسباب و وجوہات وغیرہ سے واقف ہو۔

(10) اپنے زمانے میں عالَمِ اسلام کے حالات سے باخبر ہو کہ تمام مسلمان ایک جسم کی مانند ہیں اور انسان اپنے تمام جسمانی اعضا کی خبر رکھتا ہے۔ اس کے علاوہ عالمی منظرنامے سے بھی واقف ہو کہ یہ معلومات غیر محسوس طور پر اس کی گفتگو میں پختگی اور وزن پیدا کردے گی۔

معلوماتِ عامہ:

مبلغ کے لیے ضروری ہے وہ اپنے شعبے کے علاوہ دیگر علوم وفنون اور مختلف شعبہ جات کے بارے میں بنیادی سدھ بدھ رکھتا ہو تا کہ کسی بھی طرح کے سامعین کے درمیان بات کر سکے، اس چیز کا لحاظ اس وقت اور زیادہ اہمیت کا حامل ہو تا ہے جب مبلغ کو کسی خاص شعبے سے وابستہ افراد کے مابین بیان کرنا ہو؛ کبھی کبھی معمولی باتیں معلوم نہ ہونے کی وجہ سے مبلغ کی ساری محنت ضائع ہو جاتی ہے بلکہ اس کو شرمندگی کا سامنا کرنا پڑ جاتا ہے، مثلاً کوئی مقرر فصلوں کے موسموں سے واقف نہ ہو اور کسانوں کے درمیان اِن کی تباہ حالی کے اسباب پر بیان کرتے ہوئے یہ جملہ کہہ جائے: "اس بار تو برسات کا موسم یوں ہی گزر گیا کہ بارش نہ ہونے کی وجہ سے گیہوں کی فصل لگ سکی نہ چنے کی!" تو یقیناً کم پڑھے لکھے کسان بھی اس کی معلومات پر ہنس پڑیں گے کہ مابدولت کو یہ بھی نہیں معلوم کہ چنے اور گیہوں برسات میں پیدا ہی نہیں ہوتے!

مبلغ کے لیے معلوماتِ عامہ کا کوئی دائرہ نہیں ہے جس تک وہ محدود ہو سکے، لہٰذا وہ بیان کے لیے مطالعہ کے علاوہ دیگر موضوعات پر لکھی گئی مستقل کتب کا بھی مسلسل مطالعہ کرتا رہے یہ تسلسل ہی اس کی معلوماتِ عامہ کو بڑھانے کا سبب بنے گا۔

اچھے برے افعال کی پہچان:

مبلغ کے لیے ضروری ہے دینی، معاشرتی اور علاقائی سطح پر اچھے یا برے شمار کیے جانے والے افعال کی مکمل پہچان حاصل کرے تاکہ قابلِ تعریف افعال کو اختیار کرے اور نفرت انگیز حرکات سے بچ سکے اور ان کی ترغیب وترہیب میں اپنا کردار ادا کر سکے۔

کئی افعال ایسے ہوتے ہیں جن کا جواز شریعتِ اسلامیہ میں موجود ہوتا ہے لیکن معاشرے یا مخصوص علاقے میں انہیں برا سمجھا جاتا ہے، بعض اوقات اس کا اُلٹ بھی ہوتا ہے کہ شریعت میں کسی فعل سے متعلق سخت حکم ہوتا ہے اور کسی سے متعلق زیادہ سختی نہیں ہوتی لیکن معاشرے یا مخصوص علاقے کے لوگوں کا اختیار کردہ کام ہوتا ہے؛ کہاں کس طرح کا انداز اختیار کرنا ہے یہ جاننا ایک مبلغ اور داعی کے لیے انتہائی اہم ہے تاکہ اس کا بیان بلکہ اس کی اپنی شخصیت شرپسندوں کے ہاتھ کا کھلونا نہ بن سکے؛ اس حوالے سے درج ذیل ضابطہ کلیہ ذہن نشین کر لیا جائے تو کئی مقامات پر معاملہ حل کرنے میں آسانی رہے گی:

پر توئے امامِ اعظم جامع العلوم و الحکم امام احمد رضا خان رحمۃُ اللہِ علیہ فرماتے ہیں: **فعلِ فرائض و ترکِ محرمات کو اِرضائے خلق پر مقدم رکھے اور ان امور میں کسی کی مطلقاپروانہ کرے اور اتیانِ مستحب وترکِ غیرِ اَوْلیٰ پر مداراتِ خلق و مراعاتِ قلوب کو اہم جانے اور فتنہ و نفرت و ایذا و وحشت کا باعث ہونے سے بہت بچے۔ اسی طرح جو عادات و رسوم خلق میں جاری ہوں اور شرعِ مطہر سے ان کی حرمت وشناعت نہ ثابت ہو ان میں اپنے تَرَفُّع وتَنَزُّہ کے لئے خلاف وجدائی نہ کرے کہ یہ سب امور ایتلاف و موانست کے معارض اور مراد و محبوبِ شارع کے مناقض ہیں ہاں وہاں ہوشیار و گوش دار کہ یہ وہ نکتۂ جمیلہ و حکمتِ جلیلہ و کوچۂ سلامت و جادۂ کرامت ہے جس سے بہت زاہدانِ خشک واہلِ تکشف غافل و جاہل ہوتے ہیں وہ اپنے زعم میں محتاط و دین پرور بنتے ہیں اور فی الواقع مغزِ حکمت و مقصودِ شریعت سے دور پڑتے ہیں۔ خبر دار و محکم گیر یہ چند سطروں میں علمِ غزیر وَبِاللہِ التَّوْفِیْق وَاِلَیْہِ الْمَصِیْر۔**[1]

متأثر کن امور کی معلومات:

مبلغ کو چاہیے ان چیزوں کا علم ضرور حاصل کرے جن کی وجہ سے سامعین متأثر ہوسکتے ہیں اور اس معلومات کو کسی نہ کسی طرح اپنے بیان کا حصہ بنائے، مثلاً سائنسی ایجادات و عجائبات کے بارے میں جان کاری لیتا رہے اور موقع کی مناسبت سے قدرت کے عجائبات کو ذکر کرتے ہوئے بطورِ استعارہ، تشبیہ یا تمثیل بیان کرے کہ اس سے سامعین پر گہرا اثر پڑتا ہے یا تاریخی مقامات، شخصیات، واقعات خصوصاً سلطنتوں کے عروج وزوال کی داستانوں وغیرہ پر گہری نظر رکھنا بھی مقرر کے لیے مفید ثابت ہوتا ہے۔

متأثر کُن معلومات سے فائدہ اٹھانے کے لیے سامعین کی نفسیات اور ان کی ذہنی سطح کا علم ہونا ضروری ہے؛ جس طرح ہر چیز کی ایک حقیقت اور ہر جگہ کا راستہ ہوتا ہے اسی طرح ہر شخص کی ایک طبیعت ہوتی ہے اگر اس کی طبیعت اور مزاج کے مطابق بات کی جائے تو وہ ضرور متأثر ہوتا ہے، نیز طبیعتوں کے ساتھ ساتھ ذہنی سطح میں بھی قدرے اختلاف ہوتا ہے کہ ہر طبقے، ہر عمر اور ہر شعبے کے لوگوں کی ذہنی سطح مختلف ہوتی ہے، متأثر کن معلومات فراہم کرتے ہوئے ان دونوں چیزوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہے، ظاہر ہے جن چیزوں سے بچہ متأثر ہوتا ہے وہ نوجوان کو متأثر نہیں کر سکتیں اور جو مزاج ایک تجربہ کار پکی عمر کے شخص کا ہوتا ہے وہ ناتجربہ کار غیر تربیت یافتہ شخص کا نہیں ہوتا، لہٰذا مبلغ متأثر کُن امور

1 فتاویٰ رضویہ، 4/528۔

www.dawateislami.net

سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے تو اسے نفسیات شناس ہونا پڑے گا، ورنہ اس کی اہم ترین گفتگو ضائع ہو جائے گی۔

فکر انگیز جملے:

مبلغ اپنے بیان کی تیاری کے دوران موضوع کے مطابق مختلف ماہرینِ فن کے معنیٰ خیز اقوال شامل کرے بلکہ اپنے تجربات و مشاہدات کی روشنی میں منطق و بلاغت کی چاشنی لیے فکر انگیز جملے مرتب کرنے کی کوشش کرے پھر ان کے مطلوبہ ردھم اور خاص لہجے میں اس طرح ادا کرے جو سامعین کے لیے متأثر کُن ثابت ہو سکے۔

حاضر جوابی:

مبلغ اور داعی کو حاضر جواب ہونا بہت ضروری ہے کیونکہ اسے کئی مرتبہ ایسے افراد کا سامنا کرنا پڑتا ہے جو اس کی بات سن کر اپنے خیالات کے دفاع میں دلائل پیش کرتے ہیں یا حاسدین اس سے طرح طرح کے لغو سوالات کرکے اس کی ساکھ خراب کرنا چاہتے ہیں تاکہ سامعین پر یہ تاثر قائم ہو سکے کہ وہ جس مبلغ کو سننا پسند کرتے ہیں یا جس داعی کی بات کو قبول کررہے ہیں وہ تو ان سے غلط بیانی کرتا ہے! اگر مبلغ بروقت ایسی صورتِ حال کو بھانپ جائے اور مناسب جوابی کاروائی کردے تو اس وقت کی گفتگو اور مجلس پر حاوی ہو سکتا ہے!

حاضر جوابی علمی، ملامتی، مزاحی یا گفتگو کی نزاکت کے مطابق کسی بھی طرح کی ہو سکتی ہے اس کی دو مثالیں ملاحظہ کیجیے:

(1) خلیفہ اعلیٰ حضرت فقیہِ اعظم حضرت علامہ ابو یوسف محمد شریف کوٹلوی رحمۃ اللہ علیہ ایک محفل میں بیان کرنے کے لیے تشریف لے گئے، دورانِ بیان آپ نے نیک اعمال کرنے کی تلقین فرمائی اور فرمایا کہ "بالخصوص ساداتِ کرام کو اچھے کام اپنانا اور برے کاموں سے بچنا چاہیے۔" اس بات کو آپ نے زور دے کر بیان کیا تو ایک بزرگ سید صاحب اٹھے اور پوچھنے لگے: مولوی صاحب! مرغی حلال ہے یا حرام؟ حضرت فقیہِ اعظم نے فرمایا: "حلال ہے۔" سَیِّد صاحب کہنے لگے اگر مرغی نجاست کھالے تو کیا وہ حرام ہو جائے گی؟ اس سُوال سے شاہ صاحب کا مقصد یہ تھا کہ مرغی چاہے نجاست کھاتی پھرے وہ مرغی ہی رہے گی اور حلال بھی، اسی طرح اگر کوئی سید صاحب برے کام کرتے پھریں تو وہ سید ہی رہیں گے اور احترام کے قابل بھی۔ فقیہِ اعظم علامہ ابو یوسف محمد شریف کوٹلوی رحمۃ اللہ علیہ اس کا مقصد سمجھ گئے اور فرمایا: شاہ صاحب! ایسی مرغی جو نجاست کھانے کی عادی ہو اس کے لیے شریعت کا حکم یہ ہے کہ اسے چند دن باندھ کر رکھیں تاکہ نجاست کے اثرات جاتے رہیں اس کے بعد اسے ذبح کریں؛ تو شاہ صاحب! جو سید برے کاموں کا ارتکاب کریں گے

انہیں قیامت کے روز کچھ دیر کے لیے باندھا ضرور جائے گا تا کہ برے کاموں کے اثرات دور ہو جائیں۔ لٰہٰذا ضروری ہے کہ قیامت کے روز تھوڑی دیر کے لیے باندھے جانے سے ڈرا جائے اور اچھے کام اپنا کر برے کاموں سے بچا جائے۔ [1]

(2) پیلی بھیت میں ایک دعوت میں حضرت مُحدّث صاحب اور اعلیٰ حضرت رحمۃُاللہِ علیہ تشریف فرما تھے، دستر خوان بچھانے سے پیشتر میزبان نے آفتابہ و تشت لیا کہ ہاتھ دھلایا جائے، حضرت محدث صاحب نے عام عرفی دستور کے مطابق میزبان کو اشارہ کیا کہ اعلیٰ حضرت کے ہاتھ پہلے دھلائے جائیں، اعلیٰ حضرت نے برجستہ فرمایا: آپ مُحدّث ہیں اور اَعْلَمْ بِالسُّنَّۃ ہیں آپ کا فیصلہ بالکل حق اور آپ کی شان کے لائق ہے، کیونکہ سُنَّت یہ ہے کہ اگر ایک مجمع مہمانوں کا ہو تو سب سے پہلے چھوٹے کا ہاتھ دھلایا جائے اور آخر میں بڑے کا ہاتھ دھلایا جائے تا کہ بزرگ کو ہاتھ دھونے کے بعد دوسرے کے ہاتھ دھلنے کا انتظار نہ کرنا پڑے اور کھانا ختم ہو جانے کے بعد سب سے پہلے بڑے کا ہاتھ دھلایا جائے۔ میں شروع میں ابتدا کرتا ہوں لیکن کھا چکنے کے بعد آپ کو ابتدا کرنی ہو گی۔ [2]

ظرافت / خوش طبعی:

موضوع کی مناسبت اور حساسیت کو دیکھتے ہوئے دورانِ بیان مزاح کی ذرا سی شمولیت وہی کام کرتی ہے جو کڑوے منہ میں تازے لیموں کا ایک قطرہ کرتا ہے! دلائل و براہین کے بھاری وزن سے طبیعتیں بوجھل ہو جائیں، تقریر کی معمولی سی طوالت سامعین پر گراں گزرنے کا اندیشہ ہو، سامعین کی توجہ اپنی جانب کھینچنی ہو، وقت کی کمی کا شکوہ ہو اور مبلغ اپنی بات بھی پوری کرنا چاہتا ہو یا مخالفین کے منطقی دلائل میں کمزوری پیدا کرنی ہو تو ضرورتاً ابتدائے بیان، دورانِ بیان یا آخری لمحات میں ہلکی پھلکی ظرافت گوہرِ مقصود حاصل کرنے کے لیے بہترین معاون ثابت ہوتی ہے؛ سامعین کوئی بھی ہوں برمحل اور موزوں مزاح کو سب پسند کرتے ہیں۔ اس کی ایک مثال ملاحظہ کیجیے:

(1) تحریکِ آزادیِ ہند کے ایک مبلغ ہندوستان کی ترجمانی کرنے کے لیے انگلستان تشریف لے گئے، تقریر کا موقع ملا تو وقت صرف پانچ منٹ دیا گیا، آپ نے بھانپ لیا کہ اتنے مختصر وقت میں اپنا مقدمہ نہیں رکھا جا سکتا، تو تقریر شروع کی اور تمہید یوں باندھی: ”میں چھ ہزار میل کی مسافت طے کر کے 30 کروڑ آبادی کی نمائندگی کرنے آیا ہوں؛ اب آپ خود

1 ...... سنی علماء کی حکایات، ص59۔

2 ...... حیات اعلیٰ حضرت، 1/202۔

www.dawateislami.net

حساب لگائیے کہ ایک ایک منٹ نہیں ایک ایک سیکنڈ بلکہ ہر سیکنڈ کی کسر میں مجھے کتنی ترجمانی کا وقت ملتا ہے!"

سارا مجمع ہنس پڑا کُرسیٔ صدارت سے لے کر ایوان تک سب ہی متأثر ہوئے اور اس مبلغ نے اپنی اس جوہری ظرافت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے پانچ منٹ کے بجائے 30 منٹ تقریر کی۔

(2) ہندوستان کی تقسیم سے پہلے کی بات ہے کہ مسلسل بیانات کرنے کے باعث ایک مبلغ کی آواز کافی متأثر ہو گئی تھی تو انہوں نے لاہور کی ایک تقریب میں بیان کی ابتدا کرتے ہوئے کس خوبصورتی سے مزاح فرمایا اور اپنا عذر پیش کرتے ہوئے سامعین کو توجہ اور خاموشی کے ساتھ بیان سننے کی طرف مائل کیا ملاحظہ کیجیے:

میری آواز ہندوستان آنے کے بعد مسلسل تقریریں کرتے کرتے بالکل پڑ گئی ہے (بیٹھ گئی ہے)... اگر آپ چاہتے ہیں کہ میری آواز آپ تک پہنچے تو آپ یہ خیال رکھیے کہ آپ کی آواز مجھ تک نہ پہنچنے پائے!

﴿2﴾ مبلغ کے ظاہری و باطنی آداب

ظاہری و باطنی آداب در حقیقت فکر و خیال اور زبان و بیان کی آبرو کا اِستعارہ ہیں؛ بے شک جسموں کی عصمت ہوتی ہے لیکن نیت، فکر اور عمل کی عصمت اس سے کہیں زیادہ اہم ہے جو مبلغ اپنے فکر و خیال اور زبان و بیان کی آبرو نہ رکھ سکتا ہو وہ دینِ اسلام کی آبرو کیا رکھے گا! یہ ایک بنیادی تُخم ہے جس کو اپنے دل کی زمین پر بوئے بنا مبلغ اور داعی کی کوششیں کبھی بھی ثمر بار درخت نہیں بن سکتیں؛ ذیل میں مبلغ کے لیے جن ظاہری و باطنی آداب کا لحاظ ضروری ہے انہیں بیان کیا جارہا ہے ملاحظہ کیجیے:

باطنی آداب:

اس سے مراد وہ آداب و اخلاق ہیں جن کا تعلق قلب اور نفس کے ساتھ ہوتا ہے؛ مبلغ کے لیے ایسے سات ضروری آداب بیان کیے جارہے ہیں ملاحظہ کیجیے:

اخلاص: نیکی کی دعوت کے خاطر کیا جانے والا بیان بہترین عبادت ہے بلکہ قربِ خداوندی کا سبب بننے والے اہم امور میں سے ایک ہے، لہٰذا مبلغ کو چاہیے اپنے بیان سے صرف اللہ تعالیٰ کی رِضا کا قصد کرے شہرت پسندی یا چاہے جانے کا احساس اپنے قریب بھی نہ آنے دے اور نہ ہی اپنے بیان سے کسی شخص کی خوشنودی کا ارادہ کرے کہ یہ اس کے لیے دنیا و آخرت میں ہلاکت و شرمندگی کا باعث ہوگا۔ سامعین کچھ سیکھنے اور پانے کی چاہ لے کر بیان سننے کے لیے آتے ہیں، ان کا

ارادہ مبلغ کی تسکین کے لیے تماشا دیکھنا نہیں ہوتا!

ورع و تقویٰ: مبلغ تقویٰ و پرہیز گاری کا پیکر، احکام شرع کا سختی سے پابند اور ممنوعاتِ شرعیہ بلکہ شبہات والی چیزوں سے بھی بچنے والا ہو تو اس کے احوال اس کے اقوال سے زیادہ دلوں پر اثر انداز ہوں گے بالفاظ دیگر "مبلغ اور داعی کی اصل نیکی کی دعوت اس کی اپنی عملی زندگی ہے۔" اس کی کئی مثالیں کتبِ سیر و تراجم میں آسمان کے تاروں کی مانند جگمگا رہی ہیں۔

تواضع: مبلغ عاجزی کا خوگر ہو اور اسے اپنی بندگی کا اقرار اور بڑی ذمہ داری کا احساس ہو تو اس کے بیان میں ایسی کشش پیدا ہو جاتی ہے کہ ہر شخص اس کی بات سننا چاہتا ہے اس کا ایک ایک لفظ اپنی مکمل کیفیات کے ساتھ سننے والوں کے دلوں پر دستک دیتا ہے۔ اس کے برعکس اگر مبلغ مجمع کو دیکھ کر خود پسندی کا شکار ہو جائے اور دو چار آؤ بھگت کرنے والوں کی وجہ سے شیطان کے دامِ فریب میں آجائے اور اس کی گفتگو اور لہجے سے شجاعت و بہادری کی خوشبو کے بجائے تکبر کی بدبو تحقیر آمیز لہجے میں لتھڑی ہوئی محسوس ہو تو کوئی بھی اس کی بات سننا گوارا نہیں کرے گا کیونکہ تحقیر اور عزتِ نفس کی پامالی کوئی بھی برداشت نہیں کرتا۔

حلم اور کشادہ قلبی: عالم یا مبلغ بردبار اور حلیم نہ ہو تو اس کے علم سے دوسروں کو فائدہ پہنچنا مشکل ہو جاتا ہے بلکہ عین ممکن ہے بغیر حلم کے علم انسان کو مسخرہ بنا دے! لہٰذا مقرر کے اندر حلم اور بردباری ہونی چاہیے کہ یہ علم کا کمال اور عالم کی خوبصورتی ہے اور صاحبِ علم کی شخصیت میں لوگوں کے لیے عجیب کشش پیدا کرنے والا ہے۔ بردباری کا ایک ضمنی فائدہ یہ بھی کہ کم علم لوگوں کی بے سر و پا بات بھی انسان خندہ پیشانی سے سننے پر قادر ہوتا ہے اور عام بیانات کرنے والے مبلغین کو اس کا بہت سامنا کرنا پڑتا ہے، اگر مبلغ میں حلم کا مادہ نہ ہوا تو وہ سخت آزمائش کا شکار ہو جائے گا عوام کی باتیں اور عجیب و غریب معاملات دیکھ کر یہ کوفت کا شکار ہو سکتا ہے، لہٰذا حلم اور بردباری کے لیے خداوندِ قدوس کی جناب میں دعا کرتا رہے۔

توکل اور مخلوق سے بے نیازی: لوگ داعیانِ اسلام اور مبلغین سے بہت محبت کرتے ہیں ان کی خدمت کو سرمایۂ آخرت گردانتے ہیں، لیکن یہ مبلغ کے لیے بہت ہی نازک معاملہ ہے؛ اسے کبھی بھی لوگوں کی جیبوں یا ان کی طرح طرح کی خدمتوں کا خوگر نہیں ہونا چاہیے۔ ہمیشہ خودداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی محنت کی کمائی پر اکتفا کرنے والا

www.dawateislami.net

مقرر بہت برکتیں پاتا ہے اور اس کے بیان میں پختگی اور شجاعت کی جھلک واضح نظر آتی ہے؛ مبلغ اور عالم امت کے طبیب ہیں جبکہ لوگوں کی جیبوں پر نظر ایک بیماری ہے جب طبیب خود بیمار ہو گا تو مریضوں کا علاج کیسے کرے گا؟ لہٰذا مبلغ کے دل میں ذرہ برابر بھی مال کا لالچ یا کسی قسم کی خدمت کی ہوس نہیں ہونی چاہیے اور حقیقی خود داری و اِستِغنا کے ساتھ گزر بسر کرنا چاہیے۔

خیالات کی سچائی: بیان میں سب سے اہم چیز یہ ہے کہ مبلغ سے لے کر بیان تک کوئی چیز مصنوعی نہ ہو، کسی بھی پہلو سے کوئی چیز مصنوعی ہو گی تو یقیناً بھونڈی لگے گی خصوصاً بیان کی جانے والی گفتگو کہ اگر یہی مصنوعی اور غیر یقینی ہو گی یا مبلغ کا خود اس پر عمل نہیں ہو گا اور وہ منافقت کا مظاہرہ کرتے ہوئے بیان کر رہا ہو گا تو یقین کیجیے کسی کے دل پر بھی اس کا بیان اثر انداز نہیں ہو گا وقتی طور پر مصنوعی جوش و خروش کا سحر ضرور طاری ہو سکتا ہے لیکن یہ بھی شرابی کے نشے کی طرح اتر جائے گا اور پھر سامعین بجائے تر و تازگی کے تھکن اور اکتاہٹ محسوس کریں گے۔

بلند ہمتی و بہادری: مبلغ کے لیے ضروری ہے وہ بلند ہمت، بہادر اور حوصلہ مند ہو کہ اس کا بیان بزدل کو بہادر، کمزور کو باہمت اور ہارے ہوئے کو حوصلہ مند بنادے۔ بہادری و شجاعت کی خیرات بانٹنے والے پیارے نبی صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے اپنے اصحاب کی ایسی ہی تربیت فرمائی تھی اور خوش بختوں کو دربارِ نبویہ سے ایسی شجاعت نصیب ہوئی تھی کہ میدانِ تقریر کے ساتھ ساتھ جس معرکہ میں ان کے قدم پڑ جاتے وہ میدان ان کا ہوتا تھا۔

ظاہری آداب:

اس سے مراد وہ آداب و اخلاق ہیں جن کا تعلق ظاہری احوال کے ساتھ ہوتا ہے؛ مقرر کے لیے ایسے چند ضروری آداب بیان کیے جارہے ہیں ملاحظہ کیجیے:

حلیہ: عوام پر سب سے پہلے جو چیز اثر انداز ہوتی ہے وہ مبلغ کے حلیہ سے نمودار ہوتی شخصیت ہے اگر حلیہ میں اونچ نیچ ہوئی تو مبلغ جتنا اونچا نیچا ہوتا رہے وہ اثر نہیں ڈال سکتا جو کسی بھی معیاری تقریر کا ہونا چاہیے تھا۔ مبلغ لوگوں کی نگاہوں کا مرکز ہوتا ہے اور ان کے مُقتَدا کی حیثیت سے جانا جاتا ہے تو اسے چاہیے بیان سے پہلے اپنی حالت درست کرے اور حدودِ شرع میں رہتے ہوئے زینت اختیار کرے مثلاً غسل کرے، سر اور داڑھی میں تیل لگائے، داڑھی، مونچھ اور ہاتھ پیر کے ناخنوں کی تراش خراش اور ان کی صفائی کا التزام کرے، عطریات کا استعمال کرے، اچھا اور صاف ستھرا لباس زیب تن

www.dawateislami.net

کرے، اچھی سواری کا اہتمام کرے اور بقدرِ استطاعت ہر وہ چیز اپنائے جو اس کی شخصیت کے لیے موزوں ہو کیونکہ امام کا زینت اختیار کرنا غیر امام کے مقابلے میں زیادہ مستحسن ہے۔ (1)

ظاہری تیاری میں حدِ اعتدال سے تجاوز نہ کیا جائے اور اس چیز کو بھی ملحوظ رکھا جائے کہ جن لوگوں کے درمیان بیان کے لیے جانا ہے وہ کس سطح کے لوگ ہیں اگر وہ متوسط درجے کے ہیں تو تیاری بھی متوسط درجے کی ہونی چاہیے، یہ بھی دیکھ لے جو لباس وہ ان کے درمیان پہن کر جارہا ہے وہ ان کی ثقافت میں تمسخُر والا لباس تو نہیں کہلاتا یا وہ اپنے پیشوا اور مقتدا کو اس لباس میں دیکھنا معیوب تو نہیں سمجھتے؟ اگر سامعین اس کے حلیے سے ہی اجنبیت محسوس کرنے لگیں گے تو اس کی تقریر کا ان پر اثر ہونا مشکل ہو گا۔

وقار اور سنجیدگی: مبلغ کو چاہیے اپنے تمام کاموں میں پُر وقار انداز اختیار کرے اور سنجیدگی کا مظاہرہ کرے: غیر سنجیدہ باتیں، بے مقصد گفتگو، مسخرہ پن، چھچھوری حرکتوں اور چوراہوں پر بیٹھنے سے بچے کہ یہ چیزیں مبلغ کا وقار مجروح کر دیتی ہیں اور لوگوں کے دلوں سے اس کی عزت ختم کر کے پھیکے پکوان کی طرح ذلیل کر دیتی ہیں۔ اس کے برعکس اگر مبلغ سنجیدہ ہو گا تو لوگوں کے دلوں میں اس کی بزرگی بڑھ جائے گی اور اس کی بات دلوں پر اثر کرے گی۔

سنجیدگی کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ مبلغ تکبر یا خود پسندی کا شکار ہو جائے اور خلقِ خدا کو معاذ اللہ حقیر سمجھنے لگے یا خیالی سلطنت کا اکلوتا فرد بن کر رہ جائے: نہ خود کسی سے محبت کرے نہ لوگ اس سے محبت کریں اور اس غیر فطری رویے کی وجہ سے کسی کے اندر اس سے بات کرنے کی ہمت نہ رہے! بلکہ مبلغ یا داعی سنجیدگی اور تکبر، خود پسندی اور وقار میں فرق سمجھتا ہو اور اس کا اپنے افعال و کردار سے اظہار بھی کرتا رہے، اس نازک اور باریک مرحلے کے لیے صاحبِ وقار و عظمت شہنشاہِ رسالت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی مبارک سیرت پر غور کرے خصوصاً حضور کی حیاتِ طیبہ کے معاشرتی پہلوؤں کا مطالعہ کرے تو اس پر یہ بات واضح ہو جائے گی کہ اللہ کے محبوب سب سے زیادہ باوقار اور ذی وجاہت تھے، بڑے بڑے بہادر اور شجاع صحابۂ کرام کے دلوں میں آپ کا رعب تھا اس کے باوجود آپ کا مبارک انداز ایسا تھا کہ صحابہ آپ کے پاس آتے مصافحے کا شرف پاتے اور آپ کی صحبت میں حاضری کو ہر چیز سے عزیز جانتے تھے۔

آواز: مبلغ کی آواز صاف ستھری، نکھری ہوئی اور موضوع کے مطابق ہونی چاہیے، روکھی پھیکی یا بہت باریک آواز عام

---

1 ...... المجموع شرح مہذب، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الجمعۃ، 4/538۔

www.dawateislami.net

طور پر تقریر کے لیے موزوں نہیں ہوتی، لہٰذا اپنے گلے اور آواز کی خوب حفاظت کی جائے اور اساتذہ کی راہ نمائی میں اس کو بیان کے لیے موزوں بنانے کی کوشش کی جائے۔

﴿3﴾ مبلغ کو ناکام کرنے والی چیزیں

مبلغ کو کامیاب یا ناکام بنانے میں الفاظ اور مواد سے زیادہ اندازِ بیان کا ہاتھ ہوتا ہے، بیسیوں بار کیا ہوا بیان ایک بار اور نئے انداز سے کیا جائے تو سننے والے اس سے محظوظ ہوتے اور کچھ نہ کچھ سیکھ کر ہی جاتے ہیں۔ اگرچہ ایک ہی موضوع پر یکساں مواد بیان کرتے رہنا خود ایک بہت بڑا عیب ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ صرف نئے مواد پر سو فیصد توجہ دی جائے اور اندازِ بیان کی بہتری اور اس کے نتائج و اثرات کو فراموش کر دیا جائے؛ بیان کے تین بنیادی عناصر "مبلغ، اسلوبِ بیان اور مواد" ان میں سب سے کم اہمیت کا حامل "مواد" ہوتا ہے! لیکن مبتدئین ہمیشہ مواد پر ہی توجہ مرکوز رکھتے ہیں جبکہ انہیں خامیوں اور ناکام کر دینے والے عیوب کو ختم کر کے بیان کو بہتر کرنا چاہیے۔ ذیل میں مبلغ کو ناکام بنانے والی باتیں اور چند عیوب کو دو عنوانات کے تحت ذکر کیا جا رہا ہے ملاحظہ کیجیے:

فطری عیوب:

اس سے مراد وہ عیوب ہیں جو مبلغ کی ذات میں موجود ہوتے ہیں ان میں سے بعض عیوب کو شش کر کے دور کیے جا سکتے ہیں اور بعض کا ختم کیا جانا بس میں نہیں! ان کی تفصیل ملاحظہ کیجیے:

بے ڈھنگی آواز: مبلغ کی آواز وہ آلہ ہے جس کے ذریعے اس کا بیان لوگوں تک پہنچے گا اگر آواز میں کسی بھی قسم کی کمزوری ہو گی تو اس کا بیان بھی کمزور ہو گا اور مقصود حاصل نہیں ہو سکے گا۔ صرف آواز کا بھاری یا پتلا ہونا نقصان دہ نہیں ہوتا بلکہ اس کے ساتھ اگر وہ بھونڈی بھی ہو تو سخت عیب ہے؛ آواز کا بھاری پن یا پتلا پن ختم کرنا کسی کے بھی بس میں نہیں ہوتا البتہ اس کی عجیب جھلملاہٹ اور بے سری یا حروف کو چبانے اور واضح نہ ہو سکنے یا اس میں غُنودگی کی سی کیفیت کو ختم کرنے کی کوشش ضرور فائدہ دے سکتی ہے۔

تنگیٔ صدر: اکثر مبتدئین کے ساتھ یہ عیب لاحق ہوتا ہے کہ دورانِ بیان ان کا دل و دماغ سُن ہو جاتا ہے، ان کی زبان بار بار بند ہوتی رہتی ہے، ان کو کچھ سمجھ نہیں آتا کہ ہمیں کیا ہو رہا ہے ایک عجیب لرزہ طاری ہوتا ہے وہ ایک مجبور پن محسوس کرنے لگتے ہیں اور انہیں شدید بے چینی لاحق ہو جاتی ہے؛ یہ صورتِ حال مبلغ کے ساتھ اس وقت ہوتی ہے جب اس نے

از خود بیان کی تیاری نہ کی ہو یا اس مقام کے لیے بیان کی مشق نہ کی ہو یا پھر اس پر ایک نادیدہ دباؤ یا مجمع کے رعب یا کسی صاحبِ علم کی موجودگی کا خوف طاری ہو۔ کبھی کبھی یہ صورتِ حال مَشّاق مبلغین کے ساتھ بھی ہو جاتی ہے مثلاً ان کو پتا ہو کہ سامعین میں فلاں فلاں شخص بھی موجود ہے جس کا شخصی یا علمی رعب مبلغ کے دل و دماغ پر حاوی ہے تو یہ خیال اس کے اعصاب کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے۔ بہر حال اس کیفیت کو خود اعتمادی کی مشق کے ذریعے اور اپنے اساتذہ کے سامنے مسلسل بیان کر کے ختم کیا جا سکتا ہے۔

عجلت پسندی یا سست روی: مبتدئین کو اپنے بیان کی رفتار کا صحیح اندازہ نہیں ہو پاتا اور اپنی غیر تربیتی رفتار پر بیان کے عادی ہو جاتے ہیں جو بعض اوقات بہت تیز ہوتی ہے گو یا ریکارڈ شدہ آواز کی رفتار بڑھا دی گئی ہو اس طرح سامعین بیان کا ایک جز بھی یاد نہیں رکھ پاتے اور بعض اوقات ایسی سُست روی پر مشتمل ہوتی ہے گو یا زبان بَل کھائی ہوئی ہے اس طرح سامعین اکتا جاتے ہیں اور طبیعتیں بوجھل ہو جاتی ہیں، ان دونوں صورتوں کے درمیان رہتے ہوئے اس رفتار پر بیان ہونا چاہیے کہ حرف حرف موتی کی طرح چمکتا ہوا معلوم ہو اور ہر ایک بات کو سمجھتا چلا جائے۔

موضوع سے موافقت نہ ہونا: مبلغ کا اپنے موضوع سے ہم آہنگ نہ ہونا بہت بڑا عیب ہے، چونکہ فنِ تقریر مختلف فنون کا مجموعہ ہے کبھی یہ فن ترغیب و ترہیب کی جانب متوجہ ہوتا ہے کبھی اِنذار و تبشیر پر مشتمل ہوتا ہے اور کبھی غور و فکر کو جِلا بخش رہا ہوتا ہے، کسی بھی مبلغ کا اپنی آواز، لہجے اور حرکات و سکنات کے ذریعے موضوع کے تقاضوں کو نباہنا ہی سب سے بنیادی فن سمجھا جاتا ہے اگر اس میں مبلغ کامیاب نہ ہو سکا تو اس کا بیان ناکام ہو جائے گا بلکہ سخت نقصان کا باعث بنے گا۔ یہ اگرچہ بہت بڑا عیب ہے لیکن مسلسل بیان کرتے رہنے سے دورانِ بیان احساسات کے مطابق خود کو ڈھالنا آسان ہوتا چلا جائے گا۔

بیٹھا ہوا گلا: اکثر یہ عیب کسی عارضے کی وجہ سے ہوتا ہے لیکن بعض لوگوں کا گلا ہمیشہ بیٹھا رہتا ہے جب وہ بولتے ہیں تو ان کی آواز گھستی ہوئی معلوم ہوتی ہے، یہ کسی عارضے کی وجہ سے نہیں ہوتا بلکہ پیدائشی ہوتا ہے، انہیں چاہیے بیان کو نیکی کی دعوت کا ذریعہ بنانے کے مقابلے میں تحریری میدان میں اپنی خدمات انجام دیں۔

زبان میں لکنت: یہ عیب بہت زیادہ تکلیف کا باعث ہے، اس مرض میں مبتلا شخص عام گفتگو میں بھی اپنی بات آسانی سے نہیں کر پاتا، اسے بھی بیان کے بجائے تحریر کو نیکی کی دعوت کا ذریعہ بنانا چاہیے۔

اکتسابی عیوب:

اس سے مراد وہ عیوب ہیں جو غیر اختیاری طور پر مبلغ سے صادر ہوتے ہیں اگر انہیں دور کرنے کی کوشش نہ کی جائے تو آہستہ آہستہ وہ عیوب عادت بنتے چلے جاتے ہیں اور پھر ان کو دور کرنے میں دشواری ہوتی ہے، ایسے چند عیوب کی نشاندہی کی جارہی ہے، ہر مبتدی ان سے اور ایسے کسی بھی عیب سے بچنے کی ضرور کوشش کرے:

غیر ضروری حرکات: بعض مبلغین دورانِ بیان بار بار مختلف حرکات کررہے ہوتے ہیں جو ان کی عدمِ اعتمادی، موضوع پر گرفت کی کمزوری یا ان کے خیالات کے منتشر ہونے کی نشاندہی کرتی ہیں مثلاً بار بار اپنی داڑھی کو چھونا، عمامہ یا ٹوپی درست کرتے رہنا، آنکھیں مسلنا، کان میں انگلیاں ڈالنا، انگلیاں چٹخانا، ہاتھوں سے بار بار ایک ہی اشارہ کرنا، چشمہ درست کرتے رہنا یا واسکٹ درست کرنے کا تاثر دینا وغیرہ، اس طرح کرنے سے مبلغ کی اہمیت کم ہوجاتی ہے جو اس کے لیے نقصان کا باعث ہے۔ البتہ ایسی حرکت جو الفاظ اور گفتگو کے تاثر کو ادا کرنے والی ہو وہ عیب نہیں بلکہ نہایت کار آمد ہوتی ہے مثلاً مبلغ کہہ رہا ہو: "یہ بات مضبوط دلائل سے ثابت ہے" مضبوط دلائل کا اشارہ کرنے کے لیے مٹھی بند کرکے مضبوطی کے ساتھ ہاتھ بڑھانا مفید ہوگا۔

کھنکارنا اور کھانسنا: یہ اس وقت عیب ہے جب مبلغ بار بار کھانستا یا کھنکارتا رہے؛ سامعین پر کھانسنے کی کثرت بہت ہی زیادہ برا اثر ڈالتی ہے لہٰذا کوئی بھی ایسا عارضہ جو بیان میں خلل ڈالے مبلغ کو اس کا علاج کرنا چاہیے اور جب تک اس سے مکمل سکون میں نہ آجائے بیان سے پرہیز کرنا چاہیے۔

غیر ضروری طوالت: بعض مبلغین مطالعے کی کمی یا فکری کمزوری کو چھپانے کے لیے خواہ مخواہ اپنا بیان لمبا کرتے ہیں انہیں یہ حقیقت پتا ہونی چاہیے کہ فکر میں گہرائی کی کمی کو بیان کی لمبائی سے کبھی پورا نہیں کیا جاسکتا، ایسے مبلغ تاریخی شکست سے دوچار ہوسکتے ہیں۔ مبلغ اپنا مطالعہ وسیع کرے اور اہلِ علم و دانش کی صحبت میں بیٹھے یوں اس کے خیالات اور افکار میں وسعت پیدا ہوگی اس کے ساتھ ساتھ بیان کو مقررہ وقت میں ختم کرنے کی بھی کوشش کرتا رہے۔

دوسرے مبلغ کی نقل: بعض مبلغین اندازِ بیان، آواز کے اتار چڑھاؤ اور حرکات و سکنات بلکہ لباس میں بھی کسی دوسرے مبلغ کی نقل کرتے ہیں یہ مبلغ کی شخصی کمزوری یا اس مبلغ کا گرویدہ ہونا ہے جس کی وہ نقل کررہا ہے۔ نقل مبلغ کے لیے اس طور پر نقصان دہ ہے کہ ایسا کرنے سے بیان صوری حیثیت اختیار کرجاتا ہے مبلغ کی حیثیت صرف ناقل اور نمائندے کی

ہوتی ہے اور وہ بیان سے زیادہ نقل پر توجہ دیتا ہے، اسے شُعوری یا لا شُعوری طور پر سامعین کی اصلاح یا تبلیغِ دین کے بجائے اپنی واہ واہ مقصود ہوتی ہے بلکہ یہ جس کی نقل کر رہا ہے اگر وہ کوئی مشہور مبلغ ہے تو سامعین یقیناً اس سے واقف ہوتے ہیں اور اس کی نقل دیکھ کر ان کی حیثیت ممتحن والی ہو جاتی ہے اور بیان کے بعد ایک دوسرے کے درمیان اس کی درست یا غلط نقل پر تبصرہ کر رہے ہوتے ہیں! لہٰذا مبلغ ہر گز کسی کی بھی نقل نہ کرے بلکہ خود اپنی صلاحیتوں کو جانچے اور ان کے مطابق بیان کرنا سیکھے تاکہ درست طریقے سے خدمتِ دین کر سکے۔

سامعین سے مطالبات: بعض مبلغین انجمنِ ستائشِ باہمی کے ممبر ہوتے ہیں انہیں اپنی ہر بات بلکہ ہر چھوٹے چھوٹے جملوں پر داد چاہیے ہوتی ہے اگر ان کی تسکین نہ ہو تو سامعین پر بلاوجہ برس پڑتے ہیں اگر یہ مبلغ کی عادت ہے تو بڑا عیب ہے! اس کو ختم کرنا چاہیے اور بیان میں اس قدر فکری عروج پیدا کرنا چاہیے کہ پس ماندہ عقل و شُعور کے کھوکلے طاقچوں پر جمی سیاہی خود بخود دھلنا شروع ہو جائے اور مبلغ کا حرف حرف آبِ گلاب کے قطرے کی طرح ایسی خوشبو بکھیرتا چلا جائے کہ سننے والے بے ساختہ تسبیح و تہلیل کرنے لگیں۔

منصب کا ذاتی استعمال: مبلغ کا اپنے منصب یا محراب و منبر کی ذمہ داریوں کو اپنے ذاتی مفاد کے لیے استعمال کرنا انتہائی گھٹیا حرکت، بد اخلاقی اور بد ترین عیب ہے، ایسے کام وہی مقرر کرتے ہیں جو علمی یتیم اور ذہنی مفلوج ہوتے ہیں! اپنی ذاتی رنجشوں، جنگ و جدال کے مُعَمُّوں، بے سرو پا الزام تراشیوں اور فضائل و برکات اپنی جیبیں گرم کرنے کے لیے بیان کرنے والے ایسے ہی گھٹیا اوصاف سے یاد کیے جانے کے لائق ہیں، کیونکہ یہ چور ہیں اور چور بھی وہ جو لوگوں کا وقت چراتا ہے یہ چور مال کے چور سے زیادہ برا ہے، اس کی وجہ سے دعوتِ دین متاثر ہوتی ہے، شرعی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں خلل پڑتا ہے اور منصبِ دعوت مجروح ہوتا ہے۔ ایسا شخص یا تو اپنا عیب دور کرے یا پھر اس منصب سے دور ہو جائے ورنہ یہ دین کے لیے کسی بھی فتنے سے کم نہیں ہوگا۔

وہ مقرر جو مال داروں کی موجودگی میں صدقہ کے فضائل بیان کرے اور اہلِ علم و مبلغین پر خرچ کرنے کی ترغیب دلائے اور چاہت یہ ہو کہ مال دار اپنا پیسا اس پر لٹائیں، اسی طرح وہ خطیب جو خرید و فروخت کرتے ہوئے اپنے منصب کا اظہار اس نیت سے کرے کہ اسے مال سستا یا مفت مل جائے، ایسے مقررین دین کو کمائی کا ذریعہ بناتے ہیں ان کو دعوتِ دین سے کوئی غرض نہیں ہوتی ان کا مقصودِ اعظم خدمتِ بطن ہی ہوتا ہے۔

﴿4﴾ مبلغ کے لیے قابلِ مشق چیزیں

کسی بھی اہم کام کو عملی جامہ پہنانے سے پہلے اس کے اہم گوشوں کی مشق کر لینا اور ان کو اپنے انداز کا حصہ بنا لینا مفید ہوتا ہے؛ مبلغ کے لیے مذکورہ تمام باتوں پر عمل کرنا یقیناً کامیابی کی ضمانت ہے لیکن ان کے علاوہ چند چیزیں ایسی ہیں جن کی مشق اور تجربہ ہونا مبلغ کے لیے بہت ضروری ہے؛ تجربہ تو اسی وقت ہو سکتا ہے جب مبلغ بیان اور نیکی کی دعوت کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالے، مختلف محافل و اجتماعات میں بیان کرے، کہیں کامیاب ہو کہیں ناکامی کا منہ دیکھے، کسی جگہ اس پر تحسین و آفرین کے پھول نچھاور کیے جائیں اور کہیں ملامت کا ہار اس کے گلے میں ڈالا جائے! لیکن مشق ایک ایسی چیز ہے جو بیان سے پہلے کی جاسکتی ہے اس سے دل نہیں چرانا چاہیے بہت ممکن ہے دس منٹ کی مشق کے بعد کیا گیا بیان بغیر مشق کے بیان سے کئی گنا فائدے کا سبب بن جائے۔ ایسی چیزیں جن کی مشق بیان سے پہلے کرنی چاہیے انہیں بیان کیا جارہا ہے ملاحظہ کیجیے:

چال ڈھال کی مشق:

مبلغ کو چاہیے اپنی اس چال کی مشق ضرور کرلے جس چال سے اسے اجتماع گاہ اور منچ تک جانا ہے۔ بعض مبلغین کے چلنے یا اٹھ کر منچ تک پہنچنے کا انداز نہایت نازیبا اور بھونڈا ہوتا ہے نہ انہیں اپنے لباس کی درستی کی خبر ہوتی ہے نہ اپنے ہاتھوں کے ہوا میں عجیب انداز سے لہرانے کا ہوش ہوتا ہے وہ ایک تھکے ہوئے مستری کی طرح چلتے ہیں اور ہارے ہوئے جواری کی طرح منچ تک پہنچتے ہیں! یہ انداز مناسب نہیں بلکہ مقرر کی چال ڈھال اس کی ہمت، چستی اور حوصلے کا آئینہ ہونی چاہیے۔

بے خوفی اور خود اعتمادی کی مشق:

بلا خوف و خطر اور بغیر کسی تصنع کے نہایت خود اعتمادی کے ساتھ منچ پر بیٹھنے کی باقاعدہ مشق ضروری ہے۔ منچ کا خوف ایک ایسی چیز ہے جس کا سامنا کسی بھی ماہر و منجھے ہوئے مبلغ کو ابتدا میں ضرور ہوا ہوتا ہے بلکہ یوں کہیے کہ ہر ماہر و نامور مبلغ خوف، گھبراہٹ اور پریشانی کا بخوبی سامنا کرنے کے بعد ہی ماہر سمجھا جاتا ہے۔ ہر چیز ابتدائی تجربے میں ہراس پیدا کرتی ہے لیکن یہ خوف کوئی سانحہ یا پریشانی کی وجہ سے نہیں بلکہ ایک فطری اضطراب کی وجہ سے ہوتا ہے کیونکہ ہر نیا تجربہ دماغ کو ایسی کشمکش میں مبتلا کرتا ہے کہ انسان کی زبان لڑکھڑا جاتی اور افکار ذہن میں لٹکتے یا اٹکتے معلوم ہوتے ہیں!

www.dawateislami.net

لیکن تین چار مرتبہ کے تجربے کے بعد یہ کیفیت ختم ہونا شروع ہو جاتی ہے، لہٰذا مقرر کو چاہیے اس عجیب و غریب سیمابی کیفیت پر قابو پانے کے لیے اپنے اساتذہ اور ہم درسوں کے سامنے تقریر کرے اور اس کیفیت پر غالب آنا سیکھے۔

دورانِ بیان اشاروں کی مشق:

بیان میں زور، گرمی اور کشائش پیدا کرنے کے لیے موقع کی مناسبت سے ہاتھوں اور دیگر اعضا مثلاً آنکھوں، بھنوؤں اور پیروں کے اشارات کی معقول مشق بھی کر لینی چاہیے ورنہ بات آسمان کی ہو رہی ہو گی اور اشارے زمین کی طرف کیے جا رہے ہوں گے!

بذلہ سنجی / خوش طبعی کی مشق:

متانت اور سنجیدگی کے ساتھ خوبصورت، دلچسپ اور واضح مزاح کرنے، مناسب مواقع پر چھوٹے چھوٹے چٹکلے شامل کرنے اور خود مسکرائے بغیر دوسروں کے لبوں پر مسکراہٹیں بکھیرنے کی مشق ہونی چاہیے کہ یہ سب اسی وقت ممکن ہے جب مبلغ کی اپنے خیالات کی لگاموں پر مضبوط گرفت ہو گی اور لگامیں گھوڑوں کی ہوں یا خیالوں کی گرفت کے لیے مشق ضروری ہے، کیونکہ بغیر گرفت کے کی جانے والی بذلہ سنجی بعض اوقات مبلغ کی رسوائی کا سبب بھی بن جاتی ہے۔

مختلف الفاظ کے استعمال کی مشق:

حسبِ موقع اپنے مطلب کو نہایت سلیس اور سادہ یا پُر شکوہ الفاظ میں ادا کرنے کی مشق ہونی چاہیے، خصوصاً اظہارِ خیال وغیرہ جیسے مواقع پر۔

❀❀❀❀❀

دردمندانہ نصیحت

صدر الافاضل رحمۃُ اللہِ علیہ فرماتے ہیں: ستم ہے کہ جاہل عالم نما عالم بن کر میدان میں آئیں اور ان کی تعداد سے دنیا کو دھوکا دیا جائے اور ان کی خود رائی و نفس پرستی کو علما کی رائے قرار دیا جائے اور علما کا پورا کا پورا طبقہ ساکت و خاموش بیٹھا یہ سب کچھ دیکھا کرے؛ نہ اس کے منہ میں زبان ہو نہ زبان میں حرکت نہ ہاتھ میں قلم نہ قلم میں جنبش، اب آپ کا یہ تقاعد زہد و انکسار کی حد سے گزر کر غفلت و تکاسل کا دائرہ میں آ گیا ہے۔ اور اس انداز سکوت سے اسلام و مسلمانوں کو نقصان پہنچ رہے ہیں۔ اب آپ اس عقیدے کو چھوڑ دیجئے کہ آپ کے فرائض ایک مجلس میں وعظ کہہ کر یا ایک حلقہ میں درس دے کر یا اپنے خلوت خانہ میں فتویٰ لکھ کر ادا ہو جاتے ہیں اور آپ کو اس پر نظر ڈالنے کی ضرورت ہی نہیں ہے کہ دنیا میں کیا ہو رہا ہے؟ اور بدخواہ اسلام تخریب کے لیے کیا کیا تدابیر عمل میں لا رہے ہیں؟ یقیناً یہ آپ کا فرض ہے اور آپ سے اس کے متعلق سوال کیا جائے گا! اٹھیے اور فرض کو ادا کیجیے۔ (مقالات صدر الافاضل، ص393)

مشق و عملی سوالات

1←مبلغ کے لیے دینی معلومات میں سے کن کن چیزوں کا جاننا ضروری ہے؟ اپنا جائزہ لیجیے!

2←ایک مبلغ کے لیے معلوماتِ عامہ کی اہمیت بیان کیجیے۔

3←معاشرے میں رائج رسم ورواج کے حوالے سے مبلغ کے لیے کیا اصول ہے بیان کیجیے۔

4← حاضر جوابی کی اہمیت پر روشنی ڈالیے۔

5←مبلغ کے ظاہری اور باطنی آداب کا چارٹ بنائیے اور ہر ایک کی مختصر جملوں میں وضاحت کیجیے۔

6←مبلغ کو ناکام کرنے والے فطری و اکتسابی عیوب کا چارٹ بنائیے اور ہر ایک کی مختصر جملوں میں وضاحت کیجیے۔

7←مبلغ کو کن چیزوں کی مشق کرنا ضروری ہے؟

8←فصل میں بیان کردہ عملی چیزوں کی مشق کیجیے۔

9←فصل میں آنے والے اپنے پسندیدہ الفاظ، جملے، تراکیب اور محاورے الگ صفحے پر نوٹ کیجیے۔

اہم نوٹ

پانچویں فصل: درسِ قرآن

قرآنِ کریم اللہ وحدہٗ لاشریک کا کلام، لاریب کتابِ ہدایت، بیانِ انذار و تبشیر اور علم و حکمت کا بے پایاں خزانہ ہے، بنی نوع انسان جس حد تک اس کے قریب رہے گی اسی قدر اس کے لیے فوز و فلاح کے دروازے کھلے رہیں گے اور سعادتِ دارین اس کا مقدر ٹھہرے گی؛ قراءتِ قرآن، فہمِ قرآن، عمل بر تعلیماتِ قرآن اور اپنے فکر و خیال کو قرآن کے مطابق کرنے میں ہی انسانیت کی نجات اور عزت و سَروَری پوشیدہ ہے۔

بیان کی اقسام میں "درسِ قرآن" نہایت اہمیت کا حامل ہے اور نیکی کی دعوت کی مختلف شکلوں میں سب سے خوبصورت طرزِ تبلیغ ہے۔ جو شخص دعوتِ اسلام اور اقامتِ دین کا پیغمبرانہ اسلوب اختیار کرنا چاہتا ہے اس کے لیے ضروری ہے وہ درسِ قرآن کا طریقہ سیکھے اور اس کے ذریعے دعوتِ دین کو آگے بڑھائے کہ اس نسخۂ کیمیا میں موجود ﴿ ذَكِّرْ بِهٖۤ ﴾، ﴿ لِتُنْذِرَ بِهٖ ﴾ اور ﴿ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ ﴾[1] کے الفاظ داعیانِ اسلام سے اسی امر کے متقاضی ہیں۔ ذیل میں مختلف عنوانات کے تحت درسِ قرآن سے متعلق ضروری اور اہم ترین معلومات فراہم کی جارہی ہے ملاحظہ کیجیے:

﴿1﴾ درسِ قرآن کے اصول وضوابط ﴿2﴾ مدرسِ قرآن کے لیے ضروری ہدایات

﴿3﴾ درسِ قرآن کا طریقہ ﴿4﴾ درسِ قرآن کے بعد

﴿1﴾ درسِ قرآن کے اصول وضوابط

اصولوں اور ضابطوں کا لحاظ رکھتے ہوئے کیا جانے والا کام زیادہ پائیدار، قابلِ اعتماد اور کثیر فوائد کا باعث ہوتا ہے، جس کام کے اصول مرتب نہ ہوں وہ کام مضبوط اور ٹھوس بنیادوں پر شروع نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی کام کرنے والے کے عذر کے بعد کوئی اسے مکمل کرنے کی ہمت کر سکتا ہے! اصولوں کی اسی اہمیت کے پیشِ نظر درسِ قرآن کے 12 اصول و ضوابط بیان کیے جارہے ہیں جن کا لحاظ ہر مدرسِ قرآن کے لیے بے حد فائدہ مند ہوگا۔

(الف) مقصد کا تعین:

بے مقصد کام بے ثمر ہوتا ہے لہٰذا مدرسِ قرآن کے لیے ضروری ہے وہ اپنے درسِ قرآن کے مقاصد کا تعین کرے اور ہر مرتبہ درس سے پہلے ان پر ایک نظر ضرور ڈالے تاکہ محنت کا پورا پورا پھل حاصل کرسکے۔ ذیل میں درسِ قرآن

1 پ7، الانعام:70۔ پ8، الاعراف:2۔ پ19، الفرقان:52۔

کے 10 مقاصد بیان کیے جارہے ہیں ملاحظہ کیجیے:

(1) قرآن اور رسول اللہ کا پیغام عام کرنا۔

(2) خلقِ خدا کا اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ تعلق مضبوط کرنا اور انہیں اپنے خالق کا فرماں بردار بنانا۔

(3) صفاتِ باری تعالیٰ اور آخرت کی جزا و سزا کے قرآنی تصور کو سامعین کے دل و دماغ میں راسخ کرنا۔

(4) تصحیحِ عقائد اور اعمال و اخلاق کو تعلیماتِ قرآن اور سننِ نبویہ کے مطابق ڈھالنا۔

(5) اپنے سامعین اور معاشرے کے لیے تزکیۂ نفس اور تطہیرِ قلب کی سعی کرنا۔

(6) نیکیوں کی ترویج و اشاعت اور گناہوں سے اجتناب کی بھرپور کوشش کرنا۔

(7) قرآن کے اسرار و رموز سے لوگوں کو آگاہ کرنا۔

(8) قرآنِ حکیم کو دَستورِ حیات کے طور پر بیان کرنا۔

(9) فطرتِ انسانی کی تعلیمِ قرآن کے ساتھ ہم آہنگی کو واضح کرنا۔

(10) قرآن کی آفاقی تعلیمات سے دنیا کو رُوشناس کرانا اور امورِ عامہ کو قرآنی سانچے میں ڈھالنے کی ترغیب دینا۔

(ب) علمی حیثیت کا تعین:

مدرس کے لیے ضروری ہے اسے اپنے اور سامعین کے علمی مرتبے کا احساس ہو اسے معلوم ہو وہ کوئی مجتہدِ اسلام، مفسرِ اعظم یا فقیہِ مطلق نہیں ہے اور نہ ہی اس کے سامعین علومِ دقیقہ کے ماہر ہیں، بلکہ وہ اور اس کے سامعین ایک طالبِ علم کی حیثیت سے علم و عرفان کے ٹھاٹھیں مارتے سمندر کے کنارے اپنی روح کی تازگی کی خاطر آنا چاہتے ہیں اور مدرس اس بحر کے شناوروں کی ہدایات کے مطابق لوگوں کی راہ نمائی کر رہا ہے۔ اپنی علمی حیثیت کا صحیح شُعور اور اس سمندر کی گہرائیوں کا درست احساس مدرس کو بے شمار فکری غلطیوں، عملی کوتاہیوں اور بے ڈھنگے وجدانی دعووں سے محفوظ کر دے گا۔

(ج) بھرپور تیاری:

درسِ قرآن کے لیے بھرپور تیاری ضروری ہے اس کے بغیر درسِ قرآن کی جسارت معاذ اللہ منشائے باری تعالیٰ کو بدلنے کا سبب بھی بن سکتا ہے۔ درسِ قرآن کی تیاری لازمی کی جائے اور اس قدر محنت اور لگن کے ساتھ کی جائے کہ جب

سامعین اسے سنیں تو قلبی سکون، روحانی تسکین اور تازگی و فرحت محسوس کرنے لگیں۔ مدرس کے پاس بیان کی جانے والی ہر بات کا حوالہ ضرور محفوظ ہو ضرورتاً اسے بیان بھی کرتا رہے۔ البتہ حوالہ بیان کرنے کا انداز رٹا رٹایا نہ ہو بلکہ الفاظ کے تسلسل میں ایسا کَسا کَسایا ہو کہ وہ مدرس کی جِدَّت و انفرادیت کو بیان کرے۔

(د) غیر ضروری مباحث سے اجتناب:

مدرس اپنے درسِ قرآن کے مقاصد کو پیشِ نظر رکھے اور غیر ضروری مباحث میں الجھنے سے بچے مثلاً فرعون اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان کرتے ہوئے مصر کا ذکر کیا اس کے ضمن میں اہرامِ مصر کی تعمیر و بناوٹ کا ذکر چھیڑ دیا، یہاں سے چلتے چلتے قاہرہ اور قاہرہ سے جامعہ ازہر تک جا پہنچے! شاید اس سے مدرس کی واہ واہ تو ہو جائے گی لیکن درسِ قرآن نہیں ہو گا کیونکہ یہ ساری گفتگو معلوماتِ عامہ پر مشتمل سمجھی جائے گی۔

(ہ) الفاظ کا چناؤ:

نہایت اہم بات یہ ہے کہ مدرس کے سامعین کون ہیں؟ اپنے سامعین کی علمی وسعت اور ادبی ذوق کے مطابق الفاظ کا چناؤ کیا جائے، ایسا نہ ہو کہ حروفِ ابجد سے نابلد عوام کے درمیان استعاروں کنایوں میں بات کی جائے، ہو سکتا ہے اس طرزِ گفتگو سے آپ کی زبان دانی کی دھاک بیٹھ جائے لیکن یہ حقیقت ہے کہ اس سے عوام کو کوئی فائدہ نہیں ہو گا بلکہ مدرس کا طرزِ تخاطب انہیں یہ سوچنے پر مجبور کر سکتا ہے کہ قرآن ان کے حق میں ناقابلِ استفادہ ہے! لہٰذا سادہ اور عام فہم زبان استعمال کی جائے اور ثقیل و نامانوس الفاظ سے پرہیز کیا جائے۔

(و) تکلف سے اجتناب:

دورانِ درس فطرت خود بخود دلچسپ چیزوں کی جانب توجہ دلائے اور مدرس کو بے ساختہ کوئی شعر، حکایت یا سنجیدہ چٹکلا یاد آجائے تو بیان کر دے لیکن درس میں اس کا اہتمام ہرگز نہ ہو۔

(ز) اہم بات کو دہرانا:

اہم بات کو تین مرتبہ دہرایا جائے جس کا انداز یہ ہو کہ درس کے شروع میں اشارتاً بیان کیا جائے، پھر تشریح کے دوران تفصیلاً ذکر کیا جائے اور آخر میں خلاصۂ مضمون کے تحت دہرا دیا جائے؛ اس طرح تین مختلف زاویوں کی مدد سے وہ بات سامعین کے ذہن میں راسخ ہو جائے گی۔

www.dawateislami.net

(ح) نیا موضوع:

مدرس اپنے ہر درس میں نئے موضوع کا انتخاب کرے خصوصاً اس وقت کہ جب وہ ایک ہی جگہ تسلسل سے درسِ قرآن کی سعادت حاصل کر رہا ہو۔ اگرچہ ایک ہی موضوع پر ذخیرۂ علم کی روشنی میں مختلف مواد بیان کیا جا سکتا ہے لیکن یہ سننے والوں کو تھکا دینے کے مترادف ہے۔ اسلام ایک جامع دین ہے جو تمام شعبہ ہائے زندگی میں راہ نمائی اور ہدایات فراہم کرتا ہے؛ موضوع کی یک رنگی اسلام کی ان آفاقی تعلیمات کی تشہیر میں رکاوٹ بنے گی۔

(ط) سورتوں کے مقاصد:

مکی اور مدنی سورتوں کے مقاصد کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھا جائے، مثلاً

مکی سورتوں کے مقاصد: مکی سورتوں کے درس کے دوران درج ذیل مقاصد مدرس کے پیشِ نظر رہیں:

- مکی سورتوں کے ذریعے عقیدۂ توحید، عقیدۂ رسالت اور عقیدۂ آخرت کو سامعین کے قلوب و اذہان میں راسخ کرنا ہے۔
- اللہ تعالٰی کی ذات و صفات کو اس طرح واضح کرنا ہے کہ سامعین اس کے عذاب سے ڈرتے ہوئے گناہوں سے بچیں اور اس کی رحمت سے امید لگاتے ہوئے جنت کے طلب گار بن جائیں۔
- اخلاقِ حسنہ کی آبیاری کرنی ہے، آزمائش و تکلیف کے لمحات میں صبر و استقامت کے ساتھ ہمت، حوصلے اور ثابت قدمی کے جذبات کو پروان چڑھانا ہے۔
- احکامِ دینیہ پر عمل کی وجہ سے ہونے والی حوصلہ شکنی پر ثابت قدمی کی ہمت پیدا کرنی ہے۔
- ملاقاتِ پروردگار کے تصور کو قلوب و اذہان میں پختہ کرنا ہے۔

مدنی سورتوں کے مقاصد: مدنی سورتوں کے درس کے دوران درج ذیل مقاصد مدرس کے پیشِ نظر رہیں:

- مدنی سورتوں کے ذریعے معاشرت، معاملات اور امورِ عامہ وغیرہ کے احکام، آخرت میں عذاب و ثواب کے ساتھ منسلک کرتے ہوئے بیان کرنے ہیں۔
- تزکیۂ نفس، اصلاحِ اعمال اور احکامِ شرعیہ پر عمل کا جذبہ بیدار کرنا ہے۔
- یہود و نصارٰی اور مشرکین و منافقین کے تذکرے میں سامعین کے لیے ہدایت کا کیا سامان ہے اسے بھی واضح کرنا

ہے ایسا نہ ہو کہ لوگ یہ تو سمجھ جائیں کہ قرآن یہود و نصاریٰ کے بارے میں کیا کہتا ہے اور یہ نہ سمجھ سکیں کہ خود ان سے قرآن کا کیا تقاضا ہے۔

(ی) حالات حاضرہ پر تبصرہ:

درسِ قرآن کے دوران قرآنی تعلیمات کو موجودہ حالات کے تناظر میں پیش کرنا اور قرآن کی روشنی میں حالات حاضرہ کا تجزیہ کرنا نہایت ضروری ہے؛ مدرس کو چاہیے شانِ نزول کو عوام کے سامنے بیان کرنے میں ضرورت پر ہی اِکتِفا کرے کہ اس کا تعلق اکثر اہلِ علم حضرات سے ہوتا ہے، عوام بعض اوقات بلکہ اکثر اوقات شانِ نزول کے لطیف پیرائے کو نہیں سمجھ پاتے اور جو درس لینا ہوتا ہے اسے چھوڑ کر معلومات جمع کرنے کی طرف نکل پڑتے ہیں۔ حالاتِ حاضرہ کے تناظر میں دورانِ درس درج ذیل امور کو ضرور ذکر کیا جائے:

❁ قرآن کریم کے تبصرے آج کے زمینی حقائق پر کس طرح منطبق ہو رہے ہیں، اس حوالے سے قرآن نے ہماری کیا تربیت کی ہے؟

❁ گزشتہ ادوار کے کافروں کی سازشیں کیا تھیں اور آج کے طاغوتوں کی سازشیں کس قسم کی ہیں، قرآن نے انہیں کس طرح بے نقاب کیا؟

❁ پہلے زمانے کے منافق کیسے تھے اور آج کے منافق کیسے ہیں؟

❁ صحابۂ کرام کیسے مسلمان تھے اور آج کے مسلمانوں کی حالت ان سے کس قدر مختلف ہے؟

❁ قرآن مشکل حالات میں کیا لائحۂ عمل پیش کرتا ہے؟

(یا) درسِ قرآن اور بیان کا فرق:

درسِ قرآن اور بیان دو الگ الگ چیزیں ہیں اور اس کا خیال رکھنا درسِ قرآن کا اہم ترین اصول ہے جس پر عمل مدرس اور مبلغ کے کمال فہم اور سمجھ دار ہونے کی دلیل ہے۔ مدرس اور مبلغ کا بنیادی فرق ملاحظہ کیجیے:

❁ بیان ایک داستان کی طرح کئی رنگوں پر مشتمل ہوتی ہے جبکہ درس مقالے یا مضمون کی مانند ہے کہ اس پر ایک ہی رنگ غالب رہتا ہے اور وہ تقدُّس، علم، سنجیدگی اور متانت کا رنگ ہے۔

❁ بیان میں پُر شکوہ الفاظ، زبان کے چٹخارے، بذلہ سنجی، طنز و ظرافت، جذبات، اشعار، منظر کشی اور نوک دار جملوں کے

ذریعے گفتگو میں زور پیدا کیا جاتا ہے جبکہ درسِ قرآن میں افہام و تفہیم، اجمال سے تفصیل، استدلال، عصرِ حاضر اور زبان کی ادبی چاشنی سے سامعین کی توجہ حاصل کی جاتی ہے اور انہیں پختہ دلائل کے ساتھ قائل کرنا پڑتا ہے۔

❁ دورانِ بیان وہ بات بھی ذکر کر دی جاتی ہے جو بر سرِ عام کہی جاسکتی تھی لیکن بر سرِ منبر نہیں، لیکن مبلغ اسے بیان کر دیتا ہے، یہ اگرچہ اس کی کمال درجہ کی مَشّاقی ہوتی ہے لیکن مدرس درس میں ایسی کوئی بات کرے تو درس کا تقدُّس بر قرار رہنا مشکل ہو جاتا ہے، مدرس کو اس معاملے میں سخت احتیاط کرنی چاہیے وہ کتنا ہی ماہر کیوں نہ ہو درسِ قرآن کے تقدُّس کی خاطر ایسی کوئی بات بیان نہ کرے جو منبر کے لائق نہ ہو۔

❁ بیان میں اعضاء کی زبان کا بہت عمل دخل ہوتا ہے مبلغ مجمع میں جذباتی فضا قائم کرنے اور لوگوں کی رائے اپنے حق میں ہموار کرنے کے لیے اعضاء کی زبان سے بہت مدد لیتا ہے، وہ مواد سے زیادہ انداز پر توجہ دیتا ہے اور جب اس مقصد میں کامیاب ہو جاتا ہے تو مواد کی اہمیت صرف 30 فیصد رہ جاتی ہے اور انداز 70 فیصد تک اپنا کام کر رہا ہوتا ہے؛ ایسے میں مبلغ لایعنی بات بھی جوش و جذبے سے کہتا ہے تو مجمع سے نعرے بلند ہو جاتے ہیں! جبکہ درسِ قرآن میں سِرے سے جذباتی فضا بنانے کی ضرورت ہی پیش نہیں آتی، قرآنِ کریم کی تاثیر پورے ماحول کو روحانیت، نورانیت، وقار اور محبت کی برکھا سے جل تھل کر دیتی ہے۔

❁ مدرس مقرر کی طرح آزاد نہیں ہوتا بلکہ آیات کی تعلیمات و تشریحات کا پابند ہوتا ہے اور قرآن کی کشش خود بخود لوگوں کے دل و دماغ اور قلب و روح کو اپنی جانب کھینچ رہی ہوتی ہے، یہاں پر اعضاء کی زبان کے مقابلے میں مدرس کے اعمال کی خوشبو اور لہجے کا سوز و ساز زیادہ اہم کردار ادا کرتا ہے۔

(یب) خلوصِ نیت:

مدرس کو چاہیے اپنی نیت اور اخلاص پر کبھی بھی ریاکاری کی پھپھوندی نہ لگنے دے بلکہ ہمیشہ خلوصِ نیت، توسیعِ دعوتِ دین، حصولِ جنت اور خوشنودیٔ پروردگار کی خاطر درسِ قرآن دے۔ مدرس کا باطن اس کے ظاہر سے بہتر ہونا چاہیے اگر ظاہر اچھا ہے اور باطن عُجب، خود پسندی، حُبِ جاہ جیسے رذائل سے بدبودار ہوا تو یہ سخت ریاکاری کہلائے گا۔ اس کے برعکس اچھے باطن کے ساتھ اچھا ظاہر ریاکاری نہیں اتباعِ سُنَّت سے تعبیر کیا جائے گا۔ مدرسِ قرآن ہمیشہ معلمِ کائنات صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی تعلیم کردہ یہ دعا مانگتا ہے:

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ سَرِيْرَتِيْ خَيْرًا مِّنْ عَلَانِيَتِيْ وَاجْعَلْ عَلَانِيَتِيْ صَالِحَةً۔ [1]

اے اللہ! میرے باطن کو ظاہر سے اچھا کر دے اور میرے ظاہر کو نیک بنا دے۔

﴿2﴾ مدرسِ قرآن کے لیے ضروری ہدایات

درسِ قرآن میں بیان کیے جانے والے حقائق کا ہر پہلو نپے تلے اور مدرس کے بغور مطالعے کا ثمر ہونا چاہیے یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب مدرس زبان سے ادا ہونے والے الفاظ کے اس سفر سے واقف ہو جو علم و آگاہی کی جھلمِل سے شروع ہو کر افکار تک اور افکار سے یقین اور یقین سے اظہارِ یقین تک پہنچتا ہے، لاشعوری میں پیدا ہونے والے خیالات بغیر پَرکھے زبان تک آنے لگ جائیں تو درسِ قرآن کا مقصد فوت ہو کر رہ جاتا ہے۔ ذیل میں مدرسِ قرآن کے لیے ضروری ہدایات پیش کی جارہی ہیں ملاحظہ کیجیے:

سورت کا مرکزی مضمون:

ہر سورت میں ایک یا چند مرکزی مضامین ہوتے ہیں اور نظمِ قرآن میں انہیں مختلف زاویوں سے ذیلی مضامین کے تحت بیان کیا جارہا ہوتا ہے، مدرس کے لیے ضروری ہے وہ درس کے لیے مطالعہ کرتے ہوئے اپنے حصۂ درس کا مرکزی مضمون اور اس کو بیان کرنے والے ذیلی مضامین تلاش کرے پھر انہیں خوب اچھی طرح ذہن نشین کرلے اور ان مضامین کی روشنی میں نظمِ کلام کے ساتھ آگے بڑھے۔ مضمون کی مکمل تیاری کے بعد ہی درس کے لیے کمربستہ ہو اور دورانِ درس سورت کے مرکزی مضمون کو ذیلی مضامین کی مدد سے سامعین کے قلوب و اذہان میں اتارنے کی کوشش کرے۔

نظمِ قرآن کا باہمی تعلق:

مدرس کو چاہیے نظمِ قرآن کے ہر لفظ کا دوسرے لفظ سے، ہر آیت کا دوسری آیت سے اور ہر سورت کا دوسری سورت سے تعلق اور ان کی ترتیب پر غور و فکر کرے مثلاً سورۂ تین کے درس کے لیے غور کرے: ﴿وَالتِّيْنِ﴾ کے بعد ﴿وَالزَّيْتُوْنِ﴾ کیوں آیا؟ پھر ﴿وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ﴾ کیوں ذکر ہوا؟ اس کے بعد ﴿وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ﴾ ذکر کرنے کی کیا حکمت ہے؟ اور پھر ان چاروں قسموں کا ﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْۤ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ﴾ [2] کے ساتھ کیا تعلق ہے؟ اگر مدرس اس

1 ...... ترمذی، کتاب الدعوات، باب(ت:129)، 5/339 حدیث:3597۔ 2 ...... پ30، التین:1 تا 4۔

www.dawateislami.net

انداز سے نظمِ قرآن پر غور کرتا رہا تو ان شاءاللہ فہمِ قرآن کی انمول نعمت سے سرفراز ہوگا۔[1]

صفاتِ باری تعالیٰ:

قرآنِ حکیم میں اللہ تعالیٰ کی صفات جابجا موتیوں کی طرح چمک رہی ہیں، مدرس کی ذمہ داری ہے وہ ان صفاتِ الٰہی کے معانی پر غور کرے اور اس رمز کو تلاش کرے کہ یہ صفت اسی خاص مقام پر کیوں ذکر ہوئی؟ اس کا ماقبل اور مابعد کلام کے ساتھ کیا تعلق ہے؟

اِنذار و تبشیر:

مدرس قرآن حکیم کو ہمیشہ کتابِ ہدایت کے طور پر پیش کرے، سامعین اس کا درس سن کر ایسا محسوس نہ کریں کہ قرآن ایک معلوماتِ عامہ فراہم کرنے والی کوئی کتاب ہے! قرآنِ کریم اکثر اپنی بات کو اخروی جزا و سزا سے جوڑتا ہے اور اسی مقصد کے لیے تاریخی شواہد بھی پیش کرتا ہے جس میں قوموں کے عروج و زوال کے اسباب کی نشاندہی کی گئی ہوتی ہے، فرماں برداروں اور نافرمانوں کے احوال کا تذکرہ ہوتا ہے، یہ سب اتنی خوبصورتی کے ساتھ مذکور ہوتا ہے کہ قرآن اِیجاز و اِطناب کا بہترین سنگم نظر آتا ہے، مدرس قرآن کے اس اعجاز کو غیر ضروری تفصیلات سے پاک رکھے اور اس کے مقاصد اور تزکیہ پر توجہ دے کہ قرآن کا مقصد صالح افراد کو دنیاوی کامیابیوں اور اخروی فوز و فلاح کی بشارتیں دینا، نافرمان اور حد سے تجاوز کرنے والوں کو دنیا و آخرت کی تباہی و بربادی سے ڈرانا ہے تاکہ لوگ بے ضرر زندگی گزار سکیں اور صحیح عقیدے، درست طرزِ عمل اور مناسب رویے اختیار کریں۔

دلائلِ قرآنیہ:

قرآن از خود روشن دلیل اور کتابِ مبین ہے اس کے باوجود وہ کئی باتیں ذکر کرتے ہوئے دلائل بیان کرتا ہے، مدرس کو چاہیے قرآن کے اس اسلوب کو سمجھے اور خود کو دلائل کے ہتھیاروں سے مُسَلَّح کرلے کوئی بات بغیر دلیل کے بیان نہ کرے۔ ایک غیر مسلم یا جدید دنیاوی تعلیم یافتہ شخص دلائل اور منطق کی زبان جلدی سمجھتا ہے، اپنی بات پر ان کے دل و دماغ کو قائل کرنے کے لیے قرآنی دلائل نہایت موزوں ہوتے ہیں کہ ان میں غیر مسلم یا ناواقف شخص کے ذہن میں پیدا ہونے والے ہر شبہ کی تاریکی دلائل کی کرنوں کے ذریعے دور کی گئی ہے اور فطرت کو اتنے قریب سے بیان

1 ...... نظمِ قرآن کے باہمی ربط کو سمجھنے کے لیے تفسیر نعیمی کے عنوان "تعلق" کا اور تفسیر رضوی کا بغور مطالعہ نہایت مفید ثابت ہوگا۔ (مصنف)

www.dawateislami.net

کیا گیا ہے کہ کوئی بھی سالم الحواس شخص اس کا انکار نہیں کر سکتا۔ مثلاً

قرآن خود پر کیے جانے والے اعتراضات کا دلائل کے ساتھ مقابلہ کرتا ہے، عقیدۂ توحید پر کھڑے کیے جانے والے شبہات کو شافی کافی دلائل کے ذریعے رد کرتا ہے، نبیِ محترم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے بارے میں منکرین نے معاذ اللہ ساحر، کاہن، مفتون، مجنون، مفتری اور طرح طرح کے نازیبا کلمات کہے قرآن نے ان سب کا ایسا جواب دیا کہ منکرین انگشت بدنداں رہ گئے، حضور سے حسی معجزات طلب کیے گئے ان کا بھی نظارہ کروادیا گیا۔ لہٰذا قرآن کو چھوڑ کر اطراف سے دلائل جمع کرنے سے بہتر ہے خود قرآن میں غور و فکر کی عادت بنائی جائے اور اس کے دلائل کو سمجھ کر بیان کرنے کی کوشش کی جائے تو ان شاء اللہ توقُّع سے زیادہ کامیابی ملے گی۔ ذیل میں قرآنی دلائل کے حوالے سے چند بنیادی باتیں بیان کی جارہی ہیں مدرس ان کو بغور پڑھے اور سمجھنے کی کوشش کرے۔

قرآنِ کریم میں بنیادی طور پر پانچ طرح کے دلائل ذکر کیے جاتے ہیں:

(1) عقلی (2) نقلی (3) فطری یا نفسی (4) تاریخی (5) حلفی۔

مدرسِ قرآن کی ذمہ داری ہے وہ ان دلائل کی نوعیت سے باخبر ہو اور آگے بیان کرنے میں اسے اِذعان و یقین کا درجہ حاصل ہو اور اسے بیان کرتے وقت وہی لہجہ اپنانے کی کوشش کرے جو قرآن نے عطا فرمایا ہے، مثلاً جس مقام پر ﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً﴾ (1) ﴿اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾ (2) ﴿اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ﴾ (3) وغیرہ جیسے کلمات وارد ہوں تو مدرس دو چیزوں پر لازمی غور کرے:

(1) جس دلیل پر توجہ دینے کا مطالبہ کیا جارہا ہے اس کی نوعیت کیا ہے؟

(2) اس دلیل کے ذریعے کیا چیز ثابت کی گئی ہے؛ وحدانیت؟ قدرت؟ قانونِ رسالت؟ مرنے کے بعد کی زندگی؟ یا اس کے علاوہ کوئی اور چیز؟

دعوے پر دلیل اسی کے مناسب اور موافق لائی جاتی ہے اس باریکی کو سمجھنا اور غور کرنا ضروری ہے، مثلاً سورۂ انشقاق میں شفق، رات اور چاند کی قسمیں یہ ثابت کرنے کے لیے ارشاد فرمائی گئیں کہ انسان بھی بچپن سے جوانی اور جوانی سے بڑھاپے کی جانب اسی طرح سفر کرتا ہے جس طرح دن سفر کرتے کرتے اپنی انتہا تک پہنچنے لگتا ہے کہ پہلے شفق

---

1 ...... پ12، ھود:103۔ 2 ...... پ1، البقرۃ:44۔ 3 ...... پ7، الانعام:50۔

www.dawateislami.net

نمودار ہوتی ہے پھر مکمل رات چھا جاتی ہے چاند نمودار ہوتا ہے اور سارے جانور رات کے اندھیرے میں اپنی توانائیوں کا دامن سمیٹ لیتے ہیں۔ جب دن رات کا یہ سفر ہر آن جاری ہے جس کے اختتام کا مشاہدہ انسان روزانہ کی بنیاد پر کر رہا ہے تو ایک دن یہ خود بھی ختم ہو جائے گا پھر کیوں اس رب پر ایمان نہیں لاتا جس نے دن رات کی ابتدا و انتہا کی طرح اس کی بھی ایک ابتدا و انتہا مقرر کر رکھی ہے!

یاد رکھیے! قرآن قولِ فیصل اور سنجیدہ کلام ہے کوئی ہنسی مذاق نہیں کہ اس کا کوئی پیرایہ کسی کم فہم کی عقل میں نہ آئے تو اس کا کوئی مطلب ہی نہیں ہوگا بلکہ اس کے کئی مطالب و مفاہیم ہیں اور ہر ہر لفظ کے تحت علم و حکمت کے سوتے پھوٹ رہے ہیں ان سب پر غور کرنا اور سامعین کو دعوتِ فکر دینا ہی مدرس کا فرضِ منصبی ہے۔

﴿3﴾ درسِ قرآن کا طریقہ

جو کام باقاعدہ سیکھ کر، مکمل تیاری اور مشق کے بعد کیا جائے وہ اس کام کے مقابلے میں بہترین ہوتا ہے جو ان مراحل سے گزرے بغیر انجام پائے! بلکہ اپنے کام خوش اسلوبی سے کرنے والے خدا تعالیٰ کو پسند ہیں؛ یقیناً ایک مدرسِ قرآن کو بھی یہ اعزاز حاصل کرنا چاہیے کہ وہ کلامِ باری تعالیٰ کو اس کے تمام ادب و آداب بجالاتے ہوئے مخلوقِ خدا تک پہنچائے اور باقاعدہ تربیت حاصل کرنے کے بعد ہی اس خدمت کے لیے تیار ہو۔ ذیل میں درسِ قرآن کی اقسام اور ان کے طریقوں سے متعلق انتہائی اہم معلومات فراہم کی جارہی ہے:

(1) مخصوص حصہ کا درس:

درسِ قرآن کا ایک طریقہ یہ ہے کہ کسی مخصوص سورت یا رکوع کا درس دیا جائے، اس میں ایک سے زائد موضوع درس کا حصہ بنتے ہیں۔

مخصوص حصہ کے درس کا طریقہ:

قرآنِ کریم کی مخصوص سورت یا رکوع کا درس عام طور پر 10 عناصر پر مشتمل ہوتا ہے انہیں بالترتیب ذکر کیا جارہا ہے ملاحظہ کیجیے:

1- تلاوت:

مدرس اپنے درس کی ابتدا اہم وزن الفاظ پر مشتمل خطبے کے ساتھ کرے اور اس کے بعد ترتیل وحدر کی درمیانی رفتار

تدویر کے ساتھ ان آیات کی تلاوت کرے جن کا درس دینا ہے؛ آواز میں ترنم عطا ہوا ہے تو اس نعمت کو دعوتِ دین میں جاذبیت اور دلکشی پیدا کرنے کے لیے خوب خوب استعمال کرے۔

یہ بات بہت ضروری ہے کہ مدرس مخارجِ حروف اور قواعدِ تجوید کی رعایت رکھتا ہو بلکہ اس کا ماہر ہو تو اور اچھا ہے؛ اگر شومیٔ قسمت مدرس میں یہ چیز مفقود ہے تو درسِ قرآن سے پہلے کسی ماہرِ فن قاری کی خدمت میں تلاوتِ قرآن کی مشق کرے حتّٰی کہ ترتیل و تدویر کے ساتھ قواعدِ تجوید کی رعایت کرتے ہوئے تلاوت کرنے پر قادر ہو جائے۔

2-ترجمہ:

آیاتِ قرآنیہ کا ترجمہ بامحاورہ، درس کی زبان کے قواعد کا لحاظ رکھتے ہوئے باآواز بلند اسی لہجے میں ہونا چاہیے جو بیان کی گئی بات کا تقاضا ہو۔ لفظی، غیر شائستہ، نامانوس یا متروک، ثقیل الفاظ اور معنوی تعقیدات پر مشتمل پست آواز میں بیان کیا جانے والا ترجمہ مدرس کی ناتجربہ کاری پر دلالت کرتا ہے اور الگ سے کوئی چیز معلوم ہوتا ہے جیسے مدرس کو اچانک کوئی بات یاد آگئی ہو اور وہ اسے بڑبڑا رہا ہو۔

ہر زبان کے الفاظ کی ترتیب اور ان کا اسلوبِ بیان مختلف ہوتا ہے، بعض اوقات ایک زبان کی خوبصورتی دوسری زبان کے لیے عیب ہوتی ہے لہٰذا مدرس کو اپنی درسی زبان کا مکمل فہم ہونا چاہیے؛ ایسا نہ ہو کہ فصیح نظمِ قرآن کا ترجمہ اسی ترتیب پر اردو میں منتقل کیا جائے تو تعقیدات کا شکار ہو کر فہمِ معنٰی میں دشواری ہو۔ درس کے دوران اس اندازِ ترجمہ سے پرہیز کیا جائے جو دینی مدارس میں اساتذہ ابتدائی عربی سیکھنے والے طلبہ کو نحوی تراکیب، صرفی تحلیلات اور لغوی تحقیقات پختہ کرانے کے لیے کرواتے ہیں، مدرس کے سامنے طلبہ نہیں عوام موجود ہے جسے صرف و نحو کا "عَلِمَ زَیْدٌ" بھی نہیں پتا، انہیں صرف مدرس کے پیغام اور قرآن کے مضمون سے زیادہ دلچسپی ہے۔

درسِ قرآن میں ترجمہ کے لیے سب سے بہتر اور محتاط طریقہ یہ ہے کہ مدرس کسی عالمِ دین کا ترجمہ بیان کرے مثلاً اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃُ اللہِ علیہ کا ترجمۂ قرآن کنزالایمان نہایت موزوں اور مناسب ہے، نیز مفتی محمد قاسم قادری دام ظلہ کا ترجمۂ قرآن کنزالعرفان بھی اس کام کے لیے مفید ثابت ہو گا۔

3-پسِ منظر و پیشِ منظر:

دورانِ درس پسِ منظر یا شانِ نزول وغیرہ پر زیادہ زور دینے کے بجائے پیشِ منظر اور حالاتِ حاضرہ کے حوالے سے

www.dawateislami.net

قرآن کی تعلیمات اجاگر کرنی چاہئیں، شانِ نزول کی موجودہ صورتِ حال کے ساتھ واضح مطابقت ہو تو ہی اسے زیرِ درس لایا جائے ورنہ یہ ابحاث اہلِ علم کے لیے چھوڑ دی جائیں؛ دراصل مدرس کی اصل ذمہ داری یہ ہے کہ وہ قرآن کو ایک زندہ و جاوید کتاب کے طور پر پیش کرے نہ کہ تاریخی دستاویزات کے طور پر! درسِ قرآن سن کر سامعین اگر یہ محسوس نہیں کرتے کہ قرآن ہمارے گرد و پیش کے معاملات پر ہماری مکمل راہ نمائی کر رہا ہے تو یہ مدرس کی کمزوری ہے جو اسی وقت دور ہو سکتی ہے جب قرآن کے عملی پیغام پر زیادہ زور دیا جائے۔

4- مرکزی مضمون:

مخصوص سورت یا رکوع کے درس میں اگرچہ ضمناً کئی موضوع زیرِ بحث آتے ہیں لیکن ان کا تعلق کسی نہ کسی طرح مرکزی مضمون سے ضرور ہوتا ہے مثلاً سورۂ انفطار کا مرکزی مضمون یہ ہے کہ اس میں قیامت کی علامات بیان کی گئی ہیں اور ضمناً درج ذیل موضوعات زیرِ بحث آئے:

- قیامت کے وقت کائنات میں ہونے والی ہیبت ناک تبدیلیاں۔
- انسان کے سامنے اللہ کی نعمتیں بیان کر کے اسے جھنجوڑا گیا ہے کہ آخر کیوں تو نے اپنے کریم رب سے منہ موڑ لیا؟
- انسان کے اعمال و اقوال کے نگہبان دو فرشتے کراماً کاتبین کا ذکر ہوا۔ وغیرہ

لیکن ان ضمنی موضوعات کا تعلق مرکزی مضمون سے ہے کہ قیامت کی ہولناکیاں بیان کر کے اس دن کے احوال کا سرسری نقشہ کھینچ دیا گیا جس کا ہر پہلو ایک مستقل عنوان کی حیثیت رکھتا ہے۔ اب مدرس کی ذمہ داری ہے وہ درسِ انفطار کے وقت قیامت کی نشانیوں کے ضمن میں سامعین کے دل میں اس کی ہولناکیاں بٹھائے اور انہیں اطاعتِ الٰہی کی طرف توجہ کرنے اور اسی پر قائم رہ کر اپنی آخرت بہتر بنانے پر زور دے۔

5- تشریحِ کلمات:

اگر سامعین علمِ دین سے شغف رکھتے ہوں تو قرآنِ کریم کی لفظی تشریح کا اہتمام کیا جائے ورنہ ضرورت پر بھی اکتفا کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً سورۂ لقمان کے درس کے دوران ﴿وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ﴾[1] میں "تُصَعِّرْ" کی لفظی تشریح بیان کی جائے تو سامعین کی معلومات میں اضافے کے علاوہ بدن پر ایک خفیف سی سنسنی بھی طاری ہو سکتی ہے؛ "لَا تُصَعِّرْ" کا

---

1 ...... پ21، لقمٰن:18۔

مادہ ”ص ع ر“ ہے جو اونٹوں کی ایک بیماری کا نام ہے، اس بیماری میں اونٹ کی گردن ٹیڑھی ہو جاتی ہے، اس آیتِ مبارکہ میں متکبر شخص کو ٹیڑھی گردن والے اونٹ سے تشبیہ دی گئی ہے۔[1]

البتہ کلماتِ قرآن کی تشریح کرتے ہوئے الفاظ کی ان تین اقسام کا لحاظ ضرور رکھا جائے:

الف- مفردات القرآن: کوئی بھی ایسا لفظ جو ایک سے زائد معانی پر مشتمل ہو اس کی تشریح کر کے متعلقہ مقام پر معنٰی کا تعین کیا جائے؛ یہ مقام نکتہ آفرینی کے لیے بہترین ہے مدرس کی طبعِ سلیم اور قوتِ علمیہ ساتھ دے تو یہاں سے عمدہ موتی بھی چنے جاسکتے ہیں البتہ اس دوران تفسیر بالرائے نہیں ہونی چاہیے۔ نیز قرآن میں وہی لفظ اپنے دیگر معانی کے لیے استعمال ہوا ہے تو اسے بھی بیان کر دیا جائے، مثلاً سورۂ بنی اسرائیل میں دورانِ درس آیت ﴿قُلِ الرُّوۡحُ مِنۡ اَمۡرِ رَبِّیۡ﴾[2] پر بات کرتے ہوئے لفظ روح کے درج ذیل پانچ قرآنی استعمالات ذکر کیے جاسکتے ہیں:

(1) روح کا اطلاق سانس پر کیا گیا کیونکہ سانس روح کے ساتھ ہی ہے لہٰذا یہ تسمیۃ النوع باسم الجنس کی قبیل سے ہے جیسے انسان پر حیوان کا اطلاق۔

(2) روح کا اطلاق زندگی اور حرکت رکھنے والی اس شے پر کیا جاتا ہے جس سے فائدے حاصل کیے جاتے ہیں اور نقصان سے بچا جاتا ہے، مثلاً ﴿قُلِ الرُّوۡحُ مِنۡ اَمۡرِ رَبِّیۡ﴾

(3) روح کا اطلاق کبھی فرشتوں اور جبریلِ امین علیہ السلام پر کیا گیا: ﴿تَعۡرُجُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ وَ الرُّوۡحُ اِلَیۡہِ﴾[3]

(4) حضرت عیسٰی علٰی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو روح کہا گیا: ﴿وَ رُوۡحٌ مِّنۡہُ﴾[4]

(5) قرآنِ کریم کو بھی روح فرمایا گیا: ﴿وَ کَذٰلِکَ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡکَ رُوۡحًا مِّنۡ اَمۡرِنَا﴾[5]

ب- مترادفات القرآن: قرآن فصاحت وبلاغت کا منبع ہے اگر اس میں ایک بات متعدد بار ذکر ہوئی ہے تو اسے مترادف کلمات کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے اور الفاظ کی یہ تبدیلی اس باریک فرق کی طرف اشارہ ہے جو بظاہر ایک جیسی لگنے والی بات میں پوشیدہ ہے، اگر مدرس ان مترادفات القرآن سے واقفیت پیدا کرلے تو اس کے لیے فہم و ادراک کے بہت سے دروازے کھلنا شروع ہو جائیں گے، مثلاً آواز جس کو عربی میں صوت کہتے ہیں ایک عام لفظ ہے جس کا معنٰی سب جانتے

1 ابن کثیر، پ21، لقمٰن، تحت الآیۃ:18، 6/303۔ 2 پ15، بنی اسرائیل:85۔ 3 پ29، المعارج:4۔
4 پ6، النساء:171۔ 5 پ25، الشوریٰ:52۔ مفردات الفاظ القرآن، ص369۔

www.dawateislami.net

ہیں؛ ابنِ فارس نے آواز کی تعریف کرتے ہوئے لکھا: كُلُّ مَاوَقَرَفِيْ أُذُنِ السَّامِعِ یعنی ہر وہ چیز جو سننے والے کے کان سے ٹکرائے آواز ہے۔[1] ظاہر ہے وہ کسی بھی چیز کی آواز ہو سکتی ہے، لیکن یہ قرآنِ حکیم کی فصاحت وبلاغت ہے کہ جہاں آواز کا ذکر آیا وہاں اس آواز کی اصل کا لحاظ کرتے ہوئے الگ لفظ ذکر کیا گیا؛ جانداروں کی آوازوں کے لیے 11 اور بے جان کی آوازوں کے لیے آٹھ جبکہ لفظ "صوت" مشترک ذکر ہوا! ان میں سے چند کی مثالیں ملاحظہ کیجیے:

صَرِیخ: یہ لفظ مصیبت اور گھبراہٹ کے وقت چلانے کی آواز کے لیے کہا جاتا ہے، قرآنِ کریم میں ہے:

﴿وَهُمْ يَصْطَرِخُوْنَ فِيْهَا﴾[2] ترجمہ: اور وہ اس میں چلّاتے ہوں گے۔

ہَمس: یہ لفظ انسان کی کسی بھی حرکت کی آواز کے لیے کہا جاتا ہے اور سرگوشی کی آواز کے لیے بھی کہا جاتا ہے، گویا اس سے کوئی بھی دھیمی اور قابلِ محسوس آواز مراد ہوتی ہے۔ قرآنِ کریم میں ہے:

﴿وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا۝۱۰۸﴾[3]

ترجمہ: اور سب آوازیں رحمٰن کے حضور پست ہو کر رہ جائیں گی تو تو نہ سنے گا مگر بہت آہستہ آواز۔

حَسِیس: یہ لفظ قدموں کی آہٹ، چاپ اور خفیف سی آواز کے لیے کہا جاتا ہے اور آگ کے بھڑکنے کی آواز کے لیے بھی کہا جاتا ہے، چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے:

﴿لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَاۚ وَهُمْ فِيْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ۝۱۰۲ۚ﴾[4]

ترجمہ: وہ اس کی بھنک (ہلکی سی آواز بھی) نہ سنیں گے اور وہ اپنی من مانتی خواہشوں میں ہمیشہ رہیں گے۔

مُکاء: یہ لفظ منہ سے سیٹی بجانے کے معنٰی میں آتا ہے اور اس میں موسیقی کے تمام سرتال شامل ہیں۔

تَصدِیَة: یہ لفظ دونوں ہاتھوں سے تالیاں بجانے کے لیے آتا ہے اور اس میں تمام ساز و مضراب شامل ہیں: اللہ پاک فرماتا ہے:

﴿وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَآءً وَّتَصْدِيَةًؕ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ۝۳۵﴾[5]

ترجمہ: اور کعبہ کے پاس ان کی نماز نہیں مگر سیٹی اور تالی تو اب عذاب چکھو بدلہ اپنے کفر کا۔

ضَبح: یہ لفظ گھوڑے کے تیز دوڑنے کی وجہ سے ہانپنے کی آواز کے لیے کہا جاتا ہے، قرآنِ کریم میں ہے:

﴿وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا۝۱﴾[6] ترجمہ: قسم ان کی جو دوڑتے ہیں سینے سے آواز نکلتی ہوئی۔

1 ...... معجم مقاییس اللغۃ، ص556۔ 2 ...... پ22، فاطر:37۔ 3 ...... پ16، طٰہٰ:108۔ 4 ...... پ17، الانبیا:102۔ 5 ...... پ9، الانفال:35۔
6 ...... پ30، العادیات:1۔

www.dawateislami.net

خوار: یہ لفظ بیل، گائے یا بچھڑے کی آواز کے لیے کہا جاتا ہے، قرآنِ کریم میں ہے:

﴿وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰى مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِیِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ ؕ﴾ (1)

ترجمہ: اور موسیٰ کے بعد اس کی قوم اپنے زیوروں سے ایک بچھڑا بنا بیٹھی بے جان کا دھڑ گائے کی طرح آواز کرتا۔

زفیر: یہ لفظ گدھے کے رینکنے کی ابتدائی آواز جو آہستہ آواز سے اونچی ہونا شروع ہو جاتی ہے اس کے لیے کہا جاتا ہے۔

شہیق: گدھا جب رینکنے کو ختم کرنے لگے آخر کی آواز جو اونچی سے پست ہونا شروع ہو اس کے لیے کہا جاتا ہے۔ یہ دونوں لفظ ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ قرآنِ کریم میں ہے:

﴿فَاَمَّا الَّذِیْنَ شَقُوْا فَفِی النَّارِ لَهُمْ فِیْهَا زَفِیْرٌ وَّ شَهِیْقٌ ﴿۱۰۶﴾ ﴾ (2)

ترجمہ: تو وہ جو بدبخت ہیں وہ تو دوزخ میں ہیں وہ اس میں گدھے کی طرح رینکیں (چیخیں چلائیں) گے۔

ج- مشتبہ الفاظ: قرآنِ کریم میں ایسے کلمات بھی موجود ہیں جن کا معنیٰ سیاق وسباق سمجھے بغیر متعین نہیں کیا جاسکتا، ترجمہ کرتے ہوئے مدرس کے لیے ان کلمات کو ملحوظ رکھنا بے حد ضروری ہے، مشتبہ الفاظ کی دو مثالیں ملاحظہ کیجیے:

(1) اسفار: مشہور لفظ سفر کی جمع ہے، قرآن کریم میں ہے: ﴿رَبَّنَا بٰعِدْ بَیْنَ اَسْفَارِنَا﴾ (3)

اسفار: سِفر کی جمع بمعنیٰ بڑی کتاب، تورات کے اجزاء میں سے ایک جز، بڑی بڑی کتابیں، قرآن کریم میں ہے:

﴿كَمَثَلِ الْحِمَارِ یَحْمِلُ اَسْفَارًا ؕ﴾ (4)

(2) جواب: مشہور لفظ ہے سوال کا جواب، مفرد ہے جس کی جمع اجوبۃ آتی ہے، قرآن پاک میں ہے:

﴿فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ﴾ (5)

جواب: جابیۃ کی جمع بمعنیٰ اونٹوں کے پانی پینے کا حوض، قرآن پاک میں ہے: ﴿وَ جِفَانٍ كَالْجَوَابِ﴾ (6)

6- آیات کی تفسیر:

مدرسِ قرآن آیات کی تفسیر میں چار طرح کی چیزوں سے مدد لے سکتا ہے:

الف- آیاتِ قرآنیہ: قرآنِ پاک کی دیگر آیات جو درس کے موضوع سے براہِ راست متعلق ہوں ان کی مدد سے بھی تفسیر بحُسن وخوبی بیان کی جاسکتی ہے، اس قسم کی تفسیر کو "تفسیر القرآن بالقرآن" کہا جاتا ہے۔

---

1 ...... پ9، الاعراف:148۔ 2 ...... پ12، ھود:106۔ 3 ...... پ22، سبا:19۔ 4 ...... پ28، الجمعۃ:5۔ 5 ...... پ19، النمل:56۔

6 ...... پ22، سبا:13۔

ب- احادیثِ مبارکہ: تفسیرِ آیت کے لیے جو صحیح اور حسن احادیث براہِ راست درس کے موضوع سے متعلق ہوں وہ بیان کی جاسکتی ہیں، اس قسم کی تفسیر کو "تفسیر القرآن بالحدیث" کہا جاتا ہے۔

ج- سیرتِ صحابہ: درس کے موضوع سے متعلق صحابۂ کِرام کے وہ واقعات جو درایت و روایت پر پورا اترتے ہوں انہیں اپنے درس کا موضوع بنایا جاسکتا ہے۔

د- سیرتِ بزرگانِ دین: اسلافِ امت کی مستند سیرت، پند و نصائح پر مشتمل اقوال، لطائف و معارف، حکایات و واقعات اور ذوقِ عبادت وغیرہ بیان کی جاسکتی ہیں۔ یہ چیزیں احکامِ شرعیہ کا پابند بنانے کے لیے نہایت مفید ثابت ہوں گی۔

ان تمام چیزوں کو بیان کرتے ہوئے درسِ قرآن کا تقدُّس برقرار رہنا چاہیے، درسِ قرآن پر کسی بھی طرح کا رنگ چڑھانا، زبردستی نمک مرچ لگانا اور تفسیر بالرائے کی وجہ سے حرام فعل کا ارتکاب کرنا ہرگز دانش مندی نہیں۔ قرآن ایک مستقل غیر محتاج کتابِ ہدایت ہے اس میں تاثیر پیدا کرنے کے لیے کسی بھی مصنوعی رنگ کی ضرورت نہیں ہے۔

آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ نبویہ میں سے اچھے اچھے معانی اور مطالب اخذ کرنا جو قرآن و سُنَّت کے مقابل نہ ہوں جائز ہے مثلاً آیات کے علمی نِکات، درست تاویلات، اعتراضات کے جوابات وغیرہ۔ اس کے علاوہ وہ چیزیں جن کا تعلق نقل پر موقوف ہے جیسے شانِ نزول، ناسخ منسوخ، تجوید کے قواعد، انہیں رائے سے بیان کرنا حرام ہے، تفسیر بالرائے کی ممانعت ایسے ہی امور کے بارے میں ہے۔ یاد رہے! قرآن کی تفسیر بالرائے حرام ہے اور تاویل بالرائے علمائے دین کے لیے باعثِ ثواب کہ یہی ﴿اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ﴾(1) کا تقاضا ہے۔(2)

7- وقت:

اگر مدرس مقررہ وقت میں منتخب آیات یا سورت کے اختتام تک پہنچ جائے تو یہ اس کی کامیابی کی پہلی سیڑھی ہے؛ مدرس کو چاہیے ابتدا میں اپنے درس کے نِکات کا وقت مقرر کرلے کہ کس پر کتنی دیر بات کرنی ہے اس طرح مقررہ وقت پر مطلوبہ حصہ کا درس مکمل ہوسکتا ہے۔ اگر بغیر سوچے سمجھے کسی ایک نکتے پر بات کرتے رہے تو وقت کی کمی کا احساس شروع ہوجائے گا اور مدرس خصوصاً مبتدی مدرس نادیدہ خوف میں مبتلا ہوجائے گا جو اسے بعد میں بھی چین نہیں لینے دے گا کہ فلاں بات تو رہ گئی!

(1) پ26، محمد:24۔ (2) مراٰۃ المناجیح، 1/ 208 بتصرف۔

www.dawateislami.net

8-موضوع پر گرفت:

درسِ قرآن کی تیاری کے دوران مدرس کی نظر سے کئی چیزیں گزرتی ہیں اور کتبِ تفاسیر میں طرح طرح کی گفتگو موجود ہوتی ہے مثلاً نحوی ابحاث، فقہی اجتہادات اور صوفیانہ رموز و اشارات وغیرہ، یقیناً یہ سب عوام کے سامنے بیان نہیں کی جاسکتیں نہ ہی ان کا عوام سے کوئی تعلق ہوتا ہے لہٰذا غیر متعلقہ یا غیر ضروری ابحاث میں الجھے بغیر موضوع پر مضبوطی سے جم کر درس مکمل کرنا اور دعوتی پہلو کو ترجیح دیناہی مدرس کے پیش نظر ہونا چاہیے تاکہ عقائد و اعمال اور اخلاق و کردار کی اصلاح ہوسکے۔

9-خلاصۂ درس:

آخری چند منٹ میں درس کا خلاصہ بیان کیا جائے جس میں مرکزی موضوع کا اِعادہ اس طرح ہو کہ درس کے تمام مضامین مرکزی موضوع سے جڑتے ہوئے معلوم ہوں۔

10-پیغام:

خلاصۂ درس کے بعد یہ بیان کیجیے کہ پورے درس اور مرکزی موضوع کی اس پوری گفتگو سے ہمیں کیا سیکھنے کو ملا؟ ہمارے ظاہر و باطن کے حوالے سے اس میں کیا ہدایات بیان کی گئی ہیں؟ درس کی روشنی میں معاشرتی سطح پر کن اصلاحات کی ضرورت ہے؟ وغیرہ۔

(2)موضوعاتی درسِ قرآن:

ایک موضوع منتخب کرکے اس سے متعلق آیات کا درس دینا۔ اس درس کی تیاری کچھ تفصیل طلب ہوتی ہے لیکن مدرس اور سامعین کو سیکھنے، سمجھنے اور عمل کرنے کے لیے بہت کچھ ملتا ہے۔

موضوعاتی درس کا طریقہ:

موضوعاتی درس میں سب سے اہم اور بنیادی چیز اس کی تیاری ہے! جتنی عمدہ اور بہترین اس کی تیاری ہوگی اتنا ہی اچھا یہ درس ہوگا، ذیل میں موضوعاتی درس کی تیاری کو دس عنوانات کے تحت بیان کیا جارہا ہے ملاحظہ کیجیے:

1-موضوع کا انتخاب:

موضوعاتی درسِ قرآن میں موضوع کا انتخاب سب سے اہم ہے اسی کی بنیاد پر پورے درس کی تیاری موقوف ہے؛

www.dawateislami.net

اس کے لیے وقت، جگہ اور سامعین کے ساتھ ساتھ مدرس اپنا علمی مرتبہ بھی پیش نظر رکھے کہ جو موضوع منتخب کر رہا ہے اسے بیان کرنے کی قابلیت اس میں ہے؟ یادر کھیے! ظرف اگر مظروف کے مطابق نہ ہو تو قیمتی چیزوں کا نقصان ہوتا ہے۔ موضوع کے انتخاب میں درج ذیل گزارشات پر عمل کرنا بھی مفید ہو گا:

ا- تازہ موضوع: موضوع ایسا ہونا چاہیے جس کی سامعین کو ضرورت ہے، بعض اوقات اہم ترین موضوع بھی سامعین کی ضرورت نہیں ہوتے یا ان موضوعات پر بات کرنے کا زمانہ گزر چکا ہوتا ہے؛ ظاہر ہے اگر اس دور میں "یونانی فلسفہ اور اس کی تردید" کو موضوع بنایا جائے گا تو یہ کتنا مفید ہو گا ہر ذی شعور سمجھ سکتا ہے۔

ب- موضوع میں تنوع: مدرس ایک ہی طرح کے موضوعات نہ لے بلکہ اپنے موضوعات میں تنوع پیدا کرے کبھی نظریاتی موضوعات پر بات کرے اور کبھی عملی پر، البتہ ایسے عملی موضوعات کو ترجیح دے جس سے معاشرے پر مثبت اثرات مرتب ہو سکیں۔

ج- تعمیری موضوع: مدرس اپنے درس میں ایسی چیزوں کو موضوع بنائے جو ایمان کو پختہ کرنے والی، معلومات فراہم کرنے والی اور شخصی تعمیر کا سبب بننے والی ہوں، مثلاً "معجزاتِ انبیائے کرام، قرآنی واقعات، عفوودرگزر،" وغیرہ۔

د- ممنوعہ موضوع: قرآن، حدیث یا عُلَمائے اسلام نے جن موضوعات پر بات کرنے سے منع فرمادیا یا مختلف فیہ موضوعات کو ہرگز اپنے درس یا تقریر کا موضوع نہ بنایا جائے مثلاً "آیاتِ متشابہات"، "مُشاجراتِ صحابہ"، "علمِ کلام کی ابحاث" وغیرہ۔

2- آیات کی تلاش:

موضوع منتخب کرنے کے بعد اس سے متعلق آیات تلاش کرنے کا مرحلہ ہے، اس کے لیے درج ذیل طریقے اختیار کیے جاسکتے ہیں:

الف- اس موضوع پر لکھی گئی کتب کی طرف مراجعت اور ان میں منتخب موضوع پر موجود آیات میں براہِ راست تعلق رکھنے والی اور ضمناً متعلقہ آیات کو جمع کیا جاسکتا ہے۔

ب- غور کیا جائے کہ جو موضوع منتخب کیا ہے اس کا عربی لفظ یا اس کا مترادف یا قریب قریب معنیٰ ومفہوم والا کوئی لفظ قرآنِ کریم میں آیا ہے؟ اگر کتب سے ایسی کوئی آیت ملی ہے جس میں اس طرح کا ایک کلمہ بھی موجود ہے تو اسے نوٹ

www.dawateislami.net

کرلیا جائے اور اب ”المعجم المفہرس“ سے اس لفظ کی دیگر آیات اور اس کے مُشتقات والی آیات اپنے پاس لکھ لی جائیں۔
ج- لفظ کا مادہ دیکھ کر اس کے دیگر مشتقات ”المفردات“ سے نکال لیے جائیں اور غور کیا جائے کہ وہاں ان کے کیا کیا معانی بیان کیے ہیں، اب ان معانی کے قریب قریب جو آیات ہوں انہیں بھی اپنے پاس محفوظ کر لیا جائے۔
د- مکتبۃ المدینہ کا مطبوعہ کنز الایمان مع خزائن العرفان کے آخر میں مضامینِ قرآن کی فہرست کو دیکھنا بھی مفید ہو گا۔
ہ- مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃُ اللہِ علیہ کی مرتب کردہ مضامینِ قرآن کی فہرست سے بھی فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔
و- مختلف سافٹ ویئرز اور موبائل ایپلیکیشنز کے ذریعے منتخب موضوع پر آیات جمع کی جاسکتی ہیں۔

3- عنوانات:

پہلے دو مرحلے خوش اسلوبی سے مکمل کرنے کے بعد اپنی تمام تر صلاحیتوں کو یکجا کر کے جمع شدہ آیات پر مرکوز کر لیا جائے، ان کے ترجمے پر غور کیا جائے جو عنوان اور مضمون قائم ہوتا معلوم ہو اسے لکھ کر اس کے تحت متعلقہ آیت لکھ لی جائے، اس طرح تمام جمع شدہ آیات کے ساتھ کیا جائے گا تو مدرس کی صلاحیتوں میں بے پناہ اضافہ بھی ہو گا اور بے شمار نئے آفاق کا انکشاف ہو گا۔ آیات پر غور کر کے ان کا عنوان قائم کرنے میں کامیاب ہو جانا ان ہی انکشافات کی ایک دلیل ہے۔

4- جمعِ احادیث:

درس کے موضوع سے متعلق صحیح احادیث جمع کی جائیں، اس کے لیے مستند مجموعۂ احادیث کی طرف مراجعت کی جائے؛ اس حوالے سے درج ذیل چار معروضات پیشِ خدمت ہیں:
الف- جمع شدہ آیات اور منتخب موضوع سے متعلق صحاح ستہ کی احادیث کو ترجیح دی جائے خصوصاً صحاح ستہ میں کتاب التفسیر کے تحت اگر منتخب آیات کی تفاسیر موجود ہوں تو انہیں جمع کر لیا جائے۔
ب- تفسیر القرآن بالماثور پر مرتب کی گئیں تفاسیر سے استفادہ کیا جائے، مثلاً تفسیر طبری، معالم التنزیل وغیرہ۔
ج- کتبِ تفسیر سے احادیث لی جائیں تو انہیں روایت و درایت کے پیمانے پر لازمی پرکھا جائے؛ اگرچہ کئی تفاسیر طریقۂ حدیث پر مرتب کی گئی ہیں اس کے باوجود ان میں کئی مُتَکَلَّم فیہ روایات موجود ہوتی ہیں۔
د- تفسیر کے لیے احادیث کے معاملے میں ان تفاسیر کو ترجیح دینا ہی راہِ اعتدال ہے جن میں یا تو صحتِ احادیث کا التزام کیا

گیاہو یا اس کی نشاندہی کردی گئی ہو جیسے تفسیرِ ابنِ کثیر وغیرہ۔
صحیح و مستند احادیث جمع ہو جانے کے بعد انہیں آیات کی طرح مختلف عنوانات قائم کر کے ان کے تحت لکھ لیا جائے۔

5-سیرتِ اسلاف:

درسِ قرآن کو تبلیغِ عمل کا ذریعہ بنانے کے لیے اسلاف کے ایسے اقوال و واقعات تلاش کیے جائیں جو درس کے موضوع سے متعلق ہوں پھر انہیں احادیث یا آیات کے قائم کردہ عنوانات میں سے مناسب عنوان کے تحت لکھ لیا جائے یا الگ سے کوئی عنوان قائم کر دیا جائے۔ صحابہ و بزرگانِ دین کے مستند واقعات و دلنشین فرامین جمع کرنے کے لیے ابو نعیم اصفہانی رحمۃُ اللہِ علیہ کی کتاب حِلیۃ الاولیا بہت مفید رہے گی۔[1]

6-متعلقہ معلومات:

آیات سے متعلق منقولی مواد کافی حد تک جمع کرنے کے بعد مدرس کو چاہیے اپنے موضوع کو تَر کرنے اور اسے پھیلانے کے لیے غور و فکر کرے مثلاً درسِ قرآن کا موضوع "اِطاعت" ہے تو اب تک کی جمع شدہ آیات وغیرہ پر غور کیا جائے تو اس سے ملتی جلتی صورتیں مدرس کے ذہن میں آرہی ہوں گی انہیں ذہن سے قرطاس پر منتقل کرنا ہے؛

- کچھ ہستیوں کی اِطاعت کا حکم دیا گیا ہے
- کچھ لوگوں کی اِطاعت سے منع کیا گیا ہے
- کچھ آیات واحادیث میں اِطاعت کے اصول بیان کیے گئے ہیں۔ وغیرہ

اس منتقلی کے بعد تھوڑا مزید غور کیا جائے گا تو محسوس ہو گا کہ کسی کی مطلق اِطاعت کا حکم ہے اور کسی کی مقید اِطاعت کا فرمایا گیا ہے! اگر مدرس مزید غور کرے گا تو اس کے ذہن میں چند جھلملاتے مضامین اس طرح واضح ہوں گے:

اللہ کی اِطاعت	امیر کی اِطاعت
رسول اللہ کی اِطاعت	عُلَمائے کِرام کی اِطاعت
والدین کی اِطاعت	بیوی کے لیے شوہر کی اطاعت

1 دعوتِ اسلامی کے شعبہ تصنیف و تالیف "المدینۃ العلمیۃ" نے "اللہ والوں کی باتوں" کے نام سے دس جلدوں پر حلیۃ الاولیا کا ترجمہ شائع کیا ہے جسے مکتبۃ المدینہ سے ہدیۃً طلب کیا جا سکتا ہے۔ (مصنف)

اسی طرح کی ترتیب ان لوگوں کی ہوگی جن کی اِطاعت سے منع کیا گیا ہے۔ اگر مدرس نے یہ سب مکمل کرلیا تو اس کا 60 فیصد درس تیار ہو چکا ہو گا۔

7-اضافہ:

ابھی درس کی تیاری میں کچھ تشنگی باقی ہے ان مضامین اور جمع شدہ مواد میں مزید اضافے کی ضرورت ہے؛ لہٰذا متعلقہ آیات کی تفاسیر کی طرف مراجعت کی جائے اور درایت وروایت پر پورا اترنے والا مواد مثلاً اقوال، حکایات، لطائفِ علمیہ وغیرہ چن لیے جائیں اور انہیں عنوان کے ساتھ محفوظ کرلیا جائے، اس کے لیے درج ذیل تفاسیر کو دیکھا جاسکتا ہے: تفسیرِ خازن، روح البیان، تفسیرِ کبیر اور اردو تفاسیر میں تفسیرِ نعیمی، صراط الجنان، تفسیرِ حسنات وغیرہ۔

کوئی فقہی مسئلہ آیات میں آیا ہو تو کتبِ فقہ مثلاً در مختار مع رد المحتار، فتاویٰ عالمگیری اور اردو میں بہار شریعت، فتاویٰ رضویہ، مختلف اردو فتاویٰ جات وغیرہ سے ضرور دیکھ لیا جائے۔

8-ابتدائی خاکہ:

مذکورہ سات مراحل سے بحسن وخوبی گزرنے کے بعد کافی مواد جمع ہو چکا ہو گا؛ کئی آیات، احادیث اور بزرگانِ دین کے فرامین وواقعات مع عنوان مدرس کے پیش نظر ہوں گے، اب تک کی اس جمع پونجی کی ترتیب سب سے اہم مسئلہ ہے؛ مدرس بتائے گئے طریقے کے مطابق جمع شدہ مواد کو ایک عنوان کے تحت لکھتا آیا ہے تو یہ اہم مسئلہ کافی آسان ہو چکا ہے، لیکن ابھی اسے اپنے پاس جمع شدہ معلومات اور سامعین کی علمی اِستِعداد کو سامنے رکھتے ہوئے ایک خاکہ مرتب کرنا ہے جس میں کافی کچھ حذف کرنے اور اسے تبدیل کرنے یا مزید اضافہ کرنے کی ضرورت محسوس ہو گی؛ اس خاکے کی ترتیب اور قطع بُرید کے بعد اسے اہل حضرات سے راہ نمائی لینے کے لیے تیار کرنا ہے، مثلاً

(1) اِطاعت کے بارے میں بنیادی معلومات (2) اِطاعت کی اقسام مثلاً مطلق اطاعت، مقید اطاعت وغیرہ (3) کن کی اِطاعت کی جائے؟ (4) کن کی اِطاعت نہیں کی جاسکتی؟ (5) جن کی اِطاعت کا حکم ہے اس کے دنیاوی واخروی فوائد (6) جن کی اِطاعت سے منع کیا گیا ہے ان کی اطاعت کا انجام وعواقب (7) اِطاعت کرنے یا نہ کرنے کے معاشرے پر اثرات (8) علمی وادبی نِکات (9) احادیث، حکایات اور اقوالِ اسلاف (10) قرآن وسُنَّت کی روشنی میں اِطاعت کے حوالے سے ذہن سازی اور عمل کی ترغیب۔

www.dawateislami.net

9-اہلِ علم کی طرف رجوع:

اب تک کی محنت کے بعد مبتدی مدرس کو ایسا محسوس ہو رہا ہو گا کہ جس موضوع پر اس نے اتنی ورق گردانی اور عرق ریزی کی ہے وہ اس کا ماہر ہو چکا ہے جتنی معلومات اسے ہے شاید اتنے پہلو کسی دوسرے کی نظر میں نہ ہوں! حالانکہ ایسا ہرگز نہیں ہے؛ مدرس نے اب تک جو بھی کیا ہے وہ اپنے محدود علم، ناقص تجربے اور کم وسائل میں رہتے ہوئے کیا ہے؛ علم کیا ہے اور اس کو برتنا کیسے ہے یہ کتابوں سے حاصل نہیں ہو گا اس کے لیے صاحبانِ علم و حکمت کی بارگاہ میں حاضری ضروری ہے؛ مدرس خود کو حرفِ آخر سمجھنے کے بجائے صرف ایک حرف سمجھے؛ کیونکہ حرفِ آخر کے بعد کتاب ختم ہو جاتی ہے اسی طرح جو خود کو حرفِ آخر سمجھتا ہے کبھی آگے نہیں بڑھ سکتا کہ اس نے اپنی انتہا خود مقرر کر لی اور اپنے ہاتھوں سے ترقی کا گلا گھونٹ دیا! داعی حرفِ آخر نہیں ہوتا صرف ایک حرف ہوتا ہے جو دیگر حروف سے مل کر جملہ اور جملے سے مل کر مضمون اور مضامین سے کتابِ حیات مرتب کرتا ہے! لہٰذا خود کو ایک محتاج حرف سمجھتے ہوئے اساتذہ کی طرف رجوع کرے ان کے سامنے اپنی محنت سے کی گئی تیاری پر تبادلۂ خیال کرے وہ جو مشورے دیں اس پر عمل کرے اور اس طرح مشاورت کا سلسلہ اس وقت تک جاری رکھے جب تک وہ اپنے اعتماد کا اظہار نہیں کر دیتے۔

10- حتمی ترتیب:

مدرس اپنے درس کی تیاری مکمل کرنے اور ماہرین کو چیک کروانے کے بعد اس تمام تر معلومات کو اپنے ذوق کے مطابق اس طرح نمبروار مرتب کرے کہ ان کا باہمی ربط منطقی اِمتِزاج اور بہترین اُسلوب کا آئینہ دار ہو۔

اپنی اس پختہ تیاری کے بعد اسے کم از کم دو مرتبہ پڑھے اس ترتیب کا خاکہ اپنے ذہن نشین کرنے کے بعد اوپر بیان کیے گئے درسِ قرآن کے اُصول وضوابط کے مطابق درس دینے کی سعادت حاصل کرے۔

درسِ حدیث

درسِ حدیث کا طریقہ اس کے اصول وضوابط، مدرس کی راہ نمائی، تیاری کا طریقہ وغیرہ سب کچھ معمولی تبدیلی کے ساتھ بالکل وہی ہے جو درسِ قرآن کے تحت بیان کیا گیا؛ بس درسِ حدیث دیتے ہوئے مدرس درست شروحات کو پیشِ نظر رکھے مثلاً شروحاتِ بخاری، فیض القدیر اور اردو میں نُزہۃ القاری، مِراٰۃ المناجیح، فیضانِ ریاض الصالحین وغیرہ۔

www.dawateislami.net

مشقی و عملی سوالات

1←آپ کی نظر میں درسِ قرآن کی کیا اہمیت ہے؟
2←درسِ قرآن اور تقریر میں کیا فرق ہے؟
3←مدرس کے پیشِ نظر کیا مقاصد ہونے چاہئیں؟
4←درسِ قرآن کے اصول و ضوابط خاکے کی صورت میں پیش کیجیے۔
5←مکی اور مدنی سورتوں کا درس دیتے وقت کن چیزوں کو پیشِ نظر رکھنا ہو گا؟
6←سبق میں موجود مدرسِ قرآن کے لیے دی گئیں ہدایات کا خلاصہ بیان کیجیے۔
7←درسِ قرآن کے عناصر بتائیے اور کوئی سے تین عناصر پر مختصراً نوٹ لکھیے۔
8←قرآن حکیم سے مترادف، مفرد اور مشتبہ کلمات کی کم از کم دو دو مثالیں دیجیے۔
9←آیات کی تفسیر میں کن چیزوں سے مدد لی جا سکتی ہے؟ قدرے تفصیل سے بیان کیجیے۔
10←افلا یتدبرون القرآن کا کیا مطلب بیان کیا گیا ہے؟
11←تفسیر بالرائے سے کیا مراد ہے اور اس کا کیا حکم ہے؟
12←موضوعاتی درس کے طریقے پر سبق کی روشنی میں دس نِکات تحریر کیجیے۔
13←سبق میں بیان کی گئی ہدایات کی روشنی میں اپنی کلاس میں درسِ قرآن دیجیے۔

www.dawateislami.net

تیسرا باب

ترغیبات کے بارے میں

نامعلوم کو معلوم کرنے، غیر محسوس کو سمجھنے اور مشکل کو آسان کرنے کے لیے بہترین چیز "مثال" ہے؛ اعلیٰ تعلیم یافتہ یا کم پڑھے لکھے شخص کو سمجھانے کا سب سے آسان طریقہ مثال کے ذریعے سمجھانا ہے، کیونکہ مثال کے ذریعے مضمون پوری طرح دل میں اتر جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ہر شخص اپنے شعبہ کی پیچیدہ یا اہم چیزیں مثالوں کے پیالوں میں ڈال کر پیش کرتا ہے اور سامنے والا بلا جھجک اسے قبول کرلیتا ہے۔

داعی اور مبلغ کا واسطہ کسی بھی سطح کے شخص سے پڑ سکتا ہے لہٰذا ذیل میں ایسی وسیع مفہوم مثالیں "ترغیب" کے عنوان کے تحت بیان کی جارہی ہیں جن سے ایک ذہین مبلغ کئی درس اخذ کر کے بیان کر سکتا ہے۔ اگرچہ ہر مثال کے تحت درس بیان کیا گیا ہے لیکن ضروری نہیں کہ وہ مثال اسی درس تک محدود رہے بلکہ مبلغ کو چاہیے غور و فکر کرے، اپنی قابلیت کے مطابق درس سوچے اور کسی بھی سنی عالم سے راہ نمائی کے بعد بیان کردے۔

(1) مقصد کی اہمیت

پانی میں لکڑی بھی تیرتی ہے اور انسان بھی؛ مگر دونوں کے تیرنے میں فرق ہے کہ لکڑی کی کوئی منزل یا مقصد نہیں ہوتا؛ اسی لیے وہ ادھر اُدھر منڈلاتی رہتی ہے لیکن انسان کے تیرنے کا ایک مقصد ہوتا ہے کہ اسے اپنا ہدف پورا کرنا ہے اور اپنی منزل تک پہنچنا ہے اسی لیے وہ خود کو پانی کی موجوں کے حوالے نہیں کرتا بلکہ وہ کوشش کرتا ہے اور ایک مخصوص سمت پر تیر رہا ہوتا ہے! اگر وہ اپنے مقصد کو حاصل کرنے کی کوشش نہ کرے اور خود کو پانی کی لہروں کے حوالے کردے تو سمندر کی موجیں یا دریا کا بہاؤ اس کو لے ڈوبے گا اور یہ بے مقصد شخص موت کا شکار ہو کر زندگی فنا کر بیٹھے گا!

اسی طرح دنیا کے اس سمندرِ حیات میں جینے والے انسان کے لیے بھی اپنے مقصد اور منزل کا تعین کرنا ضروری ہے اگر یہ بے مقصد زندگی بسر کرے گا تو زندگی کی خوبصورت اور رنگین نظر آنے والی نہایت بے وفا موجیں اسے لے ڈوبیں گی اور بظاہر زندہ نظر آنے والا یہ شخص حقیقت میں مردہ زندگی گزار رہا ہو گا کیونکہ زندگی اسی وقت بامعنیٰ بنتی ہے جب اس کا مقصد اور منزل معین ہو ورنہ مقصد کے بغیر زندگی زندگی نہیں درندگی ہے!

اے عزت و شرف کا تاج سر پر سجانے والو! اپنا مقصد معین کرو کہ اچھا کھانے پینے اور بہترین پہننے اوڑھنے کے باوجود بے مقصد زندگی گزارنے والا اس حلال جانور سے بھی گیا گزرا ہے جو روکھی سوکھی کھانے کے بعد بھی انسانوں کو اپنے گوشت اور دودھ کے ذریعہ نفع پہنچا جاتا ہے!

(2) مقصد کی اہمیت

جس شخص کی زندگی کا کوئی مقصد نہ ہو وہ اس مسافر کی طرح ہے جو اپنی منزل مقرر کیے بغیر راستے پر چل پڑے اسے نہ تو منزل تک پہنچنے کی پرواہو نہ سفر کا مقصد معلوم ہو لیکن اسے سفر کرنے کا شوق ستاتا رہے تو یقیناً وہ شخص راستے میں آنے والی تکلیفوں اور مصیبتوں سے بہت جلد بیزار ہو جائے گا کیونکہ وہ اس جوہر سے محروم ہے جو سفر میں آنے والی دشواریوں کا سامنا کرنے میں مدد دیتا ہے اور وہ ہے ”مقصد اور منزل کی تعیین“۔

اللہ کی مخلوق میں سب سے زیادہ بزرگی والو! اپنے مقصد کی تعیین کرو ورنہ زندگی کی شاہراہ پر چلنا مشکل ہو جائے گا اور معمولی نشیب و فراز بھی تمہیں تھکا دیں گے اور شیطان تمہیں مایوسی کے دلدل میں دھکیل دے گا۔

(3) مقصد کی اہمیت

با مقصد زندگی گزارنے والا شخص اس ریل گاڑی کی طرح ہے جو عارضی طور پر راہ میں حائل ہونے والی رکاوٹیں، پستی و بلندی، خشکی و تری، سرسبز کھیت اور لہلہاتے باغات میں الجھ کر نہیں رکتی بلکہ ان رکاوٹوں کو پیچھے چھوڑتی ہوئی اپنی منزل کی جانب رواں دواں رہتی ہے اور اپنی منزل پر پہنچنا ہی اس کا اصل مقصد ہوتا ہے۔ ایک با مقصد شخص بھی دنیا کی عارضی رنگینیوں میں الجھ کر اپنے مقصد سے منہ نہیں موڑتا بلکہ اپنی توجہ اس کی جانب رکھتا ہے جو اس نے معین کیا ہوتا ہے بلکہ اپنے اس مقصد کے حصول کی خاطر وہ شاہراہِ حیات میں آنے والی ہر مشکلات اور پریشانیوں کا بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ مقابلہ کرتا ہے اور جب وہ اپنی منزل پر پہنچتا ہے تو عزت و شان کے سائے میں کامیابی اس کے قدم چومتی ہے۔

اے محبوبِ خدا کے امتیو! اپنی زندگی کے مقصد کو سمجھو اور اسے حاصل کرنے کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا دو تم دیکھو گے مقصد کو حاصل کرنے کے لیے کی گئی تھوڑی سی کوشش بھی تمہیں بڑی کامیابیاں دلوا دے گی۔

یاد رکھیے! بحیثیت انسان ہر شخص کی زندگی کا بنیادی مقصد اللہ تعالیٰ کی عبادت اور معرفت ہے اسی کے لیے انسان کو پیدا کیا گیا ہے اور یہ بات حقیقت ہے جو بھی اپنی اس پیدائش کے مقصد کو پورا کرنے کی تگ و دو میں لگا وہ دنیا و آخرت میں سرخ روئی سے ہمکنار ہوا۔ لہٰذا ہر ایک اپنی زندگی کے اس مقصد کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھے۔

(4) روایت اور حقیقت

ایک شخص کسی گاؤں میں مہمان ٹھہرا، گاؤں والوں نے اس کی بڑی خاطر مدارت کی، اس کے سامنے طرح

www.dawateislami.net

طرح کے عمدہ اور لذیذ کھانوں کا دستر خوان سجایا گیا؛ وہ ان کھانوں کو دیکھ کر خوش ہو رہا تھا کہ اچانک اس کی نظر دستر خوان پر رکھے ایک برتن پر پڑی جس میں ایک مضبوط ڈنڈا رکھا ہوا تھا! وہ بڑا خوف زدہ ہوا اور اس کے ذہن میں عجیب و غریب خدشات ابھرنے لگے کہ نہ جانے یہ کھانے کے ساتھ ڈنڈا کیوں رکھا گیا ہے؟ اس پریشانی میں وہ کھانا بھی اچھی طرح نہ کھا سکا۔ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد دیر تک وہ یہی سوچتا رہا کہ پتا نہیں اب میرے ساتھ کیا ہونے والا ہے! گھبراہٹ کے مارے اس سے رہا نہ گیا تو اس نے میزبان سے پوچھ ہی لیا کہ ”آخر یہ دستر خوان پر ڈنڈا کیوں رکھا ہے؟“ گاؤں والوں نے بتایا کہ ”ہمیں اس کی وجہ تو نہیں معلوم، ہاں! یہ ہماری روایت ہے کہ مہمان کے سامنے کھانے کے ساتھ ڈنڈا بھی رکھتے ہیں!“ اس بات سے مہمان بڑا حیران ہوا اور اس عجیب روایت کی حقیقت تک پہنچنے کی ٹھان لی؛ اسے کسی نے بتایا کہ گاؤں میں ایک بوڑھا رہتا ہے جو یہاں کا بہت پرانا رہائشی ہے، آپ اس سے معلومات کیجیے ہو سکتا ہے اس سے کچھ معلوم ہو جائے۔ حقیقت جاننے کی کوشش میں وہ مہمان شخص اس بوڑھے آدمی کے پاس جا پہنچا اور اسے مہمان نوازی کا سارا حال کہہ سنایا۔ اس بوڑھے آدمی نے یہ تفصیل سننے کے بعد بتایا: ”روایت کی حقیقت معلوم نہ ہونے کی وجہ سے ان لوگوں نے اصل روایت کی شکل ہی بدل ڈالی ہے؛ دراصل روایت یہ تھی کہ گاؤں میں جو مہمان ٹھہرتا تھا ہمارے آبا و اجداد اس کے سامنے کھانے کے ساتھ ایک برتن میں دانت خلال کرنے کے لیے تنکے بھی رکھتے تھے، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ تنکا لکڑی سے اور لکڑی ڈنڈے سے بدل گئی ہے!

اے دینِ اسلام کے دامن میں پناہ لینے والے خوش نصیبو! دنیا میں بسنے والے سطحی سوچ کے حامل افراد کی سطحی ذہنیت کو بیان کرنے والی اس فرضی حکایت سے معلوم ہوا: جب انسان غور و فکر کی عادت چھوڑ دے تو اس کے خیالات بے وقوفانہ رسم و رواج تک محدود ہو کر رہ جاتے ہیں اور حقیقت تک رسائی کے لیے آزاد نہیں ہوتے لہٰذا ہمیں اپنے ذہن کو رسم و رواج تک محدود کرنے کے بجائے حقیقت شناسی کے لیے کھلا رکھنا چاہیے۔

کم نصیبی ہی کہیے کہ ہمارے معاشرے میں بھی بہت سے لوگ لکیر کے فقیر ہیں، انہیں حقیقت سے کوئی سروکار نہیں ہوتا بلکہ وہ خاندانی یا علاقائی رسموں کو ہی حقیقت سمجھ بیٹھتے ہیں، ایسے لوگ رسم و روایات سے اوپر اٹھ کر نہیں سوچتے، حتّٰی کہ انہیں کسی غلط کام پر تنبیہ کی جائے تو حقیقت کو تسلیم کرنے کے بجائے اس غلطی کو رسم و رواج کا نام دے کر ڈٹے رہتے ہیں، حالانکہ یہ روش بعض اوقات بہت زیادہ نقصان دہ ثابت ہوتی ہے اور حق کو قبول کرنے میں بھی رکاوٹ بن جاتی ہے۔

www.dawateislami.net

(5) عمل میں اخلاص

ایک جاندار کے جسم کا گھٹنا بڑھنا، پھلنا پھول یا ترو تازہ رہنا روح کا محتاج ہے یہی وجہ ہے کہ جب روح جسم سے جدا ہو جاتی ہے تو اس کے پھلنے پھولنے کی صلاحیت ختم ہو جاتی ہے، اس کی ترو تازگی بوسیدگی میں بدل جاتی ہے اور لمبا تڑنگا جسم مٹی میں ملنے کے قابل رہ جاتا ہے! بالکل یہی حال عبادت اور اخلاص کا ہے؛عبادت جسم کی طرح ہے اور اخلاص روح کی مانند؛پس بغیر اخلاص کے کیا جانے والا کوئی بھی عمل مردہ اور بے فیض جسم کی مثل ہے۔

اے خدا کی بندگی کا شرف پانے والے خوش نصیبو! اپنی ہر عبادت کو اخلاص کی روح سے آباد رکھو کہ ریاکاری کے ساتھ کی گئی عبادت منہ پر ماردی جائیگی!

دل میں ریاکاری کی نیت کر کے کیے جانے والے عمل پر کتنی ہی قلعی کر دی جائے وہ کسی کام نہیں آئے گا؛ہو سکتا ہے وقتی طور پر کچھ نہ کچھ فائدہ ہو جائے مگر کہیں نہ کہیں کسی نہ کسی صورت میں اس ریاکاری کا خمیازہ ضرور بھگتنا پڑے گا۔

یادرکھیے! اخلاص کا تعلق صرف عبادت سے ہی نہیں ہے بلکہ کردار سے لے کر گفتار تک ہر عمل میں فائدہ اٹھانے کے لیے اخلاص ضروری ہے۔

(6) گفتگو میں اخلاص

دودھ کی قدر و قیمت مکھن سے ہوتی ہے، اگر دودھ سے مکھن نکال لیا جائے تو باقی ماندہ شی اگرچہ شکل و صورت میں دودھ جیسی ہی لگتی ہے لیکن بازار میں اس کی کوئی قیمت نہیں ہوتی! گفتگو میں اخلاص کی مثال بھی مکھن ہی کی طرح ہے کہ بغیر اخلاص کے بولے گئے اچھے اچھے الفاظ بھی رب کی بارگاہ میں کوئی قدر و قیمت نہیں رکھتے۔ اخلاص سے خالی اور تکلف کے ساتھ کیے گئے فصیح و بلیغ کلام میں وہ اثر نہیں ہوتا جو اخلاص کے ساتھ ادا ہونے والے سادہ جملوں میں ہوتا ہے۔

اے قوت گویائی کی نعمت پانے والو! اپنے قول و فعل کی حفاظت کرو اور اپنے کہے کا مان رکھتے ہوئے اس پر بھرپور عمل کی کوشش کرتے رہو کیونکہ یہی گفتگو کا اخلاص ہے اگر گفتگو اخلاص سے خالی ہوئی تو قول و فعل کا تضاد باتوں کو بے اثر بنادے گا۔

(7) دل کی اصلاح

ناپاکی دو طرح کی ہوتی ہے؛ ظاہری اور باطنی۔ ظاہری ناپاکی وہ ہے جو بدن کو آلودہ کر دے، اور باطنی ناپاکی وہ ہے جو دل کو خراب کر دے۔ بدن کی ناپاکی پانی سے دور ہو جاتی ہے لیکن دل کی ناپاکی دور کرنے کے لیے آنسوؤں کی

ضرورت پڑتی ہے۔ ہمارے پاکیزہ دین نے ظاہری ٹیپ ٹاپ پر دل کی پاکیزگی کو ترجیح دی ہے کیونکہ انسان کا دل ہی اللہ پاک کی نگاہِ رحمت کا مرکز ہے جیسا کہ حدیث پاک میں فرمایا گیا: بیشک اللہ تمہارے چہرے اور تمہارے مال کی طرف نہیں دیکھتا، بلکہ وہ تمہارے دل اور اعمال کو دیکھتا ہے۔[1] پیارے آقا صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم یوں دعا فرماتے: اے اللہ! اے دلوں کو الٹ پلٹ کرنے والے! میرے دل کو اپنے دین پر ثابت رکھ۔[2]

اپنے جسم کو نجاست سے محفوظ رکھنے والو! ظاہر کے ساتھ ساتھ باطن کی اصلاح اور طہارت پر بھی توجہ دیجیے کہ دل وہ سردار ہے تمام اعضاء جس کے تابع ہیں اگر یہ درست ہوا تو پورا بدن درست رہے گا اگر اس میں بگاڑ آگیا تو پورا جسم بگڑ جائے گا۔ حدیث پاک میں ذکر کردہ دُعا کثرت سے مانگتے رہیں تاکہ اس کی برکت سے دل درست رہے۔

(8) دلوں کی حیات

انسان کی ظاہری زندگی جسم اور روح کا مجموعہ ہے مگر اس کی حقیقی اور دائمی حیات دل کی زندگی سے وابستہ ہے۔ قرآن کریم نے جیتے جاگتے غیر مسلموں کو مردہ کہا، کیونکہ ان کے دل مردہ تھے اور شہادت پانے والے زندہ دل مؤمنوں کو نہ صرف زندہ کہا بلکہ انہیں مردہ کہنے سے بھی منع فرمادیا۔ الغرض صاف دل کا مالک ہونا اسلام کے محاسن میں سے ہے۔

دلوں کو نورِ ایمان سے چمکانے والو! صاحبِ ایمان ہونے پر اللہ پاک کا شکر ادا کرتے رہیے کہ آپ کو دل کی دائمی حیات کا ذریعہ نصیب ہوا ہے اس کے ساتھ ساتھ دل میں چمکنے والے نورِ ایمان کو گناہوں کے اندھیروں سے ہرگز کمزور نہ ہونے دیجیے بلکہ ہمیشہ دل کی اصلاح کی کوشش کرتے رہیے اور یہ اسی وقت ممکن ہے کہ جب جھوٹ، غیبت، چغلی، وعدہ خلافی اور ایذا رسانی جیسے دلوں کو میلا کرنے والے اعمال سے خود کو بچاتے ہوئے اخلاقِ حسنہ کو اپنا لیا جائے کہ اس کی برکت سے دل میں چمکتی ایمان کی روشنی مزید اضافہ کا سبب ہوگی۔

(9) مشورہ کی اہمیت

کچے دھاگے سے کوئی مضبوط کام نہیں ہو سکتا، لیکن بہت سے دھاگوں کو یکجا کر دیا جائے تو وہ مضبوط رسی بن جاتے ہیں۔ مشورہ بھی اسی طرح ہے کہ ایک آدمی کی کمزور رائے کی بنیاد پر مضبوط کام نہیں کیا جاسکتا، مگر جب چند

1 ...... مسلم، کتاب البر والصلۃ والآداب، باب تحریم ظلم المسلم ... الخ، ص1064، حدیث:2564۔

2 ...... ترمذی، کتاب الدعوات، (ت:۱۳۰)، 5/339، حدیث:3598۔

www.dawateislami.net

آرا مل جائیں تو ایک واضح چیز سامنے آجاتی ہے کیونکہ چند لوگوں کے مختلف مشورے اس مضبوط رسی کی طرح ہو جاتے ہیں جس سے بھاری چیزوں کو بھی باندھا جا سکتا ہے۔

اے دینِ اسلام کی تعلیم سے سرفراز ہونے والو! ہر کام مشورے کے بعد سر انجام دینے کی کوشش کیجیے کیونکہ مشورے کے بعد کیا جانے والا کام بالفرض پورا نہ بھی ہو یا اس کے مطلوبہ نتائج حاصل نہ ہو سکیں تب بھی کسی شخص کو ملامت نہیں کیا جا سکتا کہ مشورہ دینے والے کام کرنے والے کے ساتھ ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس اگر کوئی مشورے کے بغیر محض خود کو ہی کچھ سمجھتے ہوئے اپنی اٹکل سے کوئی کام کرے اور اس میں ناکام ہو جائے تو نقصان کے ساتھ ساتھ اس کا مذاق بھی بن جاتا ہے اور کوئی بھی اس کی مدد کے لیے نہیں کھڑا ہوتا کہ دوسرے کے کیے کی سزا کوئی اور کیوں بھگتے؟ مشورے کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے کیجیے کہ قرآن کریم کی ایک سورت کا نام ہی اس عنوان پر ہے یعنی ”سورۂ شوریٰ“ اس سورت میں مسلمانوں کو مختلف معاملات میں مشورہ کرنے کی تعلیم دی گئی۔

(10) اچھی بری صحبت کے اثرات!

اچھے برے دوست کی مثال عطر بیچنے والے اور بھٹی دھونکنے والے کی ہے؛ عطر فروش یا تو خود ہی خوشبو لگا دیتا ہے یا اس سے عطر خرید لیا جاتا ہے ورنہ اس کے پاس سے کم از کم اچھی خوشبو تو ضرر آتی ہے جبکہ بھٹی دھونکنے والا اپنے پاس کھڑے ہونے والے کے یا تو کپڑے جلا دے گا ورنہ کم از کم اس کے پاس سے سخت بو آئے گی۔

پیارے نبی کے خوش نصیب امتیو! اپنی صحبتیں اور دوستیاں اچھے اور با اخلاق لوگوں سے رکھیے کیونکہ یہ ایک ناقابلِ فراموش حقیقت ہے کہ انسان کی طبیعت صحبت کا اثر قبول کرتی ہے؛ چوروں کے ساتھ رہنے والا چور بن جاتا اور نیکوں کی صحبت میں رہنے والا نیک بن جاتا ہے۔ لہٰذا اچھے لوگوں سے دوستیاں کیجیے تا کہ ان کی موجودگی آپ کی طبیعت پر اچھا اثر ڈالے، اگر آپ کی دوستیاں اچھی نہیں ہیں تو یقین کیجیے بہت جلد آپ کے اخلاق میں بگاڑ آجائے گا، جس طرح بھٹی کے پاس کھڑا رہنے والا شخص گندی بو اور شعلوں کی تپش کا عادی ہو جاتا ہے اسی طرح بری صحبت کے تکلیف دہ شعلے آپ کے اخلاق کو تباہ کر دیں گے اور اس کی خبر بھی نہیں ہو گی۔

(11) بدگمانی شرمندگی بن گئی!

ایک مارکیٹ میں لائن سے دودھ، گوشت اور میڈیکل والے کی دکانیں تھیں؛ ایک مستحق شخص جب بھی دودھ

www.dawateislami.net

والے کی دکان پر آتا تو دودھ والا اسے دودھ مفت دے دیتا، گوشت کی دکان پر آتا تو گوشت مفت مل جاتا، لیکن میڈیکل اسٹور والا ایک گولی بھی اسے مفت میں نہ دیتا تھا! اس شخص کو میڈیکل والے پر بڑا غصہ آتا کہ ”یہ بہت کنجوس ہے میری مدد نہیں کرتا۔“ اچانک میڈیکل اسٹور والے کا انتقال ہو گیا اور اب وہ مستحق شخص دودھ اور گوشت کی دکان پر گیا تو انہوں نے اسے مفت چیزیں دینے سے انکار کر دیا! یہ پریشان ہوا اور اس تبدیلی کی وجہ پوچھی تو بتایا گیا: تمہیں سامان مفت میں نہیں ملتا تھا، بلکہ میڈیکل اسٹور والا تمہارے سامان کے پیسے دے دیا کرتا تھا اور وہ خود اس لیے تمہیں مفت میں سامان نہیں دیتا تھا تاکہ تم اس کے سامنے شرمندگی محسوس نہ کرو؛ وہ تمہاری عزتِ نفس اور اپنی نیکی کی حفاظت کرنا چاہتا تھا۔

اے خدا کی رضا پر راضی رہنے والو! جو چیز جیسی نظر آتی ہے ضروری نہیں وہ حقیقت میں بھی ویسی ہی ہو۔ بسا اوقات ہم کسی کا ظاہر دیکھ کر اس کے متعلق غلط رائے قائم کر لیتے ہیں یا کسی سے خواہ مخواہ متاثر ہو کر توقعات وابستہ کر بیٹھتے ہیں اور جب حقیقت سامنے آتی ہے تو بعض اوقات شرمندگی کا سامنا کرنا پڑتا ہے یا عزتِ نفس کو ٹھیس لگنے کی وجہ سے رشتے خراب کر بیٹھتے ہیں، دوریاں بڑھ جاتی ہیں اور محبتیں نفرت میں بدل جاتی ہیں، لہٰذا کسی کے لیے بھی اپنی طرف سے کوئی رائے قائم کرنے یا توقعات وابستہ کرنے سے پہلے اس کی پہچان کر لینی چاہیے۔

(12) مفاد پرستی کی تباہی

بادشاہ نے اپنے وزیر سے کہا کہ ”اگر بادشاہت ہمیشہ رہتی تو کتنا اچھا ہوتا!“ وزیر نے جواب دیا کہ عالی جاہ! آپ نے بالکل درست کہا، لیکن اگر بادشاہت ہمیشہ رہتی تو آپ ابھی باشاہ کیوں ہوتے؟

اے زندگی کا سکون تلاش کرنے والو! مفاد پرستی انسان کی عقل پر پردہ ڈال دیتی ہے اور نہایت واضح اور عام سی بات بھی اچھے خاص آدمی کی عقل میں نہیں آتی اور مفاد پرست انسان یہ بھول جاتا ہے کہ اس کے علاوہ بھی لوگ ہیں جو اسی دنیا میں رہتے ہیں! اس بادشاہ نے صرف اپنی ذات تک محدود رہ کر سوچا کہ اگر بادشاہت ہمیشہ رہتی تو میں ہمیشہ بادشاہ رہتا لیکن اس کی عقل میں یہ بات نہیں آئی کہ اگر بادشاہت ہمیشہ رہتی تو وہ خود بادشاہ کیسے بنتا؟ کیونکہ جو دنیا کا پہلا بادشاہ ہوتا اسی کی بادشاہت ہمیشہ قائم رہتی!

انسان کو چاہیے اپنی سوچ کا دائرہ وسیع کرے کہ زندگی کی اس کشتی میں وہ اکیلا ہی سوار نہیں ہے اور بھی لوگ ہیں جو اس کے ساتھ شریکِ سفر ہیں، اگر اپنے ساتھ دیگر مسافروں کا خیال نہیں کیا تو سفر مشکل ہو جائے گا۔

(13) اسلام کے سفیر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے صحابہ کِرام سے فرمایا: اللہ نے مجھے تمام لوگوں کے لیے رسول بنا کر بھیجا ہے لہٰذا تم لوگ اختلاف میں نہ پڑو بلکہ (مختلف ممالک اور شہروں میں جاکر) لوگوں تک میرا پیغام پہنچادو۔[1]

تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی وفات ظاہری کے وقت صحابہ کِرام کی تعداد ایک لاکھ سے زیادہ تھی[2] لیکن حجاز مُقدَّس میں بہت کم صحابہ کِرام کے مزارات بنے کیونکہ یہ حضرات نیکی کی دعوت اور تبلیغِ دین کے لیے عرب سے نکل کر بیرون ممالک میں پھیل گئے وہاں اسلامی اصولوں کی روشنی میں تجارت کرتے اور محنت مزدوری سے روزی کماتے اور پیارے آقا صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی طرف سے دی گئی ذمہ داری نیکی کی دعوت کو عام کرتے یوں ہر شخص اسلام کا سفیر بن گیا تھا۔

اے پیارے نبی کے خوش نصیب امتیو! آج دنیا کے کونے کونے میں مسلمان پھیلے ہوئے ہیں کوئی تجارت کی غرض سے دنیا کے کسی ملک میں موجود ہے تو کوئی تعلیم کے حصول کے لیے بیرون ملک گیا ہوا ہے، اگر یہ سارے مسلمان سفیرِ اسلام اور مبلغ کی حیثیت سے نیکی کی دعوت کو عام کرنے لگ جائیں تو ایک بار پھر اسلام کی عالمی اشاعت اسی طرح شروع ہو جائے گی جس طرح دورِ اول میں ہوئی تھی؛ یوں مسلمان کا تعلیمی اور تجارتی سفر نیکی کی دعوت کا سفر بن جائے گا جو آخرت میں ان کی سرخ روئی کا باعث ہو گا۔

(14) قوم کے راہ نما

ایک عورت نے مسلمانوں کے پہلے خلیفہ امیر المؤمنین حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے پوچھا: دین کا معاملہ کب تک درست رہے گا؟ آپ نے جواب دیا: بَقَاؤُكُمْ عَلَيْهِ مَا اسْتَقَامَتْ بِكُمْ أَئِمَّتُكُمْ تمہارے دینی معاملات اس وقت تک درست رہیں گے جب تک تمہارے بڑے درست رہیں گے۔[3]

مسلمانوں کی قیادت سنبھالنے والو! کسی بھی قوم کی عملی زندگی میں ان کے راہ نما، ذمہ دار اور نگران کا کردار بے حد اہمیت کا حامل ہوتا ہے لہٰذا ذمہ دار کو چاہیے ہمیشہ سنجیدگی کا دامن تھامے رہے اور جرأت و بہادری کے ساتھ خوب اطمینان کے بعد کوئی فیصلہ کرے؛ اگر اس نے قوم کو غلط راہ پر ڈال دیا تو اس کے بعد جو تباہی ہو گی اس کی تمام ذمہ داری اسی کے سر ہو گی۔

❖

1 ...... الروض الانف، ارسال رسول اللہ الی الملوک، 4/394۔ 2 ...... الاصابۃ، مقدمۃ المصنف، 1/154۔

3 ...... بخاری، کتاب مناقب الانصار، باب ایام الجاہلیۃ، 2/569، حدیث: 3834۔

www.dawateislami.net

دریا میں تیرنے کے لیے وہی شخص اترتا ہے جسے تیراکی کا فن آتا ہے یوں ہی راہ نمائی کے میدان میں اسی شخص کو آنا چاہیے جو اس کی لیاقت رکھتا ہو مثلاً علمِ دین سے بخوبی آگاہ ہو، حالات حاضرہ کا گہرا مطالعہ کیا ہوا ہو، قوم کی ایمانی اور اخلاقی حالت کا صحیح اندازہ رکھتا ہو، عالمی قوتوں سے واقف ہو اور جس میدان میں راہ نمائی کے لیے اتر رہا ہے اس کے تمام ضروری، ظاہری اور پوشیدہ پہلوؤں سے واقف ہو اس کے بغیر اس میدان میں قدم رکھنا جرم سے کم نہیں۔

(15) تقویٰ کیا ہے؟

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تقویٰ کیا ہے؟ انہوں نے جواب میں سُوال فرمایا کہ کیا آپ کبھی ایسے راستے پر نہیں چلے جہاں کانٹے ہوں؟ حضرت عمر نے فرمایا ہاں میں ایسے راستے پر چلا ہوں۔ انہوں نے پوچھا اس پر چلتے ہوئے آپ نے کیا کیا؟ حضرت عمر نے فرمایا: میں نے دامن سمیٹ لیا اور بچتے ہوئے اس راستے سے نکل گیا، حضرت ابی بن کعب نے جواب دیا: پس یہی تو تقویٰ ہے۔[1]

اے فلاح و نجات کی خواہش رکھنے والو! پیارے نبی کے پیارے صحابی حضرت ابی بن کعب نے کس قدر خوبصورتی سے تقویٰ کی تعریف بیان فرمائی کہ راستہ میں رکاوٹ بننے والے کانٹوں سے بچتے ہوئے نکل جانا ہی تقویٰ ہے، اور یقیناً جو ان کانٹوں سے بچ کر نکل گیا وہی دنیا و آخرت میں کامیاب ہے۔ درحقیقت کامیابی انسان کی طرف اپنے آپ بڑھ رہی ہے لیکن انسان راستے میں پڑے نفسانی خواہشات کے کانٹوں میں الجھ کر اصل راہ سے ہی منہ موڑ لیتا ہے اور کبھی بھی منزل تک نہیں پہنچ پاتا۔

فائدے اور کامیابی کا معاملہ بالکل وہی ہے جو سورج کا معاملہ ہے؛ سورج کی روشنی خود بخود ہر شخص تک اپنی بے پناہ مقدار میں پہنچ رہی ہوتی ہے آدمی کا کام بس اتنا ہے کہ وہ اپنے اور سورج کے درمیان کسی قسم کی رکاوٹ نہ آنے دے، اسی طرح دنیا اور آخرت کی کامیابی کے لیے بھی اس کو صرف یہ کرنا ہے کہ وہ ان چیزوں سے بچے جو اس تک پہنچنے والی کامیابی کی راہوں میں رکاوٹ بن سکتی ہوں اگر اس نے ایسا کر لیا تو اسے کامیاب ہونے سے کوئی نہیں روک سکتا۔

(16) اصلاحی سوچ

ایک بادشاہ نے سڑک بنوائی اور کہا کہ لوگ اس پر دوڑیں پھر مجھے اس کی خوبیاں و خامیاں بتائیں؛ بادشاہ سڑک کے کنارے کرسی لگا کر بیٹھ گیا اور لوگ سڑک پر دوڑ نکلے! تھوڑی دیر میں لوگوں نے بادشاہ کے پاس پہنچ کر سڑک کی تعریف

---

1 ...... تفسیر ابن کثیر، پ1، البقرة، تحت الآیۃ:2، 1/ 75۔

www.dawateislami.net

کی مگر ساتھ یہ بھی بتایا کہ ایک جگہ کوڑا کرکٹ پڑا ہوا ہے اگر اسے ہٹا دیا جائے تو راستے کا حسن مکمل ہو جائے گا۔ آخر میں ایک شخص ہاتھ میں تھیلی لیے بادشاہ کے پاس پہنچا اور کہا: "حضور معاف فرمائیے! میں بھی جلدی پہنچ جاتا مگر مجھے سڑک پر کوڑا کرکٹ نظر آیا میں اسے ہٹانے لگا تو دیکھا اس میں سونے کے سکوں سے بھری یہ تھیلی پڑی ہے!" بادشاہ نے پوچھا: سب کی نظر اس کوڑا کرکٹ پر پڑی مگر کسی نے بھی اسے ہٹانے کی کوشش نہیں کی بلکہ مجھے آکر اسے صاف کروانے کا مشورہ دے دیا، لیکن تم نے ایسا کیوں نہیں؟ اس نے جواب دیا: "جب میں نے اس عالیشان سڑک پر کوڑا کرکٹ دیکھا جو اس کی خوبصورتی خراب کر رہا تھا اور آنے جانے والوں کو بھی تکلیف ہو رہی تھی تو میں نے سوچا کیوں نہ میں اس کوڑے کو ہٹا دوں؛ اس طرح سڑک کی خوبصورتی بھی بڑھ جائے گی اور چلنے والوں کو بھی پریشانی نہیں ہو گی۔" یہ سن کر بادشاہ بے حد خوش ہوا اور کہا: یہ کوڑا کرکٹ اور اس میں سونے کے سکوں سے بھری تھیلی میں نے ہی رکھوائی تھی تاکہ دیکھ سکوں کہ کون صرف زبانی کلامی اصلاح کرتا ہے اور کون عملی میدان میں اترتا ہے۔ تم اس امتحان میں کامیاب ہوئے اور یہ تھیلی تمہارا انعام ہے!

اے لوگوں کی اصلاح کی خواہش کرنے والو! اچھے معاشرے کی تشکیل کے لیے صرف زبانی کڑھن کا اظہار کافی نہیں ہے بلکہ اس معاملے میں عملی اقدام اٹھانے والا ہی لائقِ تحسین ہوتا ہے، ورنہ دنیا کا کوئی شخص ایسا نہیں ہے جو سیاہ کو سفید کہے، لیکن سیاہ کو رنگین کر دینے والا لائقِ تحسین سمجھا جائے گا نہ کہ صرف اس کی نشاندہی کرنے والا۔

معاشرے میں عموماً دو طرح کے لوگ ہوتے ہیں: ایک تنقیدی ذہن رکھنے والے اور دوسرے اصلاحی ذہن رکھنے والے۔ تنقیدی سوچ کے حامل افراد ہر کام میں روڑے اٹکاتے ہیں اور بے جا اعتراضات کرنا ان کا پسندیدہ مشغلہ ہوتا ہے یہ بے چارے اپنی عادت بد کی وجہ سے معاشرے میں بگاڑ اور فساد کا باعث بنتے ہیں ان کو کوئی بھی پسند نہیں کرتا نہ انہیں اپنے کسی معاملے میں شریک کرنے کا رسک لیتا ہے، لہٰذا یہ لوگ اپنی زندگی کے لیے خود تباہی کا باعث ہوتے ہیں اور آخرت کی رسوائی ان کا مقدر بن جاتی ہے۔ لہٰذا ہر شخص کے لیے ضروری ہے کہ وہ تنقیدی ذہن یا منفی سوچ رکھنے کے بجائے اصلاحی ذہن بنائے اور مثبت سوچ کا حامل بنے۔

(17) زندگی کی فصل

کسان ایک فصل لگاتا ہے اپنا سرمایہ اس کو سنوارنے کے لیے خرچ کر دیتا ہے اور اس پر خوب محنت کرتا ہے حتّٰی کہ وہ فصل تیار ہو جاتی ہے پھر وہ اس کو کاٹتا ہے تاکہ اس سے غلہ حاصل کرے اور اپنی زندگی کے لیے خوراک جمع کرے،

www.dawateislami.net

اگر اس نے فصل پر خوب محنت کی ہو اور بہترین بیج بوئے ہوں تو اس کی فصل بھی عمدہ اور زرخیز ہوتی ہے، اگر اس نے اچھا بیج نہ بویا یا اس پر محنت نہ کی تو اس کا سرمایہ ضائع ہو جاتا ہے اور اس کو وہ فصل نہیں ملتی جو اس کے لیے فائدے مند ہو۔ بالکل یہی حال انسان کی زندگی کا ہے اگر انسان اپنی زمینِ حیات پر نیک کاموں کے بیج بوئے اور خوب محنت کرے تو اس کی زندگی کی فصل بہترین ہو گی جب موت کے وقت اس کی فصل کٹے گی تو اس کو عمدہ پھل ملیں گے جو اس کی آخرت کی زندگی کے لیے بہترین سرمایہ ہے اور اگر وہ اپنی زمینِ حیات پر نیکی کا بیج نہ بوئے تو آخرت میں خائب و خاسر ہو گا۔

اے زمینِ حیات کے کسانو! اپنی زندگی میں خوب نیک کام کرو تاکہ آخرت میں اچھی فصل مل سکے اور جنتی نعمتوں کے عمدہ پھلوں سے لطف اندوز ہو سکو۔

(18) چھوٹی سی نیکی

ایک شخص نے اپنے بادشاہ کو اس کے انتقال کے بعد خواب میں دیکھا کہ وہ جنت کے باغوں میں گھوم پھر رہا ہے اور بہت اچھی حالت میں ہے، اس نے بادشاہ سے اس اچھی حالت کی وجہ پوچھی تو جواب دیا: مجھے اپنی کوئی نیکی تو یاد نہیں لیکن ایک مرتبہ میں نے یتیم کے پاؤں سے کانٹا نکالا تھا؛ اللہ پاک کو میری یہ نیکی پسند آگئی اور مجھے یہ مقام عطا کیا گیا۔

اے نعمت کی تمنا رکھنے والو! مخلوقِ خدا سے تکلیف دور کرنا اللہ کو بہت پسند ہے۔ لہٰذا کسی بھی نیکی کو چھوٹا سمجھ کر نہیں چھوڑنا چاہیے کہ بعض اوقات ایک چھوٹی سی نیکی بھی انسان کو آخرت میں بلند رتبہ ملنے کا سبب بن جاتی ہے۔ معمولی نیکی تھوڑے پانی کی طرح ہے جو شدید پیاسے کی جان بچالیتا ہے۔

(19) انسان کا سب سے بڑا مسئلہ

اگر کسی جگہ سُوال کیا جائے کہ انسان کا سب سے بڑا مسئلہ کیا ہے؟ تو مختلف لوگ اس کے مختلف جواب دیں گے؛ کوئی کہے گا کہ انسان کا سب سے بڑا مسئلہ اس کی معیشت ہے، کوئی کہے گا کہ انسان کا سب سے بڑا مسئلہ اس کی بڑھتی ہوئی آبادی ہے اور کوئی انسان کا سب سے بڑا مسئلہ زمینی پیداوار اور اس کی تقسیم کاری قرار دے گا، الغرض ہر کسی کے الگ الگ جواب ہوں گے۔ لوگوں کے ان مختلف جوابات کی وجوہات پر غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ انسان ابھی تک دوسرے انسان ہی کو نہیں سمجھ سکا بلکہ انسان آج خود کو بھی نہیں سمجھ سکا وہ اپنی حقیقت کو بھلا بیٹھا ہے وہ اس حقیقت سے غافل ہے کہ اسے ایک دن مرنا ہے اور مرنے کے بعد اپنے خالق و مالک کو زندگی بھر کا جواب دینا ہے۔

www.dawateislami.net

اگر انسان اس حقیقت کو پلے باندھ لے اور طرح طرح کی بحثوں میں الجھنے کے بجائے اپنی آخرت پر توجہ دے تو یہ ایک بامقصد اور رول ماڈل زندگی گزار کر آخرت کی بہترین تیاری کر سکتا ہے۔

اے رازِ حیات کی تلاش کرنے والو! اپنی زندگی غیر ضروری چیزوں میں الجھ کر گزانے کے بجائے آخرت سنوارتے ہوئے گزانے کی کوشش کرو کہ یہ فضول بحثیں آخرت داؤ پر لگانے کا سبب نہ بن جائیں۔

(20) تالا کیسے کھلے گا؟

ایک شخص بہت دیر سے تالا کھولنے کی کوشش کر رہا تھا مگر تالا کھلنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا اس کی کوشش جھنجلاہٹ میں بدل چکی تھی اس نے سوچا چابی تو میں بالکل اسی تالے کی لگا رہا ہوں یقیناً تالے کے اندر ہی کوئی خرابی ہے تبھی یہ نہیں کھل رہا، لہذا تالا توڑ دینا چاہیے! اس نے ہتھوڑا اٹھایا ہی تھا کہ اس کا دوست آگیا اس نے بتایا کہ میں نے تالا بدل دیا ہے اس کی چابی دینا بھول گیا بہت بہت معذرت! جب وہ نئی چابی تالے میں لگائی گئی تو تالا کھل گیا!

اے کامیابیوں کے پہاڑ سر کرنے کی خواہش رکھنے والو! جب زمانہ بدلتا ہے تو بعض لوگوں کا حال بھی پرانی چابی سے نیا تالا کھولنے والے شخص کی طرح ہو جاتا ہے اور جب وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوتے تو جھنجلاہٹ کے مارے ہتھوڑے برسانے کا ارادہ کرلیتے ہیں حالانکہ اگر وہ نیا تالا اس کے موافق چابی سے کھولیں تو اتنی محنت بھی نہ کرنی پڑے اور مقصد بھی بآسانی حاصل ہو جائے۔ لہذا ہمیں بھی چاہیے جب کوئی کام کرنے لگیں تو غور کرلیں کہ یہ کام کس نوعیت کا ہے؟ اس کو کرنے کا طریقہ کیا ہے؟ اور اس کو بآسانی کیسے پورا کیا جاسکتا ہے؟

❀❀❀❀❀

اللھم اعزمحمدا بصلاۃ کل الوریٰ صل و سلم علی نبی الرسل و الانبیاء وعلیٰ الہ الاصفیاء و اصحابہ الاتقیاء و علماء امتہ و اولیاء ملتہ الاذکیاء، اللھم اتوجہ الیک بجاہ حبیبک مفتقرا الی رحمتک! لک الحمد و الشکر والتوفیق منک؛ تقبل السعی منی و من الرفقاء، وعم نفع رشحات عیون القلوب ھذہ لجمیع الدعاۃ و الطلباء۔

www.dawateislami.net

فرہنگ

آ + الف

آفتاب نصف روز: ابتدائے زوال سے پہلے کا سورج۔

آفتاب نصف روز کی تمازت: آدھے دن کے سورج کی گرمی۔

ابتدائے آفرینش: جسموں کی پیدائش کے ابتدائی مراحل۔

ابکائی: قے / متلی۔

اجلی البدیہیات: سب سے زیادہ واضح۔

ادراک: عقل و فہم کی رسائی / تصور / علم۔

اسرارِ فطرت: قدرت کے بھید / فطرت کے راز۔

الماس: ہیرا / قیمتی جوہر جو نہایت چمکیلا ہوتا ہے اور اس میں مختلف رنگوں کی دھاریاں ہوتی ہیں۔

اندوہ: غم۔

انگشت بدنداں: انگلیاں دانتوں میں دبائے / حیرت و تعجب کا ایک غیر اختیاری اظہار۔

ایجاز و اطناب: اختصار و تفصیل۔

ب

بادبان: وہ کپڑا جو کشتی کی رفتار تیز کرنے اور اس کا رخ موڑنے کے لیے لگاتے ہیں۔

بار آور: پھل دار۔

باشندگان: رہائشی۔

بخت خفتہ: سوئے ہوئے نصیب۔

بذلہ سنجی: مزاح / خوش طبعی۔

بساط: ہمت / حوصلہ / طاقت۔

بلادِ اسلامیہ: اسلامی شہر۔

ت

تالیفِ قلوب: دل جوئی کرنا / کسی کو اپنا ہم نوا بنانے کے لیے اس کے ساتھ بھلائی کرنا۔

تذکیر: یاددہانی / نصیحت۔

تسامحات: لغزشیں / غلطیاں۔

تشنہ: پیاسا۔

تصورِ عبدیت: بندگی کا تصور۔

تعدد صانع: ایک سے زائد خالق ہونا۔

تقریب ذہنی: دلیل کو مدّعیٰ کے مطابق کرنا۔

تماش بین: تماشا دیکھنے والے۔

تفویض امر: معاملہ سپرد کرنا۔

تموج خط نشو و نما پانے لگتا ہے: عجیب احساسات سنسناہٹ کی صورت میں پیدا ہونے لگتے ہیں۔

تند خو: بد مزاج۔

تنوع: وسعت / قسم قسم کا / کئی چیزوں کی گنجائش۔

ٹ

ٹامک ٹوئیاں مارنا: نہ تجربہ کار شخص کا اندازے سے کام کرنا۔

ج

جاہ و حشمت: شان و شوکت۔

جامہ: لباس۔

جوارِ حبیب: حضور کا پڑوس / مدینہ منورہ۔

جوئے شیر لانا: مشکل یا ناممکن کام کرنا۔

جمود: ایک ہی جگہ ٹھہرے رہنا۔

جہدِ مسلسل: مسلسل کوشش۔

جھکڑوں: آندھی / طوفان۔

چ

چپوؤں: کشتی چلانے کا ڈنڈا۔

ح

حیات جاودانی: لمبی زندگی / نئی زندگی۔

خ

خانگی و بیرونی: گھر اور باہر کے۔

خسیس: گھٹیا / نالائق / کمینہ۔

خفائے ذات: ذات کی پوشیدگی۔

خلاق عالم: دنیا کو بنانے والا / اللہ پاک۔

خلش: چبھن / کھٹک / خواہش۔

د

دخیل نہ ہوسکے: مداخلت نہ کرسکے۔

دراندازی: فتنہ و فساد۔

دریں اثنا: اس دوران۔

ذ

ذہنی مفلوج: حقیقت کو سمجھنے سے عاری۔

ذیلی: ضمنی۔

ر

راہزن: لٹیرا / ڈاکو۔

ز

زیر و بم: نیچا اونچا۔

س

سایہ فگن: سایہ کرنے والا۔

سحاب اسلام: اسلام کا بادل۔

سحر طراز خطیب: نشہ طاری کردینے والے خطیب۔

سخن ہائے گفتنی: گفتگو اور کلام۔

سریع التاثیر: تیزی سے اثر کرنے والا۔

سوانح عمری: حالاتِ زندگی۔

سوشل بائیکاٹ: معاشرتی قطع تعلق۔

سہ ماہی: تین ماہ میں شائع ہونے والا۔

سیاق وسباق: اگلے پچھلے مضامین کا باہمی تعلق۔

سیمابی کیفیت: گھبراہٹ کے وقت کی کیفیت جس میں ہاتھ پیر ٹھنڈے ہوجاتے ہیں۔

سریع التاثیر: تیزی سے اثر کرنے والا۔

ش

شاہکار: بڑا کارنامہ / عظیم انسان۔

شتر بے مہار: بے لگام اونٹ۔

شش ماہی: چھ ماہ میں شائع ہونے والا۔

شعوری عمل: ہوش و حواس کے ساتھ کیا جانے والا کام۔

شومیٔ قسمت: بدقسمتی۔

ص

صواب: درستی / صحیح باتیں۔

ط

طاقچوں: چھوٹے چھوٹے طاق۔

طلعت جمال: حسین چہرہ۔

ظ

ظلم آشام رات: ظالم زمانہ / ظلم کا وقت۔

ع

عالم تخلیق: موجودات کی پیدائش کا نظام۔

عالم تشریع: نظام شریعت۔

عالم تکوین: عالمِ تخلیق کے مترادف کے طور پر ذکر کیا گیا ہے۔

عالم لاہوت: عالمِ ذات الٰہی کا وہ مقام جہاں سالک کو فنا فی اللہ کا درجہ حاصل ہوتا ہے۔

عالم ناسوت: دنیا / عالم اجسام۔

عرق مسامات: پسینا۔

عندلیب: بلبل۔

عوارض ذاتیہ: جو چیزیں کسی ذات کو لاحق ہوں۔

غ

غیر لفظی ابلاغ: زبان سے بولے بغیر ہونے والی تبلیغ۔

ق

قرطاس: کاغذ / صفحہ / Page۔

قرن نبوی: زمانۂ نبوی۔

قصہ پارینہ: پرانا قصہ۔

قطع برید: تراش خراش / کاٹ چھانٹ۔

ک

کار گر: کام بنانے والا / فائدہ مند۔

گ

گمراہ گر: گمراہ کرنے والا۔

م

مادی فوائد: ظاہری فائدے۔

مانند: طرح / کسی کے جیسا۔

متعصب خبطی: بے جاحمایت کرنے والا پاگل۔

متمثل: عکسی صورت میں ظاہر ہو جانا۔

متنازع: وہ چیز جس پر دو یا دو سے زائد افراد کا جھگڑا ہو۔

مثبت: ثابت شدہ / Positive۔

مجلہ: رسالہ۔

مخدوش: مشکوک / خدشہ سے بھرا ہوا۔

مدبر: عقل مند۔

مدوجزر: اتار چڑھاؤ۔

مرقع نگاری: بناؤ سنگار۔

مردم شناسی: اچھے برے لوگوں کو پہچاننا۔

مستمر بالعدم: وہ جو عدم سے وجود میں آیا۔

مسودہ: تحریر کی ابتدائی کاپی۔

مشتاقانِ دید: دیدار کے منتظر۔

مطلع: آسمان کا منظر۔

معاصر: ہم عصر / ہم زمانہ۔

معاندین: دشمن۔

ملحد: جو خالق کائنات کا منکر ہو۔

ملکیت: فرشتوں کا نظام۔

منصہ شہود: وہ جگہ جہاں کسی چیز کا جلوہ دکھایا جائے۔

ن

نشیب و فراز: اونچ نیچ / اتار چڑھاؤ۔

نکتہ آفرینی: دلچسپ باتیں نکالنا۔

ہ

ہزیمت: شکست / شرمندگی۔

ہمہ گیر: عالم گیر / دنیا کو گھیرا ہوا۔

اہم نوٹ

الفاظ کے وہی معانی لکھے گئے ہیں جو کتاب کی عبارت میں مراد ہیں۔

ماخذومراجع

نام کتاب	مصنف / مؤلف / متوفیٰ	مطبوعات
قرآن پاک	کلام الٰہی	
	کتب تفسیر	
تفسیر بغوی	امام ابو محمد حسین بن مسعود فراء بغوی، متوفی ٥١٦ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت ١٤١٤ھ
تفسیر کبیر	امام فخر الدین محمد بن عمر بن حسین رازی، متوفی ٦٠٦ھ	دار احیاء التراث العربی بیروت ١٤٢٠ھ
تفسیر قرطبی	ابو عبد اللہ محمد بن احمد انصاری، متوفی ٦٧١ھ	دار الفکر بیروت ١٤٢٠ھ
تفسیر بیضاوی	امام ناصر الدین عبد اللہ بن عمر شیرازی بیضاوی، متوفی ٦٨٥ھ	دار الفکر بیروت ١٤٢٠ھ
تفسیر خازن	علاؤالدین علی بن محمد بغدادی، متوفی ٧٤١ھ	دار الکتب العلمیۃ
تفسیر ابن کثیر	حافظ ابو الفداء اسماعیل بن عمر ابن کثیر دمشقی، متوفی ٧٧٤ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت ١٤١٩ھ
تفسیر روح البیان	شیخ اسماعیل حقی بروسوی، متوفی ١١٣٧ھ	دار احیاء التراث العربی بیروت
تفسیر صاوی	احمد بن محمد صاوی مالکی خلوتی، متوفی ١٢٤١ھ	دار الفکر بیروت ١٤٢١ھ
	کتب حدیث	
بخاری	امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری، متوفی ٢٥٦ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت ١٤١٩ھ
مسلم	امام ابو الحسین مسلم بن الحجاج القشیری، متوفی ٢٦١ھ	دار الکتاب العربی، ١٤٢٧ھ
ترمذی	امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی، متوفی ٢٧٩ھ	دار الفکر بیروت ١٩٩٤
ابو داود	امام ابو داود سلیمان بن اشعث سجستانی، متوفی ٢٧٥ھ	دار احیاء التراث العربی بیروت ١٤٢١ھ
نسائی	امام ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب نسائی، متوفی ٣٠٣ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت
مؤطا امام مالک	امام مالک بن انس، متوفی ١٧٩ھ	دار المعرفۃ بیروت ١٤٢٠ھ
دارمی	امام عبد اللہ بن عبد الرحمٰن دارمی، متوفی ٢٥٥ھ	دار الکتاب العربی ١٤٠٧ھ
معجم کبیر	حافظ ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی، متوفی ٣٦٠ھ	دار احیاء التراث العربی ١٤٢٢ھ
الادب المفرد	امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری، متوفی ٢٥٦ھ	قاہرہ
مسند امام احمد	امام احمد بن حنبل، متوفی ٢٤١ھ	دار الفکر بیروت ١٤١٤ھ
مستدرک	امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم نیشاپوری، متوفی ٤٠٥ھ	دار المعرفۃ بیروت ١٤١٨ھ
شعب الایمان	امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی، متوفی ٤٥٨ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت ١٤٢١ھ
جامع صغیر	امام جلال الدین عبد الرحمن بن ابی بکر سیوطی، متوفی ٩١١ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت ١٤٢٥ھ
کنز العمال	علامہ علی بن حسام الدین متقی برہان پوری، متوفی ٩٧٥ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت ١٤١٩ھ
تاریخ ابن عساکر	ابو القاسم علی بن حسن شافعی المعروف بابن عساکر، متوفی ٥٧١ھ	دار الفکر بیروت ١٤١٥ھ
	شروح حدیث	
عمدۃ القاری	امام بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی، متوفی ٨٥٥ھ	کراچی
فتح الباری	حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی، متوفی ٨٥٢ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت ١٤٢٥ھ

المجموع شرح المہذب	امام یحیٰ بن شرف الدین النووی، متوفی ٦٧٦ھ	دار الفکر بیروت
مرقاۃ المفاتیح	علی بن سلطان محمد القاری المشہور بملا علی قاری، متوفی ١٠١٤ھ	دار الفکر بیروت ١٤١٤ھ
اشعۃ اللمعات	شیخ عبد الحق محدث دہلوی، متوفی ١٠٥٢ھ	کوئٹہ
حواشی علی مقاصد الحسنۃ	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان، متوفی ١٣٤٠ھ	مخطوطہ
مراٰۃ المناجیح	حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی، متوفی ١٣٩١ھ	ضیاء القراٰن پبلی کیشنز لاہور
	کتب فقہ	
فتاویٰ ہندیہ	شیخ نظام الدین وجماعت علمائے ہند	دار الفکر بیروت ١٤٠٢ھ
در مختار	علامہ علاؤ الدین محمد بن علی حصکفی، متوفی ١٠٨٨ھ	دار المعرفۃ بیروت ١٤٢٠ھ
رد المحتار	علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی، متوفی ١٢٥٢ھ	دار المعرفۃ بیروت ١٤٢٠ھ
کشف الاسرار	امام علاء الدین عبد العزیز بن احمد بخاری، متوفی ٧٣٠ھ	دار الکتب العربی ١٤١٧ھ
التوضیح لمتن التنقیح	صدر الشریعہ عبید اللہ بن مسعود محبوبی بخاری حنفی، متوفی ٧٤٧ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت
نور الایضاح مع مراقی الفلاح	ابو الاخلاص حسن بن عمار بن علی شرنبلالی حنفی، متوفی ١٠٦٩ھ	مکتبۃ المدینہ کراچی ١٤٣٢ھ
فتاویٰ رضویہ	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان، متوفی ١٣٤٠ھ	رضا فاؤنڈیشن لاہور
بہارِ شریعت	مفتی محمد امجد علی اعظمی، متوفی ١٣٦٧ھ	مکتبۃ المدینہ کراچی ١٤٢٩ھ
	کتب تصوف	
قوت القلوب	القلوب الشیخ ابو طالب محمد بن علی المکی، متوفی ٣٨٦ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت ١٤٢٦ھ
احیاء العلوم	امام ابو حامد محمد بن محمد غزالی، متوفی ٥٠٥ھ	دار صادر بیروت
الحدیقۃ الندیۃ	علامہ عبد الغنی بن اسماعیل دمشقی نابلسی حنفی، متوفی ١١٤٣ھ	پشاور
	کتب سیرت	
السیرۃ النبویۃ	ابو محمد عبد الملک بن ہشام حمیری معافری، متوفی ٢١٣ھ	دار الکتب العلمیۃ ١٤٢٢ھ
الروض الانف	ابو لقاسم عبد الرحمن بن عبد اللہ سہیلی، متوفی ٥٨١ھ	دار الکتب العمیۃ بیروت
سیرۃ النبویۃ	حافظ ابو الفداء اسماعیل بن عمر ابن کثیر دمشقی، متوفی ٧٧٤ھ	دار الفکر ١٣٩٨ھ
وفاء الوفا	نور الدین علی بن احمد سمہودی، متوفی ٩١١ھ	دار احیاء التراث العربی بیروت
مواہب اللدنیۃ	الشیخ احمد بن محمد القطلانی، متوفی ٩٢٣ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت ١٩٩٦
سبل الھدی والرشاد	امام محمد بن یوسف صالحی شامی، متوفی ٩٤٢ھ	دار الکتب العلمیۃ ١٤١٤ھ
السیرۃ الحلبیۃ	علامہ ابو الفرج نور الدین علی بن ابراہیم حلبی، متوفی ١٠٤٤ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت ١٤٢٢ھ
شرح الزرقانی	محمد بن عبد الباقی بن یوسف زرقانی، متوفی ١١٢٢ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت ١٤١٧
بذل القوۃ	محمد ہاشم بن عبد الغفور سندی ٹھٹوی حنفی، متوفی ١١٧٤ھ	دار الفتح
حافظ ملت نمبر	ماہنامہ اشرفیہ	دفتر ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور
	کتب تاریخ	
الکامل فی التاریخ	عز الدین ابو الحسن علی بن ابو الکرم ابن اثیر جزری، متوفی ٦٣٠ھ	دار الکتب العلمیۃ ١٤٠٧ھ
المواعظ والاعتبار	تقی الدین احمد بن علی مقریزی	مکتبہ مدبولی قاہرہ ١٩٩٧ء

التنبئة بمن یبعثه الله علی رأس کل مائة	امام جلال الدین عبد الرحمن بن ابی بکر سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ	دار الثقة للنشر والتوزیع
تاریخ فرشتہ	محمد قاسم فرشتہ	ویز ایبل اسلامک پبلیکیشنز لاہور
	کتبِ سیر	
حلیة الاولیاء	حافظ ابو نعیم احمد بن عبد اللہ اصفہانی شافعی، متوفی ۴۳۰ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۱۹ھ
اسد الغابۃ	عز الدین ابو الحسن علی بن ابو الکرم ابن اثیر جزری، متوفی ۶۳۰ھ	دار احیاء التراث العربی ۱۴۱۷ھ
وفیات الاعیان	ابو العباس شمس الدین احمد بن محمد بن خلکان، متوفی ۶۸۱ھ	دار الکتب العلمیۃ ۱۴۱۹ھ
الوافی بالوفیات	صلاح الدین خلیل بن ایبک الصفدی، متوفی ۷۶۴ھ	دار احیاء التراث العربی ۱۴۲۰ھ
الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ	حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی، متوفی ۸۵۲ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۱۵ھ
اخبار الاخیار	شیخ عبد الحق محدث دہلوی، متوفی ۱۰۵۲ھ	فاروق اکیڈمی ضلع خیرپور
حیاتِ اعلیٰ حضرت	ملک العلماء محمد ظفر الدین بہاری، متوفی ۱۳۸۲ھ	مکتبۃ المدینہ کراچی
تجلیاتِ رضا	رئیس التحریر علامہ ارشد القادری	دار تراث الاسلاف ۲۰۲۱ء
اکمل التاریخ	مولانا محمد یعقوب حسین ضیاء القادری بدایونی، متوفی ۱۳۹۰	تاج الفحول اکیڈمی بدایوں ۱۴۳۴ھ
حضرت سیدنا عمر بن عبد العزیز کی 425 حکایات	المدینۃ العلمیہ	مکتبۃ المدینہ کراچی
	کتبِ عقائد	
المطالب العالیۃ	امام فخر الدین محمد بن عمر بن حسین رازی، متوفی ۶۰۶ھ	دار الکتب العربی ۱۴۰۷ھ
شرح مقاصد	علامہ مسعود بن عمر المعروف بسعد الدین تفتازانی، متوفی ۷۹۳ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۲۲ھ
عقیدۂ آخرت	رئیس التحریر علامہ ارشد القادری، متوفی ۱۴۲۳ھ	مکتبۃ المدینہ کراچی ۱۴۳۷ھ
	کتبِ لغت	
معجم مقاییس اللغۃ	ابو الحسن احمد بن فارس بن زکریا، متوفی ۳۹۵ھ	دار احیاء التراث العربی ۱۴۲۹ھ
الفروق اللغویۃ	ابو ہلال حسن بن عبد اللہ بن سہل عسکری، متوفی ۴۰۰ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۲۷ھ
مفردات الفاظ القرآن	علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی، متوفی ۴۲۵ھ	دار القلم دمشق ۱۴۱۶ھ
نہایۃ الایجاز	امام فخر الدین محمد بن عمر بن حسین رازی، متوفی ۶۰۶ھ	دار صادر بیروت ۱۴۲۴ھ
لسان العرب	ابو الفضل جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور افریقی، متوفی ۷۱۱ھ	مؤسسۃ الاعلمی بیروت ۱۴۲۶ھ
التعریفات	ابو الحسن علی بن محمد حسینی المعروف سید شریف جرجانی، متوفی ۸۱۶ھ	دار المنار
دستور العلماء	قاضی عبد النبی بن عبد الرسول احمد نکری	دار الیقین ۱۴۳۲ھ
	کتبِ متفرقہ	
کتاب ایضاح الوقف والابتداء	ابو بکر محمد بن قاسم بن بشار انباری، متوفی ۳۲۸ھ	دمشق ۱۳۹۱ھ
کشف الظنون	مصطفی بن عبد اللہ قسطنطینی المعروف بحاجی خلیفہ، متوفی ۱۰۶۷ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت
مقالاتِ کاظمی	غزالی زماں علامہ احمد سعید کاظمی، متوفی ۱۴۰۶ھ	مکتبہ ضیائیہ ضیاء العلوم راولپنڈی
الدعوۃ والداعیۃ الی الاسلام	نور الدین عتر بن محمد بن حسن حسینی، متوفی ۱۴۴۲ھ	دار السلام قاہرہ ۱۴۳۳ھ
سنی علماء کی حکایات	ابو النور محمد بشیر کوٹلوی	فرید بک اسٹال
مقالاتِ صدر الافاضل	صدر الافاضل مولانا سید نعیم مراد آبادی، متوفی ۱۳۶۷ھ	مکتبہ جامعہ نعیمیہ مراد آبادیوپی

پہلا حصہ

- **پہلا باب: علم دعوت کے ارکان**
  - پہلی فصل: دعوتِ دین
    - دعوت کا اصطلاحی معنی
    - نیکی کی دعوت کے اہداف
      - بیانِ حق اور بلاغِ مبین
      - اللہ کے دین کا نفاذ
      - دلوں کی اصلاح اور پاکیزگی
      - معرفتِ خداوندی واحکاماتِ الٰہیہ
      - امر بالمعروف ونہی عن المنکر
  - دوسری فصل: داعی ومبلغ
    - داعی ومبلغ کی تعریف
    - داعی ومبلغ کی اقسام
      - انبیائے کرام
      - علمائے کرام
      - اُمرا وحکمران
      - موذن
  - تیسری فصل: مدعو
    - مدعو کی تعریف
    - مدعو کی اقسام
      - موافقین
        - سابقین
        - متبعین
        - ضعفا
        - منافقین
      - مخالفین
        - معاندین
        - منتظرین
        - غافلین
  - چوتھی فصل: مدعوالیہ
    - عناصر مذہب
      - نظام عقائد
        - عقیدۂ توحید
          - وجودِ صانع
          - وحدانیت
        - عقیدۂ رسالت ونبوت
          - حقیقت نبوت
          - ضرورت نبوت
          - انبیائے کرام کی 46 خصوصیات
        - عقیدۂ آخرت
          - عقیدۂ آخرت کی ضرورت
          - عقیدۂ آخرت کے دلائل
            - نقلی دلیل
            - عقلی دلیل
            - افکارِ عالم
      - نظام عبادات
        - بلاواسطہ عبادات
        - بالواسطہ عبادات
      - نظام اخلاق
        - جذبۂ محرکہ
        - شخصی اخلاقیات
        - معاشرتی اخلاقیات
- **دوسرا باب: انبیائے کا منہج دعوت**
  - پہلی فصل: دعوت توحید
  - دوسری فصل: عقیدۂ آخرت کی دعوت
  - تیسری فصل: اصلاح اور تربیت
  - چوتھی فصل: برائی سے روکنا
  - پانچویں فصل: انبیا کی مشترکہ عبادات
- **تیسرا باب: حضرت نوح کا منہج دعوت**
  - پہلی فصل: دعوت نوح کی اساس
    - دعوت توحید
    - ردِ شرک
    - اخوت ومساوات
  - دوسری فصل: دعوتِ نوح کا اسلوب
    - شفقت بھرا انداز
    - اندازِ دعوت میں وسعت
    - غور وفکر کی ترغیب
  - تیسری فصل: حضرت نوح کی ثابت قدمی
    - مسلسل کوشش
    - معاملہ اللہ کے حوالے کر دینا
    - اللہ پر توکل
- **چوتھا باب: آخری پیغمبر کی دعوتِ دین**
  - پہلا مبحث: تدریج
    - پہلی فصل: دعوتِ دین میں تدریج
      - دعوتِ دین کے چھ ادوار
    - دوسری فصل: احکام شرع میں تدریج
      - نماز کے تدریجی احکام
      - روزے کے تدریجی احکام
      - شراب کی تدریجی حرمت
  - دوسرا مبحث: تعلیم وتربیت
    - پہلی فصل: غیر مستقل تعلیم وتربیت
    - دوسری فصل: مستقل تعلیم وتربیت
      - مَردوں کی تعلیم وتربیت کا نظام
      - خواتین کی تعلیم وتربیت کا نظام
- **پانچواں باب: صحابہ کا منہج دعوت**
  - پہلا مبحث: اشاعت قرآن
    - پہلی فصل: جمع قرآن
    - دوسری فصل: تعلیم قرآن
  - دوسرا مبحث: تبلیغ دین
    - پہلی فصل: صحابہ کا کردار
    - دوسری فصل: نفسیات کا لحاظ
- **چھٹا باب: مجددِ دین کا منہج دعوت**
  - پہلی فصل: عقائد ونظریات کی تجدید
    - تحریر وتصنیف
    - مناظرہ
    - تقریر
  - دوسری فصل: احوالِ مسلمین کی تجدید
    - تحریر وتصنیف
    - وعظ ونصیحت
    - درس وتدریس

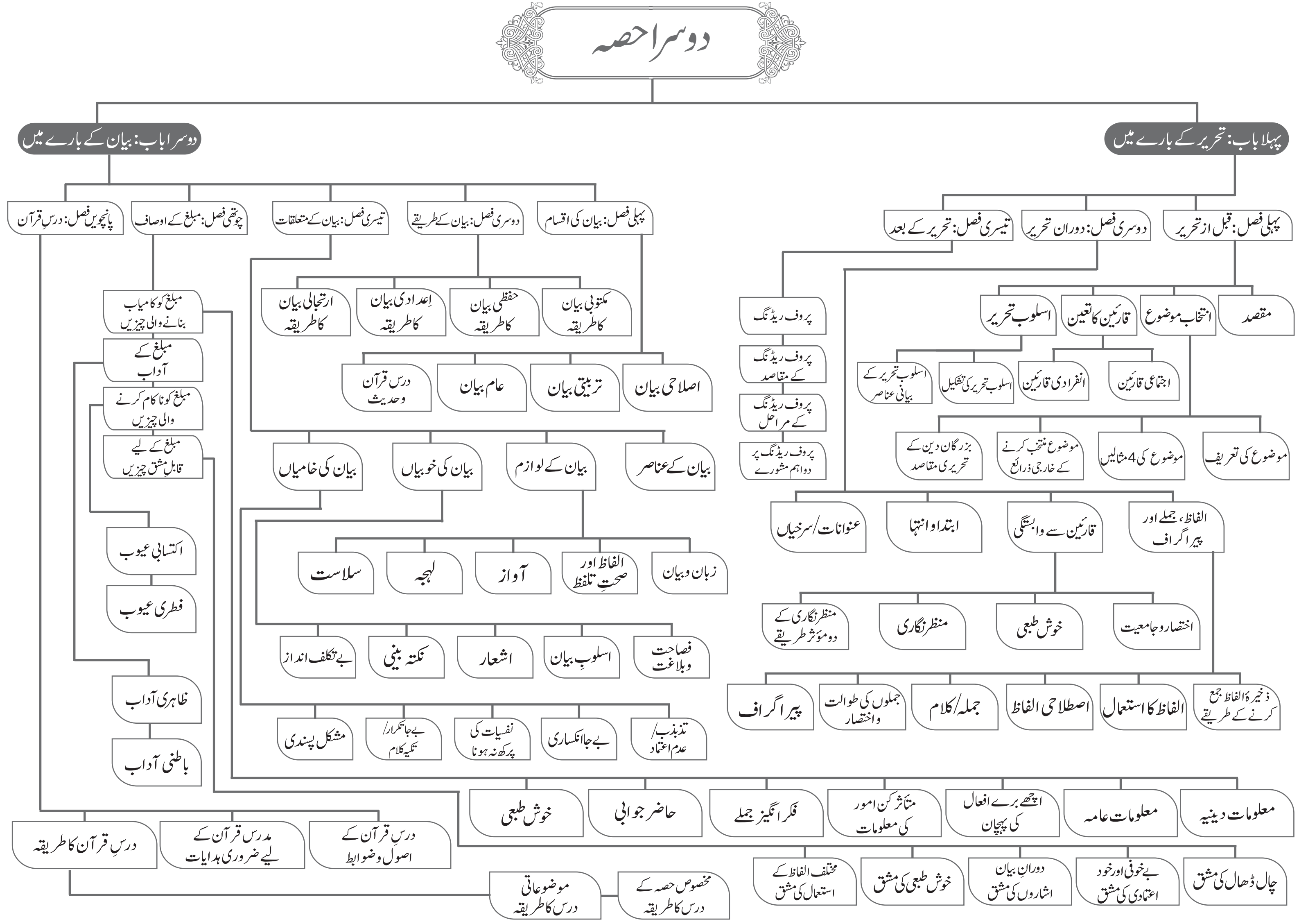
دوسرا حصہ
پہلا باب: تحریر کے بارے میں
پہلی فصل: قبل از تحریر
دوسری فصل: دورانِ تحریر
تیسری فصل: تحریر کے بعد
مقصد
انتخاب موضوع
قارئین کا تعین
اسلوب تحریر
اجتماعی قارئین
انفرادی قارئین
اسلوب تحریر کی تشکیل
اسلوب تحریر کے بیانی عناصر
موضوع کی تعریف
موضوع کی 4 مثالیں
موضوع منتخب کرنے کے خارجی ذرائع
بزرگانِ دین کے تحریری مقاصد
پروف ریڈنگ
پروف ریڈنگ کے مقاصد
پروف ریڈنگ کے مراحل
پروف ریڈنگ پر دو اہم مشورے
الفاظ، جملے اور پیراگراف
قارئین سے وابستگی
ابتدا و انتہا
عنوانات/سرخیاں
اختصار و جامعیت
خوش طبعی
منظر نگاری
منظر نگاری کے دو مؤثر طریقے
ذخیرۂ الفاظ جمع کرنے کے طریقے
الفاظ کا استعمال
اصطلاحی الفاظ
جملہ/کلام
جملوں کی طوالت و اختصار
پیراگراف
دوسرا باب: بیان کے بارے میں
پہلی فصل: بیان کی اقسام
دوسری فصل: بیان کے طریقے
تیسری فصل: بیان کے متعلقات
چوتھی فصل: مبلغ کے اوصاف
پانچویں فصل: درسِ قرآن
مکتوبی بیان کا طریقہ
حفظی بیان کا طریقہ
اِعدادی بیان کا طریقہ
ارتجالی بیان کا طریقہ
اصلاحی بیان
تربیتی بیان
عام بیان
درسِ قرآن و حدیث
بیان کے عناصر
بیان کے لوازم
بیان کی خوبیاں
بیان کی خامیاں
زبان و بیان
الفاظ اور صحتِ تلفظ
آواز
لہجہ
سلاست
فصاحت و بلاغت
اسلوبِ بیان
اشعار
نکتہ بینی
بے تکلف انداز
تذبذب/عدم اعتماد
بے جا انکساری
نفسیات کی پرکھ نہ ہونا
بے جا تکرار/تکیہ کلام
مشکل پسندی
مبلغ کو کامیاب بنانے والی چیزیں
مبلغ کے آداب
مبلغ کو ناکام کرنے والی چیزیں
مبلغ کے لیے قابلِ مشق چیزیں
اکتسابی عیوب
فطری عیوب
ظاہری آداب
باطنی آداب
معلومات دینیہ
معلومات عامہ
اچھے برے افعال کی پہچان
متاثر کن امور کی معلومات
فکر انگیز جملے
حاضر جوابی
خوش طبعی
چال ڈھال کی مشق
بے خوفی اور خود اعتمادی کی مشق
دورانِ بیان اشاروں کی مشق
خوش طبعی کی مشق
مختلف الفاظ کے استعمال کی مشق
درسِ قرآن کا طریقہ
مدرسِ قرآن کے لیے ضروری ہدایات
درسِ قرآن کے اصول و ضوابط
موضوعاتی درس کا طریقہ
مخصوص حصہ کے درس کا طریقہ

فیڈبیک فارم

Feedback Form

نام: ______________ منصب وعہدہ: ______________

فون نمبر: ______________ ای میل ایڈریس: ______________

کتاب کے بارے میں مجموعی تأثر: ______________

____

____

کتاب کی بہتری کے لیے مشورہ: ______________

____

____

اغلاط کی نشاندہی

صفحہ نمبر: ______________

تفصیل: ______________

____

____

____

____

فیڈبیک فارم اس ای میل ایڈریس پر بھیجیں۔

ilmia@dawateislami.net

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

انمول خزانہ

کتاب "نیکی کی دعوت کے اہم اُصول" علم وآگاہی کی دنیا میں ایک اہم اضافہ ہے جو آپ کو غور و فکر کی نئی جہتیں فراہم کرے گا؛ اس کے ورق ورق پر ایسی عبارات موجود ہیں جو شعور کو پروان چڑھا کر اعلیٰ فکر کی طرف لے جانے والی ہیں، قدم قدم پر ایسے گلشن بسائے گئے ہیں جن کے ہر پھول کی خوشبو فرحت بخش ہے۔ اگر آپ انبیائے کرام علیہم السلام کے مناہجِ دعوت سے واقف ہونا چاہتے ہیں یا صحابہ کرام علیہم الرضوان کے اندازِ دعوت کو جاننے کی تمنا رکھتے ہیں یا یہ جاننے کی خواہش ہے کہ اسلافِ امت نے کس طرح اپنے اپنے زمانے میں اِعلائے کلمۃ الحق کے لیے اسلام کا جھنڈا بلند فرمایا یا پھر آپ ایک کامیاب مصنف بن کر تحریر کے ذریعے دینِ متین کی خدمت کرنے کے خواہش مند ہیں یا بیان کو نیکی کی دعوت کا ذریعہ بنانے کا ارادہ رکھتے ہیں تو۔۔۔

ایک بار اس کتاب کا بغور مطالعہ کیجیے ان شاء اللہ علم و حکمت کا انمول خزانہ ہاتھ آئے گا۔

978-969-722-387-9

01013374

فیضانِ مدینہ، محلہ سوداگران، پرانی سبزی منڈی، باب المدینہ (کراچی)

UAN +92 21 111 25 26 92 0313-1139278

www.maktabatulmadinah.com / www.dawateislami.net

feedback@maktabatulmadinah.com / ilmia@dawateislami.net